مسجد کی آبادی کی محنت

حضرت مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم

ترتیب

مولانا محمد علی

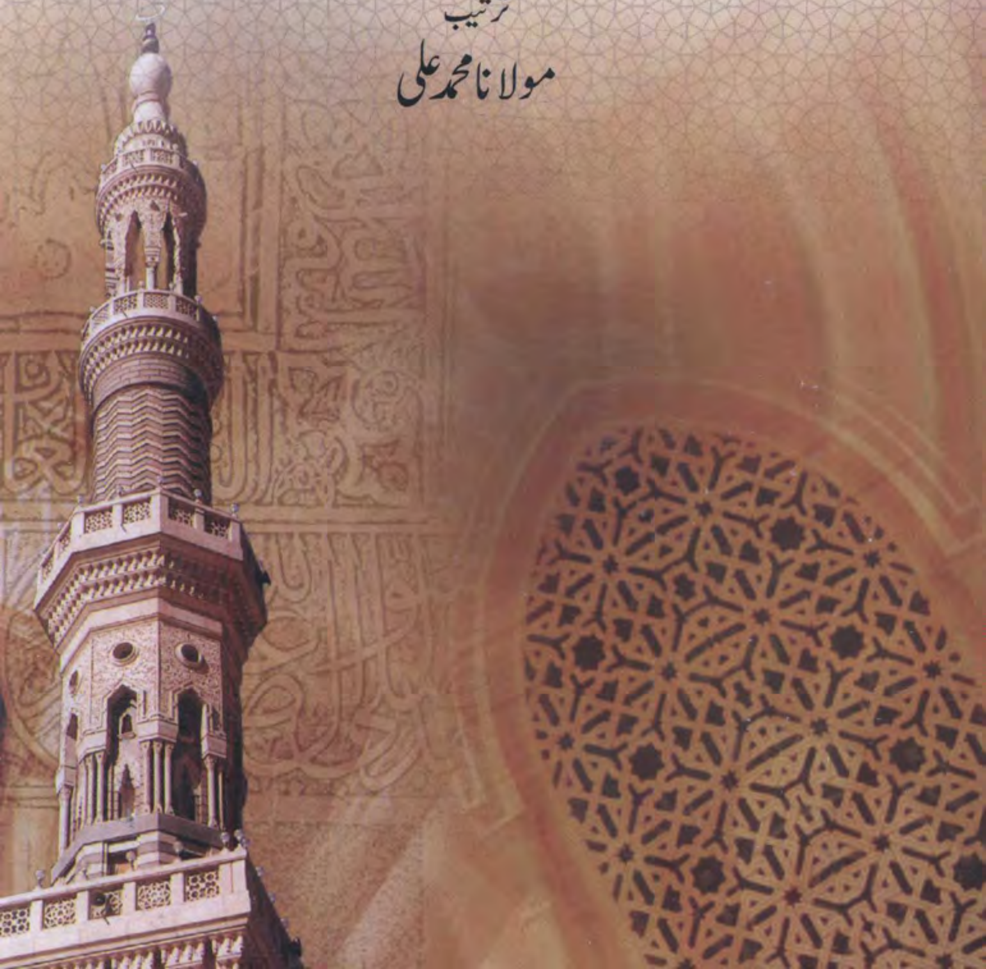

© ادارہ

اس کتاب کی نقل کرنے یا طبع کرنے کے ارادے سے کسی بھی صفحہ یا الفاظ کا استعمال، ریکارڈنگ، فوٹو کاپی کرنے یا کسی دوسرے طریقے سے اس کا عکس لینے اور اس میں دی ہوئی کسی بھی معلومات کو محفوظ کرنے کے لئے ناشر کی تحریری طور پر اجازت لینا ضروری ہے۔

نام کتاب: مسجد کی آبادی کی محنت

افادات : حضرت مولانا محمد سعد کاندھلوی دامت برکاتہم

ترتیب : مولانا محمد علی

زیرنگرانی : رضوان ظہیر خان (سابق ممبر آف پارلیمنٹ)

Masjid Ki Aabadi Ki Mehnat

9788171015832 00000

باہتمام: محمد یونس

اشاعت: ۲۰۱۲ء

TP-083-12

ISBN: 81-7101-583-2

Published by Mohammad Yunus for

IDARA IMPEX

D-80, Abul Fazal Enclave-I, Jamia Nagar
New Delhi-110 025 (India)
Tel.: 2695 6832 Fax: +91-11-6617 3545
Email: **sales@idaraimpex.com**
Visit us at: **www.idarastore.com**

Designed & Printed in India

Typesetted at: **DTP Division**

IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT

P.O. Box 9795, Jamia Nagar, New Delhi-110025 (India)

اپنی بات

محترم عزیزو! مسلمانوں کی ایک چوک نے ہم مسلمانوں کو ناکام بنا رکھا ہے۔ ہم سب کی وہ چوک درست ہو جائے، یہ کتاب اسی لیے لکھی گئی ہے۔

اب رہی بات یہ، کہ آخر مسلمانوں سے کیا چوک ہوگئی؟ تو چوک یہ ہوگئی، کہ ہم مسلمانوں کے اندر سے ایمان کے سیکھنے اور ایمان کے سکھلانے کا رواج ختم ہو گیا ہے۔ آج مسلمانوں نے سب کچھ سیکھا، پر ایمان کو نہ سیکھا اور صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں، کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن کو سیکھا۔ آج امت ایمان کو سیکھے بغیر، نمازوں سے اور دیگر اعمالِ محمدی سے فائدہ حاصل کرنا چاہ رہی ہے، جو ناممکن ہے۔ کتاب میں درج واقعات اور احادیث کو مسلمان، دعوت میں اور اپنے غور و فکر میں لا کر اپنے اندر اللہ سے ہونے کا گمان پیدا کرلیں، تاکہ مسلمانوں کے کام دعاؤں کے راستے سے بننے لگیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ سے کام بنوانے کا راستہ گمان ہے "اَنَا عِنْدِ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ" اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان کرے گا، میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کروں گا۔ اگر انسان کے اندر مال سے ہونے کا گمان ہے، تو اس کا کام مال سے ہوگا اور اگر دنیا میں پھیلی ہوئی چیزوں اور سامان سے کام ہونے کا گمان ہے، تو اس راستے سے ہوگا۔ اس گمان کا نقصان یہ ہے، کہ آدمی کے اندر جس چیز سے ہونے کا گمان ہوگا، وہ اسی چیز کا محتاج ہوگا۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے اندر صرف اور صرف اللہ ہی سے ہونے کا گمان پیدا کرایا تھا، جس کی وجہ سے صحابہؓ کے اندر اللہ کی محتاجگی تھی، کہ ہر وقت ہر آن ہر لمحہ وہ اپنے آپ کو اللہ کا محتاج سمجھتے تھے۔

وہ صحابہؓ والی بات اور صحابہؓ والا گمان، ہم مسلمانوں کے اندر پیدا ہو جائے اس کے لیے جس طرح سے حضرات صحابہ کرام نے مسجد کو آباد کرنے والی محنت کی تھی، ہم مسلمانوں کو بھی ''مسجد کی آبادی کی محنت'' میں سب سے پہلے ایمان کو سیکھنا پڑے گا، وہ بھی اس طرح سے جس طرح سے حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم فرما رہے ہیں۔ اس لیے حضرت مولانا کا بیان جو کتاب میں درج کیا جا رہا ہے، یہ ایمان کو سیکھنے میں ہماری مدد کرے گا، مسجد کو آباد کرنے والی محنت کے ساتھ ہم سب کو کتابوں میں درج باتوں کو اپنی روزمرہ کی بات چیت میں لانا پڑے گا، ہر جگہ نصرت کے واقعات اور غیبی نظام کی باتیں سنانی ہے اور اتنی سنانی ہے، کہ یہ چیز رواج میں آجاوے۔

اس لیے کہ میرے دوستو! ایمان نہ سیکھنے کی وجہ سے، انسان امتحان کی چیزوں سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب کہ اطمینان کا حاصل ہونا اللہ تعالیٰ نے جسم کے صحیح استعمال پر رکھا ہے۔ ہمارے جسم کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ان کے حکموں پر استعمال ہونے لگیں۔ کہ آنکھ، کان، زبان، دماغ، ہاتھ، پیر اور شرمگاہ حرام سے بچ جائے۔ اس کے لیے مسجدوں میں ایمان کے حلقے لگا کر اللہ کی ذات اور اس کی صفات کا یقین پیدا کرنا پڑے گا۔

میرے دوستو! آج مسلمان حلال کمانے کے باوجود حلال کھانے کے باوجود اور حلال پہننے کے باوجود حرام بول رہا ہے، حرام دیکھ رہا ہے، حرام سن رہا ہے اور حرام سوچ رہا ہے۔ ایمان کو نہ سیکھنے ہی کی یہ وجہ ہے، کہ آج ہم اپنے ایمان سے بے پرواہ ہیں، اگر ہمیں ایمان کی پرواہ ہوتی، تو ہم حرام سے بچ رہے ہوتے، اس لیے کہ مسلم شریف ہی حدیث ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' کہ جب کسی مومن سے گناہ کبیرہ ہو جاتا ہے، تو ایمان کا نور اس کے دل سے نکل کر اس کے سر پر سایہ کر لیتا ہے، جب تک وہ توبہ نہیں کرتا، وہ نور اس کے جسم میں واپس نہیں آتا ہے۔''

اب ہمیں یہ کیسے پتہ چلے کہ گناہ کبیرہ کیا ہے؟ اس لیے گناہ کبیرہ کی فہرست کتاب کے آخر میں درج کی جا رہی ہے۔ آپ حضرات اسے دیکھ کر عمل میں لاویں۔

رضوان ظہیر خان

❖ بیان ❖

''حضرت مولانا سعد صاحب''

۶ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز: اتوار صبح: ۱۰ بجے

مقام: ایٹ کھیڑا، بھوپال (عمومی بیان)

﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ (توبہ: ۱۸)

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اجتماع میلا بن کر رہ جائے

میرے محترم دوستوں بزرگوں! ہر سال کے اجتماع کا یہاں (بھوپال میں) ایک معمول بن گیا ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں ہم رواج کی طرف جا رہے ہوں۔ مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ اس کام میں لگنے والوں کی اگر ظہر اور عصر کی نمازوں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے تو پھر کام کرنے والا تنزّلی پر ہے، ترقی پر نہیں۔ اگر ظہر اور عصر کے درمیان فرق ہے تو اس کام میں چلنے والا ترقی کر رہا ہے۔ ظہر، عصر کی نماز کا فرق اس کام میں صرف نماز میں ہی نہیں دیکھنا ہے بلکہ پوری زندگی میں دیکھنا ہے کہ ظہر کے بعد عصر پڑھنے کے درمیان زندگی کیسے گزری؟ اس لیے یہ غور کرو، کہ

ہم نے اس کام سے اب تک کیا کمایا؟ اور

ہمارے اندر کیا تبدیلی آئی؟

کہیں ایسا نہ ہو، کہ یہ اجتماع میلا بن کر رہ جائے۔

ہمارا جمع ہونا، نبوت اور دعوت کی نسبت پر ہے

میرے دوستوں! ہمارا جمع ہونا تو بڑی عالی نسبت پر ہے، کہ دعوت نبوت کی نسبت ہے، اس سے بڑی کوئی نسبت اللہ نے پیدا ہی نہیں کی ہے۔ کہ جس کام کے لیے نبیوں کا انتخاب کیا

جائے، اس کام سے بڑا کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ تو ہمارا جمع ہونا بڑی اونچی نسبت پر ہے۔ جس نسبت پر ہم جمع ہوئے ہیں اسی نسبت پر ہمارا بکھرنا بھی ہو۔ اگر ہمارا بکھرنا اس نسبت کے علاوہ ہے تو ہمارا اجڑنا بھی اس نسبت پر نہیں ہوگا کہ ہمارا جمع ہونا نبوت اور دعوت کی نسبت پر ہے۔ یہ ہمارے جڑنے اور جمع ہونے کی وجہ ہے۔ اس لیے یہ بات سب کے خیال میں رہے کہ یہ عبادت کی اور ذکر کی وہ مجلس ہے، جس کو فرشتوں نے اپنے پروں سے آسمان تک خدا کی قسم! گھیرا ہوا ہے۔ ہمیں فرشتے نظر نہیں آرہے پر یہ بات سچی اور پکی ہے اس لیے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی خبر ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ اللہ نے ہمارے امتحان کے لیے ان فرشتوں کو ہماری نظر سے چھپایا ہوا ہے۔ ورنہ یہ بات بالکل حق ہے کہ اس وقت فرشتوں نے آسمان تک ہم سب کو اپنے پروں سے ڈھکا ہوا ہے۔ یہ ذکر کی مجلس ہے اس مجلس میں بیٹھنے کا وہ احترام ہونا چاہیے، جس طرح نماز میں تشہد میں بیٹھنے والوں کی کیفیت ہوتی ہے۔

دعوت ہو۔

تبلیغ ہو۔

تعلیم ہو۔

یہ سب ذکر کی مجلسیں ہیں اور ذکر کی مجلس کی خشیت سے ہے کہ اگر ذکر اجتماعی کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ذکر فرشتوں کے اجتماعی ماحول میں کرتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کا ذکر تنہائی میں کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو خود یاد فرماتے ہیں۔

بیٹھ کر بات کا سننا کسی تبدیلی کا ذریعہ بنے، ورنہ تقریریں اور بیان، یہ دعوت کا مزاج ہی نہیں ہے

اس لیے میرے عزیز و دوستو! مجھے عرض کرنا ہے کہ پورا مجمع متوجہ ہو کر یکسوئی سے اور احترام سے اپنے آپ کو عبادت میں یقین کرتے ہوئے بیٹھے۔ تاکہ بیٹھ کر بات کا سننا کسی تبدیلی کا ذریعہ

بنے، ورنہ تقریریں اور بیان، یہ دعوت کا مزاج ہی نہیں ہے۔ کہ دعوت کا تقاضا یہ ہے کہ اسلام کی نسبت پر جمع ہونا اور اسلام کی نسبت پر بکھرنا۔ اس لیے بات کو بہت دھیان کے ساتھ سننا۔ جو بات سنو وہ عمل کے ارادے سے ہو اور پھر اس کی دعوت دو۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ جو دعوت اور عمل دونوں کام برابر کرے گا، اس سے اچھا اسلام کسی کا نہیں ہوگا۔

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ﴾

علماء نے لکھا ہے کہ دعوت اور عمل دونوں اکٹھا جمع کرنا دین کو سب سے اچھا بنا دیتا ہے۔ میری بات سمجھنا آپ حضرات کے لیے تھوڑا مشکل کام ہوگا پر مجھے یہ اس لیے کہنا پڑا ہے تا کہ ہمارے مجمع کے اندر دعوت کے اعتبار سے قوت آئے، پختگی آئے۔ کہ

کیوں دعوت دی جائے؟

کیوں تعلیم کی جائے؟

کیوں نقل و حرکت کو امت میں زندہ کیا جائے؟

کیا وجہ ہے اس کام کے کرنے کی؟

اس لیے میں یہ بات عرض کر رہا ہوں کہ اسلام میں حسن لانے کا راستہ ہی یہی ہے۔ کیوں کہ اللہ تعالیٰ خود فرما رہے ہیں کہ اس سے اچھا اسلام کسی کا ہو ہی نہیں سکتا جو دعوت دیتے ہوئے عمل کرے۔ ہمارے دعوت دینے کی بنیاد یہی ہے، صرف دوسروں کی اصلاح مقصود نہیں ہے بلکہ دعوت کے ذریعہ اپنا تعلق اللہ کے ساتھ بڑھانا اور اپنی عبادت میں کمال پیدا کرنا ہے، یہ دعوت دینے کی وجہ ہے۔

اس لیے میرے دوستوں، بزرگوں، عزیزوں! یہ بنیاد جتنی پختہ اور مضبوط ہوگی، اتنی ہی اسبابِ تربیت، اسبابِ ہدایت، امت میں عام ہوگی۔ کیوں کہ دین پر استقامت اور ہر قسم کے باطل سے ٹکرا کر دین کی حفاظت کا صرف یہی راستہ ہے کہ امتِ مسلمہ سو فیصد اپنے دین کی دعوت پر قائم ہو جائے۔ اگر

امت نے دوسروں کو دعوت دینی چھوڑ دی، تو امت بہت قریب اس خطرے میں ہے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی کہ امت اپنے دین کی دعوت کو چھوڑنے سے باطل کی مدعو ہو جائے۔

امت دعوت چھوڑ دے گی تو پھر یہ باطل کی مدعو ہونے لگے گی

میں آپ حضرات سے حضرتؒ کی باتیں نقل کر رہا ہوں۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ جب یہ امت دعوت چھوڑ دے گی تو پھر یہ امت باطل کی طرف مدعو ہونے لگے گی۔ کیوں کہ امت دو حال میں سے ایک کو اختیار کرے گی کہ یا تو یہ داعی ہو گی یا مدعو ہو گی یعنی یا کوئی ہمیں دعوت دے رہا ہو گا یا ہم کسی کو دعوت دے رہے ہوں گے۔ اپنے دین پر استقامت کا اور اپنے دین کی حفاظت کا، اس کی استعداد امت میں اس وقت تک رہی، جب تک یہ اپنے دین کی دعوت پر مجتمع تھی۔

اس لیے دل کی گہرائیوں سے اس بات کو سمجھنا ہو گا کہ امت کے کسی بھی زمانے میں، کسی بھی قسم کے خسارے سے نکلنے کا دعوت کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے کہ امت کا آخر اس وقت نہیں سدھرے گا، جب تک امت وہ نہ کرے جو امت کے پہلوں نے کیا تھا۔ اگر ہم امت کے خسارے سے نکلنے اور حالات کے حال کے لیے، اس کام سے ہٹ کر کوئی بھی راستہ سوچیں تو یہ ہماری سوچ، نبوت کی سوچ سے مختلف ہو گی۔ اور یہ ہماری سوچ مختلف ہی نہیں ہو گی بلکہ ہمارا راستہ ہی بدل دے گی، ہم یہ سمجھیں گے کہ صحابہؓ نے جو کام اپنے زمانے میں کیا تھا وہ اور کام تھا اور ہم جو یہ کام کر رہے ہیں، یہ اور کام ہے۔

اس لیے بہت ہی دھیان اور توجہ سے میری بات سنو!، میرا دل یہ چاہتا ہے، اگر تین دن لگانے والا بھی اس کام کے ساتھ ہو تو اس کام کے ساتھ اس کے دل کا یقین یہ ہو کہ

تربیت کا

توجہ کا

ہدایت کا

اور اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق کے پیدا کرنے کا یہی راستہ ہے۔ اگر اس یقین میں ذرا

بھی کمی آئی، تو اعمالِ دعوت کی تاثیر اور اعمالِ دعوت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے گا۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ اس کام سے مناسبت کی علامت یہ ہے کہ جس دن کوئی دعوت کا عمل چھوٹ جائے، اس دن اس کو اپنے عبادت میں ایسا ضعف محسوس ہو، ایسی کمزوری محسوس ہو، جس طرح دعوت کے غذا نہ ملنے سے جسمانی کمزوری محسوس ہوتی ہے۔ کہ اعمالِ دعوت، عبادت کے لیے اس طرح طاقت کا ذریعہ ہے، جس طرح جسمانی غذا جسم میں قوت پہونچانے کا ذریعہ ہیں۔ یہ ہمارے دل کا یقین ہونا چاہیے اور یہی بات ہم اپنے سارے

بیان کرنے والوں سے،
گشت کرنے والوں سے،
مشورے کرنے والوں سے،
ملاقاتیں کرنے والوں سے،
مذاکرے کرنے والوں سے،
یہ بات ہم ان سب سے کہلوانا چاہتے ہیں کہ
ہمارا اس کام کے ساتھ یقین کیا ہے؟
ہمارا گشت کس یقین پر ہو رہا ہے؟
میرا تعلیم میں بیٹھنا کس یقین پر ہو رہا ہے؟
کہ تبلیغ کے پروگرام کی بنیاد پر ہے یا تربیت اور ہدایت کے یقین پر ہے؟

''امت'' یا تو امتِ اجابت ہوگی یا امتِ دعوت ہوگی

جب یہ امت دعوت چھوڑ دے گی تو پھر یہ امت باطل کی طرف مدعو ہونے لگے گی

اس لیے میرے عزیز دوستوں! میں یہاں بہت ہی بنیادی باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے دل کی گہرائیوں میں یہ بات اتری ہوئی ہو کہ چاہے امتِ اجابت ہو یا امتِ دعوت ہو (یعنی مسلمان ہوں یا مسلمان کے علاوہ ساری اقوام ہوں) اس سب کے ہر قسم کے خسارے سے نکلنے کا سوائے دعوت الی اللہ کے کوئی راستہ نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن میں یہ بات قسم کھا کر فرمادی،

﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

"کہ ساری کی ساری انسانیت خسارے میں ہے، خسارے سے بچنے اور خسارے سے نکلنے کے صرف چار اسباب ہیں۔ یہ چاروں اسباب آپس میں برابر کی اہمیت رکھتے ہیں، یہ نہیں کہا جائے گا کہ ان خسارے سے نکلنے کے لیے کون سا سبب، زیادہ ضروری ہے، کون سا سبب کم ضروری ہے۔ یہ چاروں اسباب خسارے سے نکلنے کے لیے، بالکل ایسے ہیں، جس طرح انسان کے لیے

آگ

ہوا

پانی اور

غذا ضروری ہیں۔

اسبابِ نجات چار چیزیں ہیں

اس سے کہیں زیادہ ضروری خسارے سے نکلنے کے لیے، یہ چاروں اسباب ہیں۔ کہ ان کے بغیر زندگی کی کوئی گاڑی نہیں چلے گی۔ اس بات کو اللہ نے قسم کھا کر فرمادیا کہ ساری کی ساری انسانیت خسارے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو چار کام کریں۔

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

(۱) ایمان لائے، یہ پہلا کام۔

(۲) اعمالِ صالحہ کریں۔

(۳) دوسروں کو ایمان پر آمادہ کریں۔

(۴) دوسروں کو اعمالِ صالحہ پر بھی آمادہ کریں۔

یہ چارو کام کرنے والے ہی نجات پائیں گے، کہ ایمان لائیں، اعمالِ صالحہ کریں، اور دوسروں کو ایمان اور اعمالِ صالحہ پر آمادہ بھی کریں۔ اسبابِ نجات صرف دو نہیں ہے کہ ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ کریں، بلکہ اسبابِ نجات چار چیزیں ہیں۔

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

(۱) ایمان۔

(۲) اعمالِ صالحہ۔

(۳) تَوَاصَوْابِالْحَقّ

(۴) تَوَاصَوْابِالصَّبْرِ

یہ چار چیزیں مل کر اسبابِ نجات ہیں۔

تمام شکلوں کو لات ماری صرف اپنے دین کی حفاظت کے لیے

میرے عزیز دوستو اور بزرگو! ہم امت کے ہر فرد کو، دعوت پر اس لیے لانا چاہتے ہیں، تاکہ یہ اپنے دین کی دعوت سے اپنے دین پر قائم رہے۔ کیوں کہ دین پر استقامت، دین کی دعوت سے باقی رہتی ہے۔ ہمیں یہ اندازہ ہو کہ صحابہ کرام کو اس زمانے جو چیزیں پیش کی گئیں، وہیں چیزیں آج پوری دنیا میں مسلمانوں کو پیش کی جاتی ہیں۔ ان تمام شکلوں کو لات ماری صرف اپنے دین کی حفاظت کے لیے اور محمد ﷺ کے کسی ایک بھی طریقہ سے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئے۔ عبداللہ بن حذافہؓ کو قید کیا گیا اور روم کے بادشاہ نے انھیں نصرانیت کی دعوت دی کہ آپ عیسائی ہو جائیں تو میں اپنی آدھی بادشاہی آپ کو دے دوں گا۔ عبداللہ بن حذافہؓ نے فرمایا، کہ تمہاری آدھی بادشاہت نہیں تیری پوری بادشاہت اور اس کے علاوہ کی ساری بادشاہت بھی اگر مجھے ملے تو میں پلک جھپکنے کے برابر بھی محمد ﷺ کے کسی ایک طریقے کو بھی چوڑنے کے لیے تیار نہیں۔ تو روم کے بادشاہ نے انھیں گرم پانی میں ڈالنے کی تدبیر کی، تو عبداللہ بن حذافہؓ پانی دیکھ کر روئے۔ بادشاہ نے یہ سمجھا کہ یہ گھبرا گئے، تو بادشاہ نے پھر ان سے کہا کہ تم نصرانی ہو جاؤ، یہ سن کر انھوں نے پھر انکار کر دیا اور فرمایا کہ میرے رونے کی وجہ یہ ہے کہ میں اللہ کو ایک جان کیا پیش کروں، میں تو اپنی جان کی حقارت پر رو رہا ہوں نہ کہ جان کی محبت میں رو رہا ہوں۔ اگر میرے پاس میرے جسم کے بالوں کے بقدر جانیں ہوتیں تو میں ایک ایک کر کے سب اللہ کے لیے قربان کرتا۔

یہ واقعات تو ہم سنتے ہیں، لیکن ہم نے کبھی یہ غور نہیں کیا صحابہ کے اندر یہ استعداد کیسے پیدا

ہوئی؟ آج امت کی یہ صلاحیت کیوں ختم ہوگئی؟ اس کی کیا وجہ ہے؟

میرے عزیز دوستو اور بزرگو!

یہ وہ دعوت ہے جو اس امت کے ذمہ فرضِ عین ہے

میں مغالطہ کے طور پر نہیں عرض کر رہا ہوں بلکہ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ جب امت دعوت الی اللہ چھوڑ دے گی تو سب سے پہلی جو مسلمانوں کو کمزوری پیدا ہوگی، وہ یہ کہ اپنے دین کو ہلکا سمجھنے اور اپنے دین کو دنیا کے بدلے بیچ دے گی، یہ صرف دعوت کے چھوڑنے کا نتیجہ ہوتا ہے، کہ جب امت اجتماعی طور پر دعوت الی اللہ کو چھوڑ دیتی ہے تو ایسا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ بات بھی ہمیں سمجھنی چاہیے کہ دعوت الی اللہ امت کا اجتماعی فریضہ ہے، جس طرح نماز اجتماعی فریضہ ہے، یہ انفرادی فریضہ نہیں ہے۔ یہ وہ دعوت ہے جو اس امت کے ذمہ فرضِ عین ہے، فرضِ کفایہ نہں ہے۔ میرا یہ بات کہنا آپ کو عجیب سا لگ رہا ہوگا، کیوں کہ ذہنوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ یہ تبلیغی جماعت ہے، جو امت کی اصلاح کا کام کر رہی ہے، پر ایسا نہیں ہے۔ اس کام میں لوگوں کا اجتماعی طور پر شریک نہ ہونا، اور اس کام کو نہ کرنا اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ امت اس کام کو فرضِ کفایہ سمجھتی ہے۔ کہ بھلائی کا حکم کرنا اور برائی سے روکنا، بیشک اچھا کام ہے، اگر اسے ایک جماعت کر لے تو باقی کی طرف سے ذمہ داری ادا ہو جاتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے، بلکہ دعوت فرضِ عین ہے، فرضِ کفایہ نہیں ہے۔ فرضِ کفایہ وہ دعوت ہوتی ہے، جو دوسروں کے لیے کی جائے۔ جیسے

جنازے کی تکفین،

اس کی تدفین،

اس کی نماز

یہ فرضِ کفایہ ہے، کہ معاملہ دوسرے کا ہے۔ دوسروں کی اصلاح کے لیے دعوت دینا بھی فرضِ کفایہ ہے کہ اگر کوئی جماعت ایسی ہو، جو لوگوں کو بھلائیکا حکم کرے اور برائی سے روکے، تو یہ فریضہ ادا ہو جائے گا، یہ میں فرضِ کفایہ کی بات کر رہا ہوں۔ لیکن یہ کام فرضِ کفایہ نہیں ہے، بلکہ

فرضِ عین ہے، کیوں کہ دعوت خود اپنی ذات کے لیے ہے۔ ہاں دوسروں کو بھی اس سے نفع ہو جائیگا، پر یہاں ہر ایک کی محنت خود اس کی اپنی ذات کے لیے ہے۔

﴿وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ [العنکبوت۔٦]

یقین کے بننے کا راستہ دعوت ہی ہے

کہ ہر ایک کی دین کی محنت خود اس ی اپنی ذات کے لیے پہلے ہے۔ کہ ایمان کا سیکھنا فرضِ کفایہ نہیں ہے بلکہ ایمان کا سیکھنا فرضِ عین ہے، جب ایمان کا سیکھنا فرضِ عین ہے تو اس کی دعوت دینا فرضِ عین ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ **یقین کے بننے کا راستہ، دعوت ہی ہے، اس کے علاوہ یقین کے بننے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔** یہ میں حضرت کی باتیں (امانت) عرض کررہا ہوں، کیوں کہ میرے دوستو عزیزو! ہائے! ہائے! ہائے! اب ہمارے مجمع کا حال یہ ہے کہ وہ چن چن کر مولانا یوسفؒ کے بیانات کو نہیں پڑھتا، اسی کے ساتھ حیاۃ الصحابہ کے پڑھنے کو بھی کوئی جذبہ اور شوق اس کے اندر نہیں ہے، کہ آخر مولانا الیاس صاحبؒ اور مولانا یوسف صاحبؒ اپنے مجمع سے کیا چاہتے تھے؟ یہ حضرات اپنے مجمع کو کس بنیاد پر اٹھانا چاہتے تھے۔ اب ہمارے مجمع کا حال یہ کہ وہ ہر قسم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں، جس سے ان کا ذہن اور ان کی فکریں انکی سوچ، وہ حضرت مولانا الیاسؒ اور حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کی سوچ سے مختلف ہوئی جارہی ہیں۔ میں تو سوچتا ہوں کہ سوائے مسائل کی کتابوں کے کہ وہ تو ضرور پڑھا کرو لیکن باقی ان حضرات کے بیانات کا پڑھنا انتہائی ضروری ہے۔ تاکہ ہمیں اندازہ ہو کہ یہ حضرات اس محنت کو کس بنیاد پر پیش کررہے تھے، کہ آخر دعوت ہے کہ کس لیے؟ کہ دعوت اپنی ذات کے لیے اصل ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ "**جس چیز کو تم اپنے اندر پیدا کرنا چاہو، اس کو بہ صفتِ تبلیغ کرو**" کہ اپنے اندر اتارنے کی غرض سے دوسروں کو دعوت دو، تو یہ اللہ کا ضابطہ ہے، اس کا وعدہ ہے کہ جو ہمارے واسطے محنت کریں گے ہم دوسروں سے پہلے ان کو نواز دیں گے کہ جو ہمارے بندوں کو ہماری طرف بلائیں گے ہم ان سے پہلے اِنھیں نوازیں گے۔

﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ [العنکبوت۔۶۹]

اس لیے میرے دوستو بزرگو! ایمان کا سیکھنا فرضِ عین ہے، اور اتنا ایمان سیکھنا فرضِ عین ہے، جو مومن کو حرام سے روک دے، یہ دعوت کی پہلی چیز ہے۔ دعوتِ ایمان تمام نبیوں کو مشترک دی گئی ہیں، شریعت ت ومختلف ہیں کہ کسی نبی کی عبادت کا کوئی طریقہ ہے اور کسی کا کوئی طریقہ ہے۔ لیکن دعوت سارے نبیوں کی مشترک ہے۔

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ﴾ [الانبیاء ۲۵]

”دعوتِ ایمان“ خود مؤمن کے لیے ہے
(ایمان کا سیکھنا فرضِ عین ہے)

یہ سارے نبیوں کی مشترک دعوت ہے، مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ اگر میں اس کام کا کوئی نام رکھتا تو اس کام کا نام **”تحریکِ ایمان“** رکھتا۔ کہ ایمان کا سیکھنا فرضِ عین ہے چونکہ امت کے اندر سے ایمان کے سیکھنے کا رواج ختم ہو گیا تو مسلمانوں کے اندر یہ بات آ گئی کہ ایمان کی دعوت تو غیروں کے لیے ہے کہ ہم تو ایمان والے ہیں، ہم کو ایمان کی دعوت کی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہ سوچ ہو گئی ہے، حالانکہ دعوتِ ایمان خود مومن کے لیے ہے، اللہ کا حکم بھی ہے، کہ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا﴾

کہ ایمان والو! تم ایمان لاؤ اللہ حکم دے رہے ہیں، ایمان والوں کو ایمان لانے کا۔ علماء نے اس کی تفسیر کی ہے۔ کہ ایمان والو! مسلمان بن کر رہو۔ اس لیے دعوتِ ایمان خود مومن کے لیے ہے، ایک خیال یہ پیدا ہو گیا ہے۔ اس زمانے میں کہ دعوت تو غیروں کے لیے ہے، ہم تو ہیں ہی ایمان والے، ہمیں دعوت کی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ آپ اندازہ کریں تو صحابہ کرام جن کا ایمان ان کے دلوں میں پہاڑوں کی طرح جما ہوا تھا، ان کو حکم ہے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہا کرو، ورنہ ایمان پرانے کپڑے کی طرح پرانا ہو جائے گا۔ صحابہ، جو

وحی بھی اترتی ہوئی دیکھ رہے۔
فرشتوں کا نزول بھی دیکھ رہے۔
غیبی مددیں بھی دیکھ رہے۔
اللہ کے وعدے بھی پورے ہو رہے ہیں۔
ان کے ایمان میں ترقی بھی ہو رہی ہے۔

میرے دوستو! صحابہ کے سامنے جتنے بھی ایمان کو بڑھانے کے مناظر تھے، ہمارے سامنے ان میں سے کوئی بھی مناظر نہیں ہیں۔

اور صحابہؓ،
جو غیبی مددیں بھی دیکھ رہے،
فرشتوں کو نزول بھی دیکھ رہے،
چیزوں میں برکتیں بھی دیکھ رہے،

پھر ان کو یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو، کیونکہ ایمان اس طرح پرانا ہو جاتا ہے، جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے۔ اس بات پر بہت غور کرنا پڑے گا، کہ آج مسلمانوں کا یہ کہنا کہ ہمیں کیا ضرورت ہے ایمان کی دعت کی یا ہمیں کیا ضرورت ہے ایمان کی تجدید کرنے کی، تو یہ بات کہنا آسان نہیں ہے، تو میں نے عرض کیا کہ وہ صحابہؓ، جن کا ایمان امت کے لیے نمونہ ہے۔

﴿آمِنُوا کَمَا آمَنَ النَّاسُ﴾ [بقرہ۔۱۳]

"کہ ایمان سیکھو صحابہ کی طرح" ایمانِ صحابہ نمونہ ہے، انھیں حکم ہے اپنے ایمان کی تجدید کرنے کا کہ اپنے ایمان کو نیا کیا کرو۔

صحابہ نے حضور ﷺ سے پوچھا بھی کہ یارسول اللہ! ہم اپنے ایمان کو کیسے نیا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کی کثرت سے اپنے ایمان کو نیا کیا کرو۔

جو اللہ کے غیر سے امید رکھے گا اللہ اسے غیر کے حوالے کر دیں گے

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مطلب ہے کلمہ کی کثرت کا؟

کثرت کا مطلب صرف اس کا ذکر نہیں ہے، بلکہ کلمے کی کثرت سے ایمان نیا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح بہ کثرت دنیا میں اللہ کے غیر سے ہونے کو بولا جاتا ہے، تم بہ کثرت

اللہ کی ذات سے ہونے کو بولو، یہ ہے کلمے کی کثرت سے ایمان کے نیا ہونے کا مطلب۔

میں تو سوچتا ہوں کہ پانچ منٹ تو یہ تسبیح لے کر کلمے کا ذکر کرتا ہے اور صبح سے لے کر شام تک اس کی زبان پر،

حکومت یہ کرے گی،

تاجر یہ کریں گے،

وزیری کریں گے،

صدر یہ کریں گے،

فلاں ملک یہ کرے گا، فلاں ملک یہ کرے گا،

اس نے فلاں ہتھیار بنایا ہوا ہے، وہ یہ کرے گا،

کہ سارا دن شرک کو بولا کرتے ہیں، اخبار کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر پڑھتے ہیں اور حیرت سے دوسروں کو سناتے ہیں، کیوں کہ قرآن کی خبروں کا تو یقین ہے نہیں، اور اخبار کی خبروں کا یقین ہے، اس لیے اسے پڑھ کر سناتے ہیں۔ اللہ تو انسانوں کے دلوں کا تاثُر دیکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا نظام یہ ہے اور ان کا ضابطہ یہ ہے کہ جو ہمارے غیر سے متاثّر ہوتے ہیں، ہم ان پر اپنے غیروں کو مسلّط ضرور کرتے ہیں۔ مسلمان کے اللہ کے غیر کے متاثّر ہونے کی سزا میں ان پر غیروں کا تسلُّط ہے۔ ہاں، یہ میں آپ کو حدیث کی بات عرض کر رہا ہوں، روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ جو اللہ کے غیر سے امید رکھے گا اللہ اسے غیر کے حوالے کر دیں گے۔

تو کلمے ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کی کثرت سے ایمان کی تازگی کا مطلب کیا ہے؟

اس پر غور کرنا پڑے گا صرف اس سے کلمے ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ'' کا ذکر مراد نہیں ہے، بیشک! اس میں خدا کی قسم! کہ ذکر کے فضائل، اس کے انوارات اس کی برکات، اس کے فوائد اپنی جگہ پر مسلَّم ہیں، کہ بندہ اپنی زبان سے کلمے کے الفاظ کہے، تو

اس کے کیا فضائل ہیں،

اس کے کیا انوارات ہیں،

اس کے کیا برکات ہیں،

اس پر کیا وعدے ہیں،

یہ سب اپنی جگہ پر مسلَّم ہیں۔لیکن اللہ کے غیر کا تاثر دلوں سے نکالنےاور اللہ کی ذات اور اس کی قدرت، اس کی عظمت، اسکی بڑائی کو دل میں بٹھانے کے لیے، یہ ضروری ہے، کہ جہاں کلمے کا ذکر کرو، وہاں اس کلمے کا مطلب اور اس کے مفہوم کی دعوت بھی دو۔ کیوں کہ حدیث میں آتا ہے کہ تم کلمے ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ '' کا اتنا ذکر کرو، کہ لوگ پاگل کہیں۔ میں نے اس حدیث پر غور کیا کہ ذکر کرنے والوں کو پاگل کہلائے جانے کا کیا مطلب ہے؟ تو سمجھ میں یہ آیا کہ نبیوں کو اس لیے پاگل کہا جاتا تھا کہ نبی اس کلمے کو قوم کے عقیدے اور قوم کے یقینوں کے خلاف کہتے تھے۔ اس لیے قوم انھیں پاگل کہتی تھی۔

قومِ شعیب کا خیال یہ تھا، کہ تجارت سے ہوتا ہے۔

قومِ سبا کا گمان یہ تھا، کہ زراعت سے ہوتا ہے۔

قومِ صالح کا یقین یہ تھا، کہ کارخانوں سے ہوتا ہے۔

فرعون کا خیال یہ تھا، کہ میری بادشاہت سے ہوتا ہے۔

نمرود کا خیال یہ تھا، کہ مال سے ہوتا ہے۔

پر نبی ان سارے کلموں کے خلاف اپنا کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه'' لے کر آئے تو ان سب نے نبیوں کو پاگل کہا، کہ کوئی نبی ایسا نہیں ہے جس کو قوم نے پاگل نہ کہا ہو۔ آپ حضرات کو بات سمجھ میں آرہی ہے؟ کیوں بھائی! دیکھو! میں یہ تقریر نہیں کر رہا ہوں۔

ایمان کو نیا کرو

میں تو یہ سوچتا ہوں کہ آخر میرا مجمع روزانہ اللہ کی توحید کو، اس کی قدرت کو بولنے کی ضرورت کیوں نہیں محسوس کر رہا ہے؟ مجھے تو اس کی الجھن ہے کہ یہ اسے بولنے کی ضرورت محسوس نہیں کر رہا ہے؟ اصل میں ہمیں یہ نہیں معلوم کہ صحابہ کرامؓ کو ایمان کی تجدید کا جو حکم دیا گیا تو اس کے لیے صحابہ کرام کیا کرتے تھے؟ یہ ہمیں معلوم نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نے تو ایمان کے تقویت کے باب میں جو ترجمۃ الباب باندھا ہے، ایمان کی تقویت کے لیے جو باب متعین کیا ہے۔ اس میں خود امام بخاریؒ نے معاذ بن جبلؓ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ معاذ بن جبلؓ لوگوں کو مسجد میں لا کر انھیں توحید سناتے، غیب کے تذکرے کرتے اور لوگوں سے کہتے کہ آؤ آؤ تھوڑی دیر بیٹھو ایمان سیکھ لیں۔ مگر ہم تو دعوت سے اتنے نا آشنا ہو چکے ہیں کہ وہ کام جو صحابہ نے کیا ہے، اس پر ہمیں اشکال ہونے لگا۔ خوب غور کرو! کہ کہاں ایمانِ صحابہ کہ حضرت عثمانؓ کے ایمان کو اگر کسی ایک لشکر پر تقسیم کر دیا جائے، تو اس کے لیے اتنا اتنا کافی ہو، جتنا جتنا ایمان ہونا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ کے پاس سے حضرت عمرؓ کا گزر ہوا تو ان کے ساتھ بیٹھے ہوئے لوگوں سے حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ تمھاری مجلس میں یہ عثمانؓ جو بیٹھے ہیں نا، یہ وہ شخص ہیں، کہ ان کے ایمان کو اگر ایک بڑے لشکر پر تقسیم کیا جائے، تو یہ ایمان سب کے لیے کافی ہو جائے۔ ایسا ایمان صحابہ کا، پھر ان کو حکم یہ کہ اپنے ایمان کو نیا کرو۔

تم مجھے یہ عرض کرنا تھا میرے عزیز دوستو! کہ ہمارا روزانہ کا کام یہ ہے کہ ہم مسجدوں میں ایمان کے حلقے قائم کریں، یہ مسجد کو آباد رکھنے کا پہلا عمل ہے، یہ صحابہ کی سنت ہے۔ ''إِجْلِسْ بِنَا نُؤْمِنْ سَاعَةً''

مسجد میں ایمان کا حلقہ

کہ آؤ بھائی بیٹھو تھوڑی دیر ایمان سیکھ لیں۔ معاذ بن جبلؓ، عبدالرحمن بن رواحہؓ وغیرہ بڑے جلیل القدر صحابی ہیں۔ پر ان کا روزانہ کا معمول تھا کہ لوگوں کو لے کر مسجد میں ایمان کا حلقہ قائم کرتے تھے۔ اب دعوتِ ایمان امت میں ختم ہوگئی، کہ ایمان کی تقویت کے اسباب ختم ہوگئے تو اس کا سارا اثر پڑا دین پر۔ کیوں کہ اسلام ایمان کے بقدر ہوگا، کہ جتنا ایمان اتنا اسلام، اللہ کی اطاعت ایمان کے بقدر ہوگی۔ اس لیے حدیث میں فرمایا ہے کہ مومن اللہ کی اطاعت میں نکیل پڑے اونٹ کی طرح ہے۔ مسلمانوں کا یہ سوچنا کہ ہم تو ہیں ہی ایمان والے، ہمیں کیا ضرورت ہے ایمان کو سیکھنے کی؟ یہ بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔ سنو! جتنی دیر بدن سے کرتا اتارنے میں لگتا ہے نا، اس سے کم دیر میں ایمان دلوں سے نکل جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب کسی

مسلمان سے گناہِ کبیرہ ہوجاتا ہے تو ایمان ک انور اس کے دل سے نکل کر اس کے سر پر سایہ کرلیتا ہے۔ پھر جب تک وہ توبہ نہیں کرتا، ایمان کا نور واپس نہیں آتا۔ ہمیں تو گناہِ کبیرہ کی بھی خبر نہیں کہ گناہِ کبیرہ کیا کیا ہیں۔

احکامات کا علم عمل کے لیے ہے

اس لیے میرے دوستو عزیزو بزرگو! پہلا کام ہمارا یہ ہے کہ کلمہ "لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ" کو دعوت میں لاؤ، اس کو دعوت میں لانے کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ روزانہ،

اللہ کی توحید کو

اس کی قدرت کو

اس کے رب ہونے کو

اس کی عظمت کو اور

اس کے غیر سے کچھ نہیں ہورہا، اس کو بولا کرو۔ ہمارے گشت کا یہ بنیادی مقصد ہے، علماء نے لکھا ہے احکامات کا علم عمل کے لیے ہے، اس سے عمل سیکھنا مقصود ہے، کہ اس سے تو فراغت ہوجائے گی۔ کہ

نماز کا علم حاصل ہوگیا، تو نماز کے علم سے فراغت ہوگئی کہ نماز ایسی پڑھی جائے گی۔

زکوٰۃ کا علم حاصل ہوگیا، تو زکوٰۃ کے علم سے فراغت ہوگئی کہ زکوٰۃ ایسے دی جائے گی۔

حج کا علم حاصل ہوگیا، تو حج کے علم سے فراغت ہوگئی کہ حج اس طرح کیا جائے گا۔

روزے کا علم حاصل ہوگیا تو روزے کے علم سے فراغت ہوگئی کہ روزہ ایسے رکھا جائے گا۔

ساری نیکیوں کا مدار توحید پر ہے

علماء نے لکھا ہے کہ احکامات کا علم عمل کے لیے ہے تو عمل کے لیے علم سے فراغت ہو جائے گی، لیکن مومن کو اللہ کی توحید سے فراغت نہیں ہے کہ اتنا کہنا کافی نہیں ہے کہ ہم جانتے ہیں اللہ ایک ہے، بلکہ روزانہ اللہ کی توحید کو بیان کرو، اس کا حکم ہے۔

"یَاأَیُّھَا النَّاسُ! وَحِّدُوا اللّٰہَ فَإِنَّ التَّوحِیدَ رَأسُ الطَّاعَاتِ"

کہ اللہ کی توحید کو بولا کرو کیوں کہ ساری نیکیوں کا مدار توحید پر ہے۔ کہ

اعمال میں اخلاص

اعمال پر استقامت

اعمال پر وعدوں کا پورا ہونا

اعمال پر اجر کا ملنا

ہر اعمال کے ساتھ یہ چار بنیادی چیزیں ہیں، یہ چاروں ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔

وعدے یقین سے پورے ہونگے۔

استقامت یقین سے ہوگی۔

اجر بھی یقین سے ملے گا

اخلاص بھی ایمان کے بقدر ہوگا۔

ایمان کی تقویت کے چار اسباب

❖ اس لیے ایمان کی تقویت کا پہلا سبب یہ ہے کہ اللہ کی توحید کو روزانہ بولا کرو، کہ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، اللہ کے غیر سے تو کچھ ہوتا ہی نہیں۔ کہ قدرت کہاں ہے؟ قدرت کائنات میں نہیں ہے، قدرت تو اللہ کی ذات میں ہے، کہ جبرئیل میں یا نبیوں میں یا ولیوں میں ان کسی میں قدرت نہیں ہے۔

تو وہ جب انسان اللہ کے غیر میں قدرت تصور کرتا ہے تو یہ خیال ہی اسے اللہ کے غیر کی طرف لے جاتا ہے۔

وزیر سے یہ ہو جائے گا

صدر سے یہ ہو جائے گا۔

اب میں آپ کو کیسے سمجھاؤں، میں تو حضرتؒ کی باتیں عرض کر رہا ہوں، حضرتؒ فرماتے تھے کہ ان کا اپنا یقین اپنے اعمال سے ہٹ کر دوسروں کے عمل پر جائے گا، وہ یوں کہیں گے کہ

فلاں بزرگ سے یہ ہو جائے گا۔ یہ ہونگے وہ، جو اپنے عمل سے فارغ ہو جائیں گے اپنی حاجتوں کو عمل کرنے والوں کے حوالے کر دیں گے۔

حالانکہ کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، اللہ کے غیر سے کچھ نہیں ہوتا اگر نبی بھی یہ کہے کہ یہ کل کروں گا اور انشاء اللہ کہنا بھول جائیں، ایسا نہیں ہے کہ نعوذ باللہ آپ ﷺ نے جان بوجھ کر ایسا کیا ہو، کہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ اصحابِ کہف کون تھے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ میں کل بتا دونگا، بلکہ آپ کہ بات فرماتے ہوئے انشاء اللہ کہنا بھول گئے۔

﴿وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا، اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ [کہف ۲۳-۲۴]

ہم تو غور کریں کہ صبح سے شام تک ہماری زبان پر کتنے دعوے آتے ہیں کہ

ہم یہ کریں گے۔

حکومت یہ کرے گی۔

تاجر یہ کریں گے۔

ڈاکٹر یہ کریں گے۔

پر آپ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا: کہ میں کل بتلاؤنگا، کہ اصحابِ کہف کون تھے؟ اور آپ انشاء اللہ کہنا بھول گئے، تو علماء نے لکھا ہے کہ پندرہ دن تک وحی نہیں آئی، اتنا لمبا وقفہ وحی کے بند ہونے کا کبھی نہیں ہوا۔ آپ ﷺ پر طعنے کسے جانے لگے کہ کہاں ہیں محمد (ﷺ) جو کہتے تھے کہ آسمان سے وحی آتی تھی؟ کہاں وہ جبرائیل جو آسمان سے وحی لے کر آتے تھے؟ کیوں نہیں بولتے کہ آپ کے پاس غیب کی خبر آتی ہے۔ آپ وحی کے بند ہو جانے سے بہت پریشان ہو گئے، صرف بات اتنی تھی کہ میں کل بتاؤں گا کہ اصحابِ کہف کون تھے؟ یہ نہیں کہا کہ اللہ چاہیں گے تو میں کل بتاؤں گا۔ آپ (ﷺ) کو اس پر تنبیہ ہوئی کہ آپ نے کیوں کہا میں کل بتاؤں گا۔ پھر پندرہ دن کے بعد وحی آئی کہ

﴿وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَیْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا، اِلَّا اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِیْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّهْدِیَنِ رَبِّیْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا﴾ [کہف ۲۳۔۲۴]

نبی جی! آئندہ کبھی یہ نا کہئے گا کہ یہ کام میں کل کر دونگا جب تک آپ اپنے کہنے کو ہماری ذات پر موقوف نہ کرے کہ جب بھی آپ انشاء اللہ کہنا بھول جایا کریں تو انشاء اللہ ضرور کہہ لیا کریں۔

میں عرض کر رہا تھا میرے دوستو! کہ قدرت اللہ کی ذات میں ہے، اولیاء، انبیاء، فرشتے، جبرئیل سب کے سب محتاج ہیں، نبی بھی جس کام کے لیے بھیجے گئے ہیں نا، اس میں بھی وہ محتاج ہیں، مختار نہیں ہیں کہ کسی کو وہ ہدایت دے دیں۔ کہ نبیوں کا ہدایت کے لیے ہی بھیجا گیا ہے، لیکن وہ خود کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ آپ (ﷺ) نے سارا زور لگا دیا اپنے چچا ابو طالب پر کہ ان کو ہدایت مل جائے اور دوسرے چچا حضرت حمزہؓ کے قاتل وحشی، کہ وحشی کو کوئی قتل کر دے، پر اللہ وحشی کو ہدایت دے رہے ہیں اور ابو طالب بغیر ہدایت دنیا سے جا رہے ہیں۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ انبیاء اور انسان اپنے ارادے میں ناکام کیے جاتے ہیں، اللہ کو پہچاننے کے لیے۔ حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ارادے میں ناکام ہو کر ہی اللہ کو پہچانا ہے۔ جو لوگ اسباب کا یقین رکھتے ہیں نا، وہ ناکامی میں اسباب کی کمی تلاش کرتے ہیں اور جو اللہ پر یقین رکھتے ہیں، وہ اپنی ناکامیوں میں اللہ کو پہچانتے ہیں۔ کہ چلو اللہ کی طرف، اس لیے کہ کام اللہ نے بگاڑا ہے، کہ ان کو اسباب کی ناکامی اللہ کی طرف لے جاتی ہے اور جن کا یقین اسباب پر ہوتا ہے، کہ وہ تو بیچارے خودکشی کر بیٹھتے ہیں کہ سارے اسباب ہوتے ہوئے بھی کام نہیں ہوا۔

قدرت، اللہ کی ذات میں ہے، کائنات میں قدرت نہیں ہ

اس لیے میرے عزیز دوستو اور بزرگو! قدرت اللہ کی ذات میں ہے، کائنات میں قدرت نہیں ہے۔ کائنات تو قدرت سے بن کر قدرت کے تابع ہے، یہ جتنی زمین اور آسمان کے بیچ خلاء میں جو چیزیں ہیں، یہ سب اللہ کی پہچان کے لیے ہیں، کہ اللہ نے ظاہری نظام کو بنایا بندے کے امتحان کے لیے کہ دیکھنا یہ ہے کہ نظامِ عالم کے تغیرات تمہیں ہماری طرف لاتے ہیں

یا تمہیں ہمارے غیر کی طرف لے جاتے ہیں۔

اب کیا بتاؤں میں آپ کو، ہائے!!! اس زمانے میں مسلمان چلتا ہے سائنس والوں کو دیکھ کر، کہ سائنس کیا کہہ رہی ہے۔ سب سے بڑا شرک جو مسلمان کے لیے ہے وہ سائنس کا نظام ہے، اس کا اختتام ہوگا دجال پر۔

اللہ کے غیر سے دنیا میں کوئی تغیر ہونا یہ سائنس کا خلاصہ ہے۔ سائنس میں پڑھایا ہی یہ جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے یہ ہوا اور اس کی وجہ سے یہ، خدا کی قسم! سائنس میں اللہ کے غیر سے ہونا ہی پڑھایا جاتا ہے۔ یہ بے چارے نہیں جانتے کہ

اللہ کون ہے؟

اس کائنات کا نظام کیا ہے؟

خلاء کا نظام کیسے چل رہا ہے؟

اس کی خبر ہی نہیں، انھوں نے تو نظامِ کائنات سے جوڑا ہے، یہی سائنس کا خلاصہ ہے اور یہ سب سے بڑا شرک ہے۔

نظامِ کائنات کو کائنات سے جوڑنا شرک ہے

نظامِ کائنات کو کائنات سے جوڑنا، اس کو شرک کہتے ہیں۔ اور

نظامِ کائنات کو خالقِ کائنات سے جوڑنا، اس کو ایمان کہتے ہیں۔

یہ بات میری یاد رکھنا! کہ نظامِ کائنات کو کائنات سے جوڑنا اس کو شرک کہتے ہیں اور نظامِ کائنات کو خالقِ کائنات سے جوڑنا اس کو ایمان کہتے ہیں۔ میں کیسے عرض کروں!!! کہ ہمیں رحم نہیں آتا اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں پر کہ ساری قوت ہم لگا دیتے ہیں کہ انھیں اللہ کے غیر کو سکھلانے پر، شرکیات سکھلانے پر، اب جب پوچھو گے ان بچوں سے کہ بارش کب ہوتی ہے، تو وہ سائنس میں پڑھا ہوا سبق بتلائیں گے کہ بارش ایسے ہوتی ہے۔

ہائے!!! میں کیا عرض کروں۔

ہمارا مجمع کہاں جارہا ہے؟

ہم کہاں جارہے ہیں؟

اگر روزانہ توحید کونہیں بولو گے نا، تو شرک ایسی جڑ پکڑ لے گا کہ تم سمجھو گے کہ ہم تبلیغ کا کام کررہے ہیں اور اندر شرک کا مادّہ پیدا ہورہا ہوگا۔ اس لیے اللہ کے غیر سے نہیں ہورہا، اس کو بولنے کی عادت ڈالو! کیوں کہ اللہ سے ہونے کو تو غیر بھی بول رہے ہیں کہ اوپر والا کرتا ہے، اوپر والا کرے گا اور اوپر والے نے کیا۔ صرف اسے بولنے کو توحید نہیں کہتے، بلکہ اللہ کے غیر سے نہیں ہورہا، اسے بولنا توحید کہتے ہیں، یہ نبیوں کی دعوت ہے۔ کہ اللہ کے غیر سے تو کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے، کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے۔ ہمیں تو روزانہ اس کی چوٹ مارنی پڑے گی اپنے دل پر، تب کہیں جا کر اس کی حقیقت کھلے گی ورنہ سب کے دلوں میں چور بیٹھا ہوا ہے، جتنا یہ کائنات سے متاثر ہوں گے نا، اُتنا ہی ان نقشوں میں چلنے والے غیروں سے متاثر ہوں گے۔

صحابی کے لیے جیل کی کوٹھری میں بادل کا ٹکڑا آکر برسا

اب کون سکھلائے ایسے لوگوں کو، کہ بادل کا ٹکڑا صحابی کے لیے جیل کی کوٹھری میں آکر برسا۔ کہ حضرت حُجر بن عدیؓ کو ایک بار غسل کی حاجت ہوئی، اس وقت وہ ایک کوٹھری میں قید تھے۔ جو آدمی ان کی نگرانی میں لگایا گیا تھا، اس سے انھوں نے غسل کے لیے پانی مانگا، تو اس نے پانی دینے سے انکار کردیا، پھر انھوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر اللہ سے پانی مانگا، اسی وقت ایک بادل آیا اور کوٹھری کے اندر گھس کر برسنے لگا، انھوں نے اس سے غسل کیا اور ضرورت بھر کا پانی بھی بھرلیا۔

کون سائنس والا اس کو قبول کرلے گا؟ تو یوں کہتے ہیں کہ بادل وہاں سے اٹھتا ہے اتنی بلندی پر جاتا ہے وہاں سے برستا ہے۔ ان کا سارا نظام سائنس کا ہے، یہ تو اللہ کو جانتے ہی نہیں ہیں بے چارے، یہ تو سمجھتے ہیں کہ اللہ دنیا بنا کر فارغ ہوچکے ہیں، اب دنیا کا نظام خود چل رہا ہے۔ خدا کی قسم! یہی دہریت ہے، یہی دہریت ہے۔ دہریت اسی کا نام ہے کہ جو کچھ کائنات میں ہورہا ہے، خود بخود ہورہا ہے، اپنے بچے کو بھی یہی پڑھا رہے ہیں اور خود یہی پڑھ رہے ہیں۔

بعض کی صبح ایمان کے ساتھ بعض کی کفر کے ساتھ

حضور ﷺ نے اس لیے یہ بات پہلے ہی صاف کردی کہ صلحِ حدیبیہ کی رات بارش ہوئی، آپ (ﷺ) نے پہلے ہی صحابہ سے فرمایا: کہ سن لو کہ جب صبح کو سو کر اٹھو گے تو تم میں سے بعض مؤمن ہوں گے اور بعض کافر ہوں گے۔ یہ بات سن کر صحابہ دہل گیے کہ یہ بات کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اس لیے کہ وہ لوگ کفر سے ہی نکل کر ایمان میں آئے پھر آخر صبح کیسے کافر ہوجائیں گے؟ تو آپ (ﷺ) نے صحابہ سے فرمایا: کہ جب صبح سو کر اٹھو گے نا تو تم میں سے بعض کافر ہوں گے اور بعض مؤمن۔ تو صحابہ نے کہا یا رسول اللہ! ایسے کیسے ہوجائے گا؟ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: جو صبح اٹھ کر یہ کہے گا کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تو وہ اللہ کا انکار کرنے والا ہے اور ستاروں پر ایمان رکھنے والا ہے اور جو یوں کہے گا کہ بارش اللہ کے کرنے سے ہوئی ہے وہ اللہ پر ایمان رکھنے والا ہے۔ آپ (ﷺ) نے اپنے صحابہ کو اس طرح ایمان سکھلایا ہے، یہ بات جو صحابہ کہتے ہیں کہ ہم نے سب سے پہلے ایمان سیکھا تو اس طرح آپ (ﷺ) نے اپنے صحابہ کو ایمان سکھلایا ہے۔

خوب غور کرو بات پر یہ جتنا خلاء کا نظام ہے، یہ تو میرے دوستو صرف امتحان کے لیے بنایا گیا ہے، کہ ہم دیکھیں تم اس نظام کو دیکھ کر کیا فیصلہ کرتے ہو وہ، جن کے اور اللہ کے درمیان کائنات کا نظام حائل ہوجائے گا، نہ وہ کسی کو معبود سمجھ بیٹھیں گے۔ اس کو معبود سمجھنے کا کیا مطلب؟ کہ کائنات کے نظام کو وہ معبود اس طرح سمجھیں کے کہ کرنے والی ذات تو اللہ ہی کی ہے، مگر کرنے کے لیے اللہ نے یہ چیزوں اور شکلوں والا راستہ بنایا ہے۔ بس سمجھ لو انھوں نے اتنا کہتے ہی اللہ کا انکار کردیا۔ کیوں کہ اللہ رب العزت کسی نظام کے پابند نہیں ہیں۔ جیسے سائنس والے کہتے ہیں کہ جب یوں ہوگا تو یہ ہوگا۔

زلزلے، زنا کی وجہ سے آتے ہیں

جب زلزلے آتے ہیں نا، زلزلے تو لوگ سائنس والوں سے پوچھتے ہیں کہ زلزلہ کیوں آیا؟ کہ سو سال سے تو کبھی زلزلہ نہیں آیا اب یہاں زلزلہ کیوں آیا؟ تو وہ تمھیں لاکھوں پٹیاں پڑھائیں گے۔ اگر تم یہ سوچو کہ اللہ نے زمین ہلایا ہے اور اللہ تعالیٰ تب ہی زمین ہلا کر زلزلے

لاتے ہیں، جب ان کی زمین پر زنا کیا جاتا ہے۔ ہاں زنا ہونے کی وجہ سے زلزلے آتے ہیں، کہ زمین زنا کو برداشت نہیں کرسکتی ہے کہ میں بھی اللہ کی مخلوق اور تو بھی اللہ کی مخلوق، میں بھی مامور ہوں اور تو بھی مامور ہے، تو تو نے اللہ کا حکم کیوں توڑا؟ پر لوگوں کو اندازہ نہیں ہے، کیوں کہ جنہوں نے خلاء کے نظام کو کائنات سے جوڑا ہوا ہے انھیں تو کبھی اس کا خیال بھی نہ آئے گا کہ زلزلے کا تعلق زنا سے ہے۔ وہ تو جو سائنس والوں نے انھیں پڑھا دیا ہے، وہی پڑھا ہے، ان کی اسی اعتبار سے سوچ بنی ہوئی ہے کہ ہم نے سائنس میں یہ پڑھا تھا۔

خوب دھیان سے سنو! ہم سب کے سب (اللہ ہمیں معاف فرمائے کہ) ظاہر پرستی پر چل رہے ہی، ہاں سچی بات ہے یہ کہ ہم بجائے خدا پرستی کے ظاہر پرستی پر چل رہے ہیں۔ کیوں کہ ہم روزانہ اللہ کی توحید کو بولنے کو کام نہیں سمجھتے ہیں، ہم سب کے ذہنوں میں یہ ہے کہ تبلیغ کے ذریعے سے کچھ اعمال ہوجاتے ہیں، ان عملوں کو کرنے کی کوشش ہے، پھر ہدایت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ جب کہ مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، کہ اگر میں اس کام کا کوئی نام رکھتا تو اس کام کا نام "تحریکِ ایمان" رکھتا۔ کہ مسلمانوں کے اندر ایمان کے سیکھنے کا شوق پیدا کی جائے اور ہر مسلمان اپنے ایمان کو لے کر فکر مند ہوجائے۔ اب ذرا خود سوچو کہ جو آدمی نظامِ کائنات سے متاثر ہے، وہ احکامات پر کیسے چلے گا؟ خوب سمجھ لو میں نے آپ کو ایمان کی تقویت کا پہلا سبب عرض کیا ہے کہ اللہ کی قدرت کو خوب بولا کرو۔ کہ قدرت اللہ کی ذات میں ہے، کائنات میں قدرت نہیں ہے۔ یہ کائنات اللہ کی قدرت سے بنی ہے اور ہر لمحہ قدرت ہی کے تابع ہے، اللہ سورج اور چاند کو صرف اس لیے بے نور کرتے ہیں کہ وہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کی روشنی ہمارے قبضے میں ہے، جو یقین نہیں کرتے وہی سورج کے پجاری ہیں۔ کیوں کہ یہ لوگ بیچارے یہ سمجھتے ہیں کہ سورج کی روشنی اس کی اپنی ذاتی ہے۔

اس لیے میرے دوستو عزیزو! ہمارا روزانہ کا پہلا کام یہ ہے دیکھو میں برابر بنگلے والی مسجد میں عرض کرتا رہتا ہوں کہ ہمارے گشتوں کا مقصد مسلمانوں سے ملاقاتیں کرکر کے انھیں مسجد کے ماحول میں لانا ہے۔ کہ ان سے ملاقاتیں کر کے یہ کہنا کہ بھائی مسجد میں ایمان کا حلقہ چل رہا ہے آپ

بھی تشریف لے چلئے، چاہے آپ دس منٹ ہی کے لیے چلیں۔ خوب سمجھ لو کہ ہماری ملاقاتوں کا مقصد مسجد میں نقد لانا ہے۔ یہ صحابہ کی پہلی سنت ہے، کہ ملاقاتیں کر کے انھیں ایمان مجلس میں بٹھاؤ، مسجد میں بیٹھ کر اللہ کی قدرت کو، اس کی عظمت کو، اس کے رب ہونے کو، اس کی یکتائی کو بیٹھ کر سنو اور سناؤ پھر یہاں سے اسی دعوت کو لے کر باہر کے تمام کائناتی نقشوں کے خلاف سب نکلیں کہ سنو کرنے والی ذات صرف اللہ کی ہے، اللہ کے غیر سے تو کچھ نہیں ہو رہا ہے۔

مسجد کی آبادی کی بنیاد، مسجد میں ایمان کے حلقے کا قائم ہونا ہے

میں تو اپنے یہاں نظام الدین میں صوبے والوں سے یہ پوچھتا ہوں کہ بتاؤ بھائی! تمہارے یہاں کتنی مسجدیں مسجدِ نبوی کی ترتیب پر آباد ہیں؟ کہ تمہارے یہاں مسجد میں ایمان کا حلقہ لگا ہو اور تمہارے ساتھی ملاقاتیں کر کر کے لوگوں کو مسجد کے ماحول میں لا رہے ہوں۔ دیکھو مسجد کی آبادی کی بنیاد ہے کہ مسجد میں ایمان کے حلقے قائم ہوں۔

ایک طرف تعلیم کا حلقہ لگا ہو۔

ایک طرف ایمان کا حلقہ ہو۔

اور ملاقاتیں کر کر کے لوگوں کو مسجد میں لایا جا رہا ہو۔

پر کسی مسجد میں ایمان کو حلقہ قائم نہیں۔ اگر کام کرنے والوں نے روزانہ ایمان کو نہ بولا، تو باہر کے ماحول کا اثر ان کے دلوں پر پڑ کر رہے گا۔

اس لیے روزانہ توحید کو بولنا ضروری سمجھو تاکہ ہمارے یقین اللہ کی ذات کی طرف پھریں، ورنہ اللہ کے غیر کا تاثر دلوں پر پڑے گا اور ساری بے دینی کی بنیاد اللہ کے غیر کا تاثر ہے۔

کیسے عرض کروں میں کہ مسلمان شریعت کے ایک ایک حکم کے بارے میں بیٹھا سوچ رہا ہے نا، کہ اگر اس حکم کے خلاف قانون آیا گیا تو کیا ہوگا؟ شریعت کے خلاف کسی قانون کو ذہن میں سوچنے کی جگہ دینا بھی اس کے ایمان کے خلاف ہے۔ شریعت کے کسی ایک حکم کے خلاف کسی قانون کے سوچنے کو ذہن میں جگہ دینا بھی ایمان کے خلاف ہے۔ اچھا جی! تو اب مسلمان کیا کرے

گا؟ احتیاط کرے گا، اسٹرائک سے، ان کی بھوک ہڑتال سے، دین کے اس عمل کی حفاظت اس لیے نہیں ہوگی کیوں کہ یہ خود پورے دین پر نہیں ہیں۔ کیوں کہ غیر تو مسلمانوں کے دین کو جب ہی مٹاتے ہیں، جب مسلمان اپنے دین کو خود بگاڑ چکا ہوتا ہے۔ غیر تو بگڑے ہوئے دین کو مٹاتے ہیں، ورنہ کسی کی کیا مجال ہے کہ دین کو مٹائے۔ ہاں، اگر مسلمان خود اسلام کے ارکان کا پابند ہو تو کیا مجال ہے کسی کی کہ کوئی مسلمان کے ارکانِ اسلام کی طرف نظر بھی اٹھا کر دیکھ لے۔

میرے دوستو عزیزو! امت کے دعوت کو چھوڑنے ہی کی وجہ ہے کہ آج اذان تک پر مسائل کھڑے ہو رہے ہیں۔ یہ دعوت کے چھوڑنے کی وجہ سے، خوب غور سے سنو! وہ تو جتنا اللہ کے غیر کا تاثر دلوں میں ہوگا، اتنا ہی اللہ کے غیر کا تاثر تسلط ہوگا۔ میں حضرتؒ کی بات عرض کر رہا ہوں، کہ ہمارا روزانہ کا کام یہ ہے کہ ہم لوگوں کو مسجد میں لا کر اللہ کی قدرت کو سمجھائیں، یہ صحابہ کی سنت ہے۔

❖ اب دوسرا سبب ایمان کی تقویت کا یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ جو غیبی مددیں ہوئی ہیں، ان کو بولا کرو۔ کیوں کہ انبیاءؑ کی غیبی مددوں کو بولنا، یہ ایمان کی تقویت کا دوسرا سبب ہے۔

''کہ نبی جی! ہم آپ کے دل کو زمانے کے لیے آپ پر پچھلے نبیوں کے واقعات وحی کرتے ہیں'' [ہود۔۱۲۰) تو نبیوں کی غیبی مددوں کے واقعات کو بیان کرنا، دلوں کے جماؤ کا سبب ہے، ایک ایمان کی تقویت کا سبب یہ ہے۔

❖ تیسرا سبب ایمان کی تقویت کا یہ ہے کہ جتنا صحابہ کرام کے ساتھ

غیبی مددیں

برکتیں

نصرتیں اور

ظاہر کے خلاف جو مددوں کے واقعات ہوئے ہیں،

انھیں خوب بیان کیا کرو اور بیان کرنے میں کبھی یہ نہ سوچنا کہ ایسا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ انبیاء اور صحابہ کے واقعات اللہ کی مدد کے ضابطے بتانے کے لیے ہیں۔ ورنہ لوگ یہ سمجھیں گے کہ اللہ نے دنیا کو دارالاسباب بنایا ہے، تاکہ اللہ اسباب کے ذریعے ہماری مدد کرتے رہیں۔

اسباب پر نگاہ رکھ کر اللہ سے امید کرنا، یہ کفر کا راستہ ہے

دیکھو میرے دوستو عزیزو! یہی وجہ ہے کہ ہم سب اللہ کے سامنے اپنے اسباب رکھ دعائیں مانگتے ہیں۔ کہتے بھی ہیں ساتھی، کہ تم ظاہری اسباب میں کوشش کرو پھر اللہ پر بھروسہ کرو، ہائے!!! سوچو تو سہی کہ کتنی الٹی بات ہے۔

نہیں میرے دوستو! مجھے خود ہی اعتراف ہے کہ میری بات آپ کو مشکل سے سمجھ میں آئے گی۔ کیوں کہ جو آدمی چل رہا ہو مشرق کی طرف، اسے مغرب کی طرف پھرنا پڑے گا۔ آج تو ہم سب کی زبانوں پر یہ ہے کہ ظاہری اسباب میں تم کوشش کرو اور امید اللہ سے رکھو۔ میرے دوستو! یہ راستہ ناکامی کا ہے۔ ہائے!!! میں کیسے سمجھاؤں کہ تم نے اللہ کے لیے کیا ہی کیا ہے؟ جس سے تو اللہ سے امید رکھے۔ محنت کرتے ہیں اسباب پر اور امید رکھتے ہیں اللہ سے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ **"اسباب پر نگاہ رکھ کر اللہ سے امید کرنا یہ کفر کا راستہ ہے"**

کہ اللہ سے امید تو غیر مسلم بھی رکھتے ہیں، وہ بھی صحیح کہتے ہیں کہ ظاہری اسباب ہمارے ذمہ ہے اور کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ اتنی امید تو وہ بھی اللہ سے رکھتے ہیں۔ میں حضرتؒ کی بات عرض کرر ہا ہوں، وہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کریں گے مگر ظاہری اسباب بنانا ہمارے ذمہ ہے اور مسلمان بھی یہی کہتے ہیں کہ اللہ کریں گے مگر ظاہری اسباب بنانا ہمارے ذمہ ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ تم ذرا بیٹھ کر غور کرو کہ تم میں اور ان میں کیا فرق رہ گیا ہے؟!

ہمارے ایک ساتھی کو اولاد نہیں ہوتی تھی، اس نے ایک غیر مسلم ڈاکٹر سے اپنا علاج کرایا۔ اس ڈاکٹر نے سب دیکھ بھال چیک اَپ وغیرہ کیے، پھر اس نے کہا کہ کوئی کمی نہیں ہے، میں نے تو اپنا کام پورا کر دیا ہے، اب صرف اوپر والے کے حکم کی دیر ہے۔ کس کی دیر ہے؟ کہ

اوپر والے کے حکم کی دیر ہے۔ جب اس نے مجھے آ کر یہ بتایا کہ وہ غیر مسلم ڈاکٹر تو یہ کہہ رہا تھا کہ میں نے اپنا کام پورا کر دیا ہے، اب اوپر والے کے حکم کی دیر ہے۔ تو میں سوچ میں پڑ گیا، کہ ہم میں اور اس میں کیا فرق رہ گیا؟!! وہ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ اسباب میں نے بنا دئے ہیں، اب اوپر والا کرے گا اور ہم بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ اسباب ہم بنا لیتے ہیں اب کرنے والی ذات اللہ کی ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہم میں اور ان میں فرق کیا رہ گیا؟!!!

میرے دوستو عزیزو بزرگو! دیکھو ہم میں اور ان میں فرق یہ ہے کہ جو اللہ کو کرنے والا نہیں مانتے، تو ان کے اور اللہ کے درمیان اسباب ضابطہ ہیں اور جو اللہ کو کرنے والا مانتے ہیں، ان کے اور اللہ کے درمیان احکامات ضابطہ ہیں، کہ

اے اللہ! میں نے نماز پڑھ لی۔

اے اللہ! میں نے صدقہ دے دیا۔

اے اللہ! میں نے سچ بول دیا۔

اب کرنے والی ذات تیری ہے، مومن حکم پورا کر کے امید کرے گا اور کافر اسباب پورے کر کے امید کرے گا۔ خوب سمجھ لو! امید دونوں اللہ سے ہی کرتے ہیں، پر اتنا فرق ہے کہ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ نے ایک مشرک کو بُلا کر پوچھا کہ یہ بتاؤ جب دنیا میں تم کو کوئی نقصان ہو جاتا ہے تو تم اس نقصان کی تلافی کس سے کراتے ہو؟ اس مشرک نے یہ کہا کہ جو اللہ آسمانوں کے اوپر ہے، میں اس سے کہتا ہوں، تو وہ میرے نقصان کی تلافی کرتا ہے۔ تو آپ (ﷺ) نے فرمایا: کہ جب وہ اللہ تمہارا کام بناتا ہے، تمہارے نقصان کو دور کرتا ہے، پھر بھی تم اس کے ساتھ بتوں کو شریک کرتے ہو۔

نہیں، میرے دوستو عزیزو، بزرگو! ہمارے اور اللہ کے درمیان کائنات ذریعہ نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے اور اللہ کے درمیان احکامات ذریعہ ہیں۔ اب رہی بات کہ اللہ نے پھر اسباب کیوں بنایا؟ تو اللہ تعالیٰ نے اسباب صرف امتحان کے لیے بنائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں، کہ اسباب سے ظاہر ہونے والی حاجتوں کو تم ہماری طرف پھیرتے ہوی اسباب کی طرف

پھیرتے ہو، صرف اتنا سا امتحان ہے۔ اس لیے یہ سارے اسباب امتحان کے لیے ہیں، چاہے ہماری دکان ہو، یا چاہے سلیمانؑ کی بادشاہت ہو، یہ سب کا سب امتحان کے لیے ہے۔

ایسی بادشاہی، کہ ساری مخلوق تابع

کیا بادشاہت تھی سلیمانؑ کی۔ ﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ''اے اللہ! مجھے ایسی بادشاہی چاہیے جو میرے بعد کسی کو میسر نہ ہو'' ایسی بادشاہی کہ ساری مخلوق تابع، جس سے چاہے جو کام لے۔ مگر کاہے کے لیے؟ کہ صرف آزمائش کے لیے۔ اسباب کسی کے پاس ہوں، نبی کے پاس ہوں، یا چاہے امتی کے پاس ہوں، آزمائش کے لیے ہیں۔ اسباب میں سب کی دو آزمائشیں ہیں۔

ایک آزمائش اطاعت کی ہے۔

اور

ایک آزمائش گمان کی ہے۔

کہ تم نے عمل کی نسبت کدھر کی ہے۔ یہ دو آزمائشیں ہیں اسباب میں، ایک آزمائش اطاعت کی ہے کہ جو اسباب ہم تم کو دیتے ہیں، تم ان میں ہمیں بھول تو نہیں جاتے۔

سورج کا واپس نکلنا

کہ سلیمانؑ گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے، ویسے گھوڑے اِس وقت دنیا میں نہیں ہیں، سارے ختم ہو گئے۔ ایسے گھوڑے جو دوڑتے بھی تھے، اڑتے بھی تھے اور سمندر میں تیرتے بھی تھے، ایسے عمدہ گھوڑے۔ ان گھوڑوں کا سلیمانؑ معائنہ کر رہے تے، اسی میں عصر کی نماز قضا ہو گئی کہ سورج ڈوب گیا۔ اسباب کے دیکھنے میں ایسا مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی۔ لیکن بات یہ ہے کہ جنہیں عمل کے ضائع ہونے کا ایسا غم ہوتا ہے، اللہ ان کو ضائع نہیں کرتے۔ اور فرمایا: ﴿رُدُّوْهَا عَلَیَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوْقِ وَالْاَعْنَاقِ﴾ اے اللہ سورج کو واپس کر دے کہ میری نماز قضا ہو گئی ہے۔ جنہیں عمل کے ضائع ہونے کا سچا غم ہوتا ہے، اللہ ان کے عمل کو ضائع نہیں

کرتے۔اسی لیے فرمایا کہ ساری نیکیوں کا مدار تقوے پر ہے، چنانچہ سورج واپس نکلا۔

میں آپ کو بتارہا تھا کہ اسباب میں ایک امتحان اطاعت کا بھی ہوگا، کہ ایسا تو نہیں کہ تم نماز کو ضائع کردو۔ایک بات اور دوسری بات یہ ہے کہ تم اسباب میں مدعی ہو، جس کی وجہ سے تم یہ سوچو یا خیال کرو کہ اس سبب سے ہم یہ کرلیں گے یا پھر تم اسباب کی نسبت ہماری طرف کرتے ہو، کہ سب سے نہیں اللہ کریں گے۔یہ اسباب تو ہمارا امتحان ہیں، کہ اسی بات پر ان کی آزمائش ہوئی۔

گوشت کا لوتھڑا، سلیمانؑ کی شاہی کرسی پر؟!!

کہ سلیمانؑ نے بڑا نیک ارادہ کیا، طے کیا کہ آج میں اپنی سو(۱۰۰) بیویوں پر چکر لگاؤنگا، کیوں کہ مجھے اللہ کے راستے کے لیے سو مجاہد تیار کرنے ہیں۔(سو لڑکے پیدا کروں گا) نیک ارادہ کیا کہ اپنی سو(۱۰۰) بیویوں کے پاس چکر لگاؤنگا، کہ مجھے سو بیٹے چاہیے، جو اللہ کے راستے میں مجاہدہ کریں، شیطان نے ان کو بھی یہاں انشاء اللہ کہنا بھلادیا۔روایت میں ہے، حالانکہ خیر کا ارادہ ہے، اسی لیے اللہ کی مدد اسی کام میں ہوگی، جو کام اللہ کے حوالے کیا گیا ہے۔ارادہ چاہے دین کا ہو یا دنیا کا، تو سلیمانؑ نے نیک ارادہ کیا کہ سو مجاہد اللہ کے راستے کے لیے چاہیے اور اس ارادے کے ساتھ اپنی سو بیویوں سے صحبت کی، پر سو بیویوں میں سے صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا۔اور ننانوے(۹۹) بیویوں کو کوئی حمل نہیں ٹھہرا، صرف ایک بیوی کو حمل ٹھہرا اور اس بیوی سے بھی ایک گوشت کا لوتھڑا پیدا ہوا، کہ اس گوشت کے لوتھڑے پر نہ کان، نہ ہاتھ، نہ پیر، نہ آنکھ اور منہ، صرف گوشت کا لوتھڑا اور نیت سلیمانؑ کی تھی مجاہد کی۔تو دایا نے ان کی بیوی سے پیدا ہوئے اس گوشت کے لوتھڑے کو شاہی کرسی پر لاکر رکھ دیا۔کہ یہ پیدا ہوا ہے، قرآن میں اسی طرح ہے کہ ﴿وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَانَ عَلٰى كُرْسِيِّهٖ جَسَدًا ثُمَّ اَنَابَ﴾

دایا نے اس جنے ہوئے گوشت کے لوتھڑے کو سلیمانؑ کی شاہی کرسی پر کیوں ڈالا؟ کیوں کہ وہ کرسی پر ڈالنے والی چیز تو نہیں تھی، پھر کیوں ڈالا کرسی پر؟ کہ کرسی پر اس لیے ڈالا گیا ہے کہ سلیمانؑ کو یہ پتہ چلے کہ تم اپنی بادشاہت سے یہ نہ سمجھو کہ کچھ کرلیں گے۔

اسباب پر اللہ کا کوئی وعدہ نہیں

غور کرو اس پر کہ جن کے تابع ساری مخلوق لیکن سو (۱۰۰) بچوں کو پیدا کرنے کے ارادے کو اللہ کو سامنے نہ رکھا کہ جب بندہ کسی کام کے ارادے پر اللہ کو بھول جاتا ہے تو پھر اللہ رب العزت اپنی یاد دلانے کے لیے اس کو اس کے کام میں ناکام کرتے ہیں۔ جنہیں اللہ تعالیٰ یاد آجائے ایسے حالات میں، تو پھر اللہ ان کے لیے راستے کھول دیتے ہیں اور جنہیں اللہ یاد نہیں آتے ان حالات میں، تو پھر وہ آگے بے برکتی کا پریشانیوں اور مصیبتوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔

اس لیے میرے دوستو عزیزو! اسباب کی حیثیت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ انبیاء اور صحابہ کے غیبی مددوں کے واقعات خوب بولا کرو، کہ اللہ نے ان کے ساتھ جو بھی کیا ہے، وہ اپنے ضابطے بتانے کے لیے اور ان کے دلوں میں جمانے کے لیے کیا ہے۔ یہ تیسرا سبب ہے ایمان کی تقویت کا، کہ صحابہ کے ساتھ اللہ کی غیبی تائید کے واقعات کو خوب بولا کرو۔ اس لیے حضرتؒ نے ساری "حیاۃ الصحابہ" مرتب کر کے آخر میں غیبی تائیدوں کے واقعات کو جمع کیا ہے۔ کہ اللہ نے صحابہ کی تائید کس طرح اور کن اعمال پر کی ہے۔ تو میں عرض کر رہا تھا، کہ اسباب کی حیثیت یہ ہے، اب چاہے وہ اسباب نبی کے پاس ہوں، چاہے وہ اسباب ولی کے پاس ہوں اور چاہے وہ اسباب امتی کے پاس ہوں، اسباب کی حیثیت یہ ہے۔ اللہ کا اسباب پر کوئی وعدہ نہیں ہے، یہ پکی بات ہے۔

اللہ کی قدرت وعدوں کے ساتھ ہے۔ اور

اللہ کے وعدے اس کے حکموں کے ساتھ ہیں۔

﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ﴾

یہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔ اسباب کے ساتھ وعدے بھی نہیں اور قدرت بھی نہیں، لوگوں پر تعجب ہے کہ وہ اللہ کے سامنے اپنے اسباب رکھ کر دعائیں مانگتے ہیں۔ میرے دوستو! اللہ کے سامنے اعمال رکھ کر دعائیں مانگو، کہ

اے اللہ! یہ صدقہ میں نے دیا ہے، اس پر تیرا یہ وعدہ ہے۔

اے اللہ! میں نے یہ نماز پڑھی ہے، اس پر تیرا یہ وعدہ ہے۔

اے اللہ! میں نے یہ سچ بولا ہے، اس پر تیرا یہ وعدہ ہے۔

مشہور واقعہ ہے کہ تین آدمیوں کا جو غار میں پھنسے تھے اور چٹان نے راستہ بند کر دیا تھا۔ یہاں ان کے لیے سوائے موت کے اور کوئی راستہ نہیں تھا، تو یہاں ہر ایک نے اللہ کے سامنے اپنا اپنا عمل پیش کیا۔ ہاں سب نہیں بلکہ عمل پیش کیا۔

ایک نے معاشرے کا عمل پیش کیا احسان کا۔

ایک نے معاملات کا عمل پیش کیا احسان کا۔

ایک نے اخلاق کا عمل پیش کیا احسان کا۔

کسی نے بیٹھ کر یہ دعا نہیں مانگی کہ اے اللہ! کوئی ایسی کرین بھیج دیجئے جو اس چٹان کو ہٹا دے، یا کوئی ایسا سیلاب ہو جو چٹان کو بہا دے، یا کوئی زلزلے کا ایسا جھٹکا ہو جو چٹان کو یہاں سے سرکا دے۔ جی ہاں، یہاں پر ان تینوں نے اللہ کے سامنے اپنا اپنا عمل پیش کیا۔

ایک نے اپنا عمل پیش کیا کہ اے اللہ! میں اپنے والدین سے پہلے اپنے بچوں کو کبھی خوراک نہیں دیتا تھا، کبھی دودھ نہیں پلایا تھا۔ جب بھی میں جنگل سے آتا تو سب سے پہلے میں بکری سے دودھ نکال کر اپنے والدین کو پلاتا تھا۔ ایک مجھے واپسی میں دیر ہوگئی، جس کی وجہ سے میرے والدین سو چکے تھے، تو میں ساری رات دودھ کا پیالہ لے کر والدین کے سرہانے کھڑا رہا۔ ادھر میرے بچے بھوک کی وجہ سے روتے بلکتے رہے، پر میں نے ان کو دودھ نہیں دیا۔ بلکہ دودھ کا پیالہ لیے ہوئے میں والدین کے سرہانے کھڑا رہا۔ کہ ان کو نیند سے اٹھانا میں نے مناسب نہیں سمجھا اور بچوں کو ان سے پہلے دودھ پلانا ٹھیک نہیں سمجھا۔

والدین کے ساتھ اولاد کا معاملہ، جانوروں جیسا

اب تو اللہ معاف فرمائے کہ اب تو مسلمان کا معاملہ اپنے والدین کے ساتھ ایسا ہے، جس طرح جانوروں کے بچوں کا معاملہ ہوتا ہے۔ کہ کسی جانور کا بچہ بڑا ہو کر اپنے والدین کو

نہیں پہچانتا، حالانکہ انسان کو اس کی وصیت کی گئی ہے کہ تیری پیدائش کے وقت تجھے پیٹ میں رکھنے کی انھوں نے تکلیف اٹھائی۔ تجھے دودھ پلانے کی انھوں نے تکلیف اٹھائی، پر اب والدین بوجھ ہو گئے۔ والدین کی خدمت نہ کرنا آج مسلمانوں میں سب سے بڑی بے برکتی کی وجہ ہے۔ لوگ برکتوں کے تعویذ لیتے ہیں، حالانکہ والدین کی خدمت سے بڑھ کر کوئی چیز برکت کا سبب نہیں ہے، سارے اعمال ایک طرف۔ اس لیے کہ اولاد والدین کی مقروض ہے، کہ اس پر حمل کا قرض، اس پر دودھ پلانے کا قرض اور اس کو جننے کا قرض، یہ سارے قرضے ہیں اولاد پر اپنے والدین کے اور اب اللہ معاف فرمائے کہ آج اولاد کا اپنے والدین سے معاملہ جانوروں کے جیسا ہے۔ کہ بڑے ہوئے اور والدین کو چھوڑا۔

تو وہاں غار میں انھوں نے عمل پیش کیا تو چٹان سرک گئی اپنی جگہ سے۔ لیکن کسی کے نکلنے بھر کا راستہ نہ بنا، ایسا نہیں ہے کہ تم عمل کرو تو تمہاری نجات، اور وہ عمل کریں تو ان کی نجات کہ امت کا معاملہ اجتماعی ہے اور دین بھی اجتماعی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جو عمل کر لے اس کی نجات ہو جائے بلکہ دین مجتمع ہے اور امت مجموعہ ہے۔

میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں

تو دوسرے نے عمل پیش کیا معاملات میں احسان کا، کہ میں نے ایک مزدور سے کام لیا پر وہ اپنی مزدوری چھوڑ کر چلا گیا اور میں نے اس کی مزدوری سے بہت سا مال تیار کیا۔ پھر ایک عرصے کے بعد جب وہ میرے پاس اپنی مزدوری لینے کے لیے آیا تو اس وقت ساری وادی جانوروں سے بھری ہوئی تھی۔ تو میں نے اس سے کہا کہ یہ سب تیری مزدوری ہے، تو انھیں لے جا۔ کیوں کہ اس نے اس کی مزدوری سے ہی یہ سارا مال بنایا تھا۔ اور جتنا مال اس کی مزدوری سے بنا، اس نے اس کو بچا کر رکھا۔ پھر اس کے آنے پر میں نے اس کو سارا سامان لے جانے کے لیے پیش کیا، تو اس مزدور نے کہا کہ اے اللہ کے بندے! مجھ سے مذاق نہ کر بلکہ میری مزدوری دے دے۔ اس نے کہا کہ میں تجھ سے مذاق نہیں کر رہا ہوں، یہ سارا کا سارا تیرا ہی ہے، تو اسے لے جا۔ معاملے میں احسان کا عمل۔

جی ہیں، عمل پیش کر کے کہا کہ اے اللہ! اگر یہ میں نے تیرے لیے کیا ہے تو تو ہمیں یہاں سے نکال دے۔ چٹان پھر سرکی، لیکن ایک کے بھی نکلنے کا راستہ نہ ہوا کہ دین مجموعہ ہے اور امت مجموعہ ہے۔

معاملات کی وجہ سے آنے والے حالات، عبادت سے ٹھیک نہیں ہونگے

اب میں کیسے سمجھاؤں دوستو! لوگ لمبی لمبی نمازیں، بڑی بڑی عبادتیں، حج پر حج کرتے ہیں، ذکر بہت لمبا لمبا، لیکن معاملات، معاشرت اور اخلاق ان تینوں لائنوں میں یہ فیل ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ جو حالات معاملات کی وجہ سے آئیں گے، وہ عبادت سے ٹھیک نہیں ہونگے۔ اگر یہ چاہے کہ ہماری عبادات سے تنگی دور ہو جائے، تو یہ تنگیوں سے نہیں نکل پائیں گے۔ میرے دوستو! معاملات بہت اہم چیز ہے، اللہ مجھے معاف فرمائے کہ ہمارے ماحول میں اس کا اہتمام نہیں ہے۔ کیوں کہ جن کی نظر اپنی عبادات پر ہوتی ہے، ان کے اندر اتنا فخر پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ معاملات کی پرواہ نہیں کرتے۔ حالانکہ خدا کی قسم! معاملات کو بگاڑ کر دنیا میں عبادتیں کرنے والے، اپنی ساری عبادتیں صرف دوسروں کے لیے کر رہے ہیں۔ کہ یہ اپنی عبادات سے قیامت میں ایسے خالی ہو جائیں گے کہ شاید انھوں نے دنیا میں کوئی عمل کیا ہی نہیں ہے۔ کہ قیامت میں حق والوں کو انکی عبادتیں دی جائیں گی اور جب عبادتوں سے یہ خالی ہو جائیں گے، تو ان عابدوں پر حق والوں کے گناہ ڈالے جائیں گے، پھر ان عابدوں کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ کہ یہ گے وہ عابد جس نے معاملات کی پرواہ نہ کر کے عبادتیں کی ہیں معاملات کے حکم توڑ کر۔

یہ بڑی فکر کی بات ہے کہ کہیں ہمارے معاملات کی وجہ سے ہماری عبادت پر دوسروں کا قبضہ نہ ہو جائے، کہ ہمارے معاملات پر عبادت کا پردہ نہ پڑ جائے، کہ قیامت میں اللہ اس پردے کو اٹھائیں گے اور مطالبہ کرنے والوں کے مطالبے کو، اس کی عبادت سے پورا کریں گے۔ کیوں کہ آخرت کی کرنسی اعمال ہیں۔ یہ وہاں کی ضرورت ہے، اس لیے اپنی عبادات کو محفوظ کرو۔ ورنہ حق والے ساری عبادتیں ایسی لے اڑیں گے کہ گویا ان عبادات میں آپ کا کوئی حصہ ہی نہیں ہے۔

مقبول نمازیں

مقبول حج

مقبول اذکار

مقبول روزے

سب نیکیاں دوسرے لے اڑیں گے۔

فاقہ تو کفر تک پہونچا دیتا ہے

میں عرض کررہا تھا کہ پھر تیسرے نے عمل پیش کیا کہ اے اللہ! میرے چچا کی لڑکی جو مجھے محبوب تھی، میں اس کے ساتھ خلوت چاہتا تھا۔ کیوں کہ دنیا میں اگر مجھے کسی عورت سے محبت تھی تو اسی سے تھی، میں اس کے ساتھ خلوت چاہتا تھا، مگر وہ خلوت کا موقعہ نہیں دیتی تھی، پھر قحط سالی کی وجہ سے اس پر تنگی آئی، تو وہ محتاج ہوکر میرے پاس آئی۔ میں نے کہا کہ میں تجھے ایک سو بیس (۱۲۰) دینار دوں گا، مگر شرط یہ ہے کہ تو میرے ساتھ خلوت اختیار کرلے۔ وہ اس بات پر راضی ہوگئی۔ کیوں کہ فاقہ تو کفر تک پہونچا دیتا ہے، تو اس کو اس کے فاقہ نے بدکاری کے لیے تیار کردیا۔ پھر اے اللہ! جب بدکاری کے ارادے سے میں اس کی ٹانگوں کے درمیان بیٹھ گیا، تو وہ مجھ سے بولی کہ اللہ سے ڈر! اے اللہ! میں نے صرف تجھ سے ڈر کر یہ کام نہیں کیا کہ اے اللہ! میں نے تیرے ڈر سے اس سے زنا نہیں کیا اور وہ ایک سو بیس (۱۲۰) دینار بھی اس کو دے دئے۔ اے اللہ! تو میرے نکلنے کا یہاں سے انتظام کردے۔

مدد کے ضابطے

دیکھو بھائی میرے دوستو بزرگو! یہ واقعات مدد کے ضابطے بتانے کے لیے ہیں۔ لوگ ایسے واقعات سن کر کہتے ہیں "سبحان اللّٰہ سبحان اللّٰہ" پر زندگی وہیں کی وہیں۔ حضرتؒ فرماتے تھے کہ جتنے پچھلوں کے واقعات ہیں ان سے پچھلوں کو نہیں بتلانا ہے بلکہ ان کے واقعات سے قیامت تک اللہ کی مدد کے ضابطے بتلانا ہے کہ یہ مدد کے ضابطے ہیں۔ وہ ایسے تھے، وہ ایسے تھے بلکہ یہ واقعات تو یہ بتانے کے لیے تھے کہ اگر تم نے ایسا کیا تو تمہارے ساتھ بھی ایسے ہی ہوگا۔ بلکہ جتنا ان کے ساتھ ہوا ہے، اس سے دس گنا زیادہ ایک مومن کے ساتھ ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے، کہ ایک مؤمن کی مدد دس

(۱۰) صحابہ کے بقدر ہوگی اور ایک مومن کو عمل پر اجر پچاس (۵۰) صحابہ کے برابر ملے گا۔ دیکھو یہ بہت بڑی بات ہے، صحیح روایت میں ہے۔ ''منتخب احادیث'' میں حضرتؒ نے یہ بات نقل کی ہے۔ ایسی حدیثیں حضرتؒ نے ''منتخب احادیث'' میں چن چن کر جمع کی ہیں۔ غور کیا کرو ان حدیثوں پر۔ تو ایمان کے سیکھنے کا یہ تیسرا سبب ہے کہ صحابہ کے ساتھ جو غیبی مددیں ہوئی ہیں، انھیں خوب بولا کرو۔

❖ اور چوتھا ایمان کی تقویت کا سبب یہ ہے کہ ایمان کی علامتوں کو خوب بولا کرو تا کہ ایمان کی کمزوری کا ہمارے اندر احساس ہو جائے کہ کتنی بے پرواہی ہے ایمان سے۔ کہ جب تمہیں نیکی خوش کرے اور گناہ غمگین کرے تو جان لے کہ تو مومن ہے کہ ایمان تو اپنی علامتوں کے ساتھ ہے۔ نیکیوں سے خوش ہونا کہ اللہ کا حکم پورا کر کے خوشی ہو رہی ہو اور گناہ سے غمگین ہونا کہ ایک ادنیٰ سی سنت کے چھوٹنے پر ہمیں غم ہو رہا ہے، اسی کو توبہ کہتے ہیں۔ جو گناہ کر کے غمگین نہیں ہوگا وہ توبہ نہیں کرے گا، یہ ہے ایمان کی تقویت کے اسباب۔

ایمان کی سب سے اہم علامت ''تقویٰ''

کہ ایمان کی سب سے اہم علامت تقویٰ ہے، کہ قرآن میں کلمہ ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ'' کو تقویٰ کا کلمہ فرمایا ہے۔ اور مومن کو اس کا حق دار بتلایا۔

﴿إِذْ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَأَنزَلَ اللّٰهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوَىٰ وَكَانُوا أَحَقَّ بِهَا وَأَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ (فتح:۲۶)

کہ اللہ نے جمایا ایمان والوں کو تقویٰ کے کلمے پر کیوں کہ ایمان کی علامت تقویٰ ہے۔ اس لیے میرے دوستو بزرگو عزیزو! سب سے پہلے ہمیں زندگی میں تقویٰ لانا ہوگا۔ تقویٰ کہتے ہیں حرام سے بچنے کو یہ تقویٰ سب سے پہلے معاملات میں چاہیے، معاملات میں سب سے پہلے تقویٰ لانا اس لیے ضروری ہے کہ جس طرح بغیر وضو کے نماز نہیں ہوتی اسی طرح بغیر معاملات کے عبادت نہیں ہوگی پہلے طہارت پھر عبادت، پہلے وضو پھر نماز، بالکل اسی طرح خدا کی قسم پہلے معاملات، پھر عبادات، اس پر بہت غور کرنا ہوگا کہ جسم میں دوڑنے والا خون اگر

سود سے

غبن سے

جھوٹ سے

خیانت سے

رشوت سے

پاک نہیں ہے تو اس نے اپنے جسم کو عبادات کے لیے بنایا ہی نہیں ہے، کہ جسم میں خون دوڑ رہا ہے حرام اور یہ کر رہا ہے عبادت۔

معاملات کے گناہ، عبادت سے کیسے معاف ہوجائیں گے

لوگ بے چارے یہ سمجھتے ہیں کہ معاملات کے گناہ عبادت سے پاک ہوجائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوگا معاملات کے گناہ عبادت سے کیسے معاف ہوجائیں گے۔ کہ اس نے عبادت کی جو پہلی شرط طہارت ہے اسی کو پورا نہیں کیا، کہ طہارت کے بغیر تو عبادت نہیں ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ جس طرح مصلےٰ کپڑے اور بدن کا ظاہر پاک ہے اسی طرح بدن کا باطن بھی پاک ہو، یہ بھی ظاہری تقویٰ ہے کہ اپنے خون کو پاک رکھو۔ کاہے کے لیے؟ عبادت کے لیے، اللہ مجھے معاف فرمائے کہ غیر تو خوب جانتے ہیں اس بات کو انھیں سود کھلاؤ پھر ان کی بد دعاؤں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں، کیوں کہ ان کی دعاؤں سے خود ان کو کچھ ملنے والا نہیں۔ کیوں کہ اللہ کی طرف سے حرام کھانے والے کے لئے دعا کے جواب میں یہی جملہ ہے

"اَنیّٰ لَکَ الْاِجَابَۃَ"؟

میں تیری دعا کاہے کو قبول کرلوں؟۔

کھانا حرام کا

پینا حرام کا

پہننا حرام کا

اور پھر یہ بڑی لجاجت کے ساتھ اللہ کو پکاریں کہ اے میرے رب! اے میرے رب! رو رو کر دعائیں مانگیں۔ اپنی حاجب اللہ کے سامنے رکھیں اور اللہ کہے "اَنیّٰ لَکَ الْاِجَابَۃَ" ؟ کہ

میں تیری دعا کیوں قبول کروں؟۔

اس لیے میرے دوستو عزیزو بزرگو! کہ سب سے پہلے معاملات میں دین لانا ہوگا، یہ ایسا ہے جیسے نماز کے لیے طہارت کی، پہلے تقویٰ معاملات میں لاؤ، اس لیے کہ ساری نیکیوں کا مدار تقویٰ پر ہے، اور اللہ کا تقویٰ پر وعدہ ہے کہ جو حرام سے بچنا چاہے گا ہم اسے بچا کر نکالیں گے۔

ہم تو متقی کے لیے راستہ ضرور نکالیں گے

کہ یوسفؑ نکلتے چلے گئے اور ان کے لیے دروازے کھلتے چلے گئے ایک آدمی اگر حرام سے بچنا اور اللہ اس کے لیے راستہ نہ بنائیں ایسا کیسے ہوسکتا ہے، کہ یوسفؑ نکلتے چلے گئے اور دروازے کھلتے چلے گئے، ہاں دیکھو ایک بات یاد رکھو کہ جو آدمی تقویٰ کی لائن اختیار کرے گا تو اللہ رب العزت اس کے تقویٰ کا امتحان ضرور لیں گے، کہ یہ اپنے تقویٰ میں مخلص ہے یا نہیں۔تو یوسفؑ بچ کر نکلے تقویٰ کی وجہ سے لیکن انھیں جیل ہوگئی، دیکھو اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آدمی گناہ سے بچتا ہے تو اللہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہ کہیں گناہ کی طرف واپس تو نہیں جاتا، کیوں کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بہت سے لوگ آپ کو ایسے ملیں گے کہ جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا حرام کاروبار چھوڑ دیا، پھر اللہ نے ان پر حالات ڈالے کہ قرضہ آیا اور تنگی آئی تو اللہ ہمیں معاف فرمائے اور اللہ حفاظت فرمائے کہ بعض لوگ ان حالات سے تنگ آ کر حرام کی طرف پھر واپس چلے جاتے ہیں، جب کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ ہم ہلکا سا تمہیں آزمائیں گے کہ

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾[البقرۃ ۱۵۵۔پ:۲]

تھوڑی سی بھوک

تھوڑا سا نقصان

تھوڑا سا خوف

اگر اس پر جمے رہے، تو پھر اس کے بعد راستے کھول دیں گے، یہ آزمائش کے لیے

ہوتا ہے پر لوگ ان حالات کے آنے پر حرام کی طرف پھر واپس ہو جاتے ہیں۔ جی ہاں کہ اللہ سچ بولنے والوں کو آزمائیں گے سچائی میں کہ کعب بن مالکؓ کی طرح کہ وہ غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے تو سچ بول دی کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں تھا۔ کیوں کہ میرے پاس مال بھی تھا، سواری بھی تھی پر میں اللہ کے راستے میں نکلنے سے پیچھے رہا ہوں۔ عذر کوئی نہیں تھا مجھ سے غلطی ہوگئی ہے، صاف صاف بات۔ تو اللہ کے نبی ناراض ہوگئے، کیوں کہ کعب بن مالکؓ نے سچ بت کہہ دی تھی۔ جب آپ کے پاس سے وہ باہر نکلے تو لوگوں نے کہا کہ اے کعب! تم نے یہ کیا کیا؟ اگر تم جھوٹا عذر کر دیتے تو جان بھی بچ جای اور اللہ کے نبی تمہارے لیے استغفار بھی کرتے، پھر اس استغفار سے تمہارا جھوٹ بولنے کا گناہ معاف ہو جاتا۔ ان لوگوں نے ان کو یہ مشورہ دیا، تو ان کو خیال آیا کہ میں واپس جاؤں اور اللہ کے نبی سے کہوں کہ میں نے آپ سے جو کچھ بتلایا ہے وہ جھوٹ ہے اور بات یہ ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ اللہ کے نبی سے اوپر اللہ موجود ہے اور وہ دیکھ رہا ہے، اگر میں نے جھوٹ بول کر اللہ کے نبی کو راضی کر بھی لیا تو اللہ اپنے نبی کو مجھ سے ناراض کر دیں گے۔ اس لیے اب صبر کرو۔

دوستو! مجھے تو یہ عرض کرنا تھا کہ جب کوئی آدمی حرام سے حکم کی طرف آتا ہے، تو اللہ اس کو آزماتے ہیں۔ کہ تنگی میں یہ جمتا ہے یا نہیں جمتا۔

اس لیے میرے دوستو عزیزو! یوسفؑ تقویٰ اختیار کر کے نکل کر بھاگے، لیکن وہاں سے نکلنے کے بعد جیل ہوگئی۔ لیکن جیل کے اندر بھی دو کام کرتے رہے، کہ جیل میں آنے والوں کو دعوت بھی دیتے رہے اور عبادت بھی کرتے رہے۔ یہ نہیں کہ اب ہمارے حالات دعوت دینے کے نہیں ہیں۔

حالات میں کام نہ کرنا، کام کو چھوڑ کر، اس سے بڑے حالات کو دعوت دینا ہے

کہ ایسے بھی لوگ ہیں کہ جو یہ کہتے مل جائیں گے کہ ابھی ہمارے حالات ذرا ٹھیک نہیں ہیں۔

نہ سال کا چلّہ

نہ مہینے کے تین دن

نہ ہفتے کے دو گشت

کہ کچھ مقدمہ وغیرہ ہو گیا تھا، ہم پر جھوٹا الزام لگا دیا گیا تھا، تو ذرا اس سے نپٹ جائے پھر انشاءاللہ کام کریں گے۔ حضرت مولانا یوسفؒ فرماتے تھے کہ **"جو حالات میں کام نہیں کریں گے، انھوں نے کام کو چھوڑ کر، اس سے بڑے حالات کو دعوت دے دی ہے"**۔ اب آگے ان پر اس سے بڑے حالات آئیں گے، جسے یہ برداشت نہیں کر پائیں گے۔ کیوں کہ جو اپنے موجودہ حال میں دعوت نہیں دے گا، وہ اس سے بڑے حال میں مبتلا ہوگا۔ یوسفؑ جیل میں دعوت دیتے رہے اور اللہ نے اسی دعوت کے ذریعہ سے انھیں جیل سے نکالا۔

اس لیے میرے دوستو بزرگو عزیزو! دیکھو یاد رکھو کہ اللہ رب العزت تقویٰ اختیار کرنے والے کو آزمائیں گے۔ اگر تقویٰ پر جمے رہے تو اللہ ہمیشہ کے لیے برکتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں۔ لیکن ایک ضروری بات جو مجھے عرض کرنی ہے وہ یہ ہے کہ تقویٰ اور صبر یہ دونوں چیزیں یوسفؑ نے برابر اختیار کی ہیں۔ ہماری مشکل یہ ہے ہم صبر کو تو اختیار کرتے ہیں، پر تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ قرآن میں جہاں بھی ملے گا صبر اور تقویٰ ساتھ ملے گا۔

کہیں صبر آگے، کہیں تقویٰ آگے کہ قرآن میں دونوں ساتھ ساتھ ملے گا، پر مسلمان کی مشکل یہ ہے کہ اس زمانے میں صبر کر رہا ہے تقویٰ کے بغیر، آج جتنی ان کی پٹائی ہو رہی ہے، دھماکے ہو رہے ہیں، قتل ہو رہے ہیں۔ سارے مسلمان اس انتظار میں بیٹھے ہیں، کہ اب اللہ کی مدد آنے والی ہے اور اب اللہ کی مدد آنے والی ہے۔

میری بات دھیان سے سنو، دوستو! سب یہ کہہ رہے ہیں کہ صبر کرو، یہ خون بے کار نہیں جائے گا، اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ ایک بات یاد رکھو کہ جب مسلمان اللہ کے حکموں کو توڑ کر صبر کرتا ہے، تو پھر اللہ رب العزت باطل کو ان پر مسلط کرتا ہے اور اگر مسلمان تقویٰ کے ساتھ صبر

کرتا ہے تو اللہ ان کو اہلِ باطل پر غالب کرتے ہیں۔ صحابہ کے اور نبیوں کے واقعات کا یہ خلاصہ ہے۔ اس لیے کہ جو حالت گناہوں کی وجہ سے آتے ہیں وہ صبر کر لینے سے ٹھیک نہیں ہوتے، کہ آج مسلمان صبر تو کر رہا ہے، پر تقویٰ نہیں ہے۔ یہ صبر کرنا اللہ نے قرآن میں فرمادیا۔

﴿اصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ﴾ ”کہ تم صبر کرو یا نہ کرو ہمارے لیے دونوں برابر ہیں، اس لیے کہ تمھیں صبر سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا“

جہنمیوں سے کہا جائے گا: ﴿اصْبِرُوا أَوْ لَا تَصْبِرُوا سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ إِنَّمَا تُجْزَوْنَ﴾ کہ تم صبر کرو یا نہ کرو، کہ تمھیں یہ جو عذاب دیا جارہا ہے اہانت کا، یہ تمہارے گناہوں کا ہے۔

یاد رکھو! یہ جتنے حالات دنیا میں مسلمانوں پر اس وقت ہیں، یہ صرف صبر سے ختم نہیں ہونگے۔ کیوں کہ ان حالات کے آنے کا جو سبب ہے، وہ مسلمانوں کا غیروں کے طریقے پر زندگی گزارنا ہے۔ تم ان طریقوں سے الگ ہو جاؤ، تو پھر تمہارے لیے دو چیزیں ہوں گی۔

پہلی: امن اور

دوسری: ہدایت

یہ قرآن کی بات ہے۔ ہدایت کا مطلب یہ ہے کہ جنت کا راستہ آخرت میں اور امن کا مطلب یہ ہے کہ سکون کی زندگی دنیا میں۔ یہ وعدہ ان سے ہے جو غیروں کے طریقوں سے پوری طرح الگ ہو جائے، یہ جو میں عرض کر رہوں کہ قرآن کی آیت کا مفہوم ہے۔

﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [انعام ۸۲] کہ راستہ وہ پانے والے ہیں اور امن انھیں ملے گا، جن کے ایمان میں غیروں کے طریقوں کی آمیزش نہ ہو۔ اس لیے میرے دوستو بزرگو عزیزو! مسلمان تقویٰ کے بغیر غیروں سے ممتاز نہیں ہوسکتا، کہ مسلمان کی امتیازی شان تقویٰ سے ہے۔

﴿إِنْ تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ [انفال ۲۹] اگر تم میں تقویٰ ہوگا تو تم غیروں سے چھانٹے جاؤ گے اور اگر تقویٰ نہیں ہے تو تم میں اور غیروں میں کوئی فرق نہیں ہوگا۔

اسلام، صرف اسلامی جھنڈے کا نام نہیں

اس لیے میرے دوستو عزیزو! اسلام صرف اسلامی جھنڈے کا نام نہیں ہے یا اسلام اسلامی حکومت کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام تو مکمل طریقہ زندگی کا نام ہے۔ اس طریقے پر چلنے والا مسلمان ہے، اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں۔ تو جب پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں، پھر اسلام کیا ہے؟ جس طرح مکان کی بنیاد ہوتی ہے یا مسجد کی بنیاد، ہوٹل کی بنیاد، کہ زمین کے نیچے ہوتی ہے، پھر اس بنیاد پر مکان کی تعمیر کی جاتی ہے۔ تو جب اسلام کی بنیاد پانچ چیزیں ہیں، پھر اسلام کیا ہے؟ کہ

معاملات،

اخلاق،

معاشرت،

یہ اسلام کی عمارت ہیں

اور سات چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں۔

اللہ پر ایمان رکھنا،

اس کے فرشتوں پر،

اس کی کتابوں پر،

اس کے رسولوں پر،

مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر،

اچھی، بری تقدیر پر،

آخرت کے دن پر،

یہ ایمان کی بنیاد ہے، یعنی عقائد ہیں، کہ عقائد کے بغیر عمارت نہ قائم ہوگی اور عمارت کے بغیر بنیاد کافی نہ ہوگی دونوں باتیں برابر ہیں، کہ اگر کوئی عقائد کے بغیر چاہے عمارت قائم ہو جائے تو عمارت قائم نہ ہوگی۔

اسی طرح پانچ چیزیں اسلام کی بنیاد ہیں۔

کلمہ کا اقرار،

نماز،

روزہ،
حج،
زکوٰۃ،

اور معاملات، اخلاق اور معاشرت، یہ اسلام کی عمارت ہیں۔ صرف بنیاد کافی نہیں ہے ضرورت پوری کرنے کے لیے اور عمارت بنانا کافی نہیں ہے بنیاد ہے بغیر۔ اس لیے کہ وہ عمارت قائم ہی نہیں رہے گی، جس کے نیچے بنیاد ہی نہ ہو، کہ لوگ کہیں کہ ہاں، میاں نماز، روزہ اپنی جگہ مگر معاملات ٹھیک ہونا چاہیے، کہ معاملات، اخلاق اور معاشرت کی عمارت قائم ہی نہیں ہوگی، جب تک بنیاد نہ ہو اور صرف بنیاد بھی کافی نہ ہوگی جب تک اس پر عمارت نہ ہو۔

سنت کے بغیر کوئی ولایت اور کوئی بزرگی نہیں ہے

اس لیے میرے عزیز ودوستو! ایک تو سنتوں کا احترام زیادہ کیا کرو، کہ سنت کے بغیر کوئی ولایت اور کوئی بزرگی نہیں ہے۔ مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے کہ **"میرے کام کا مقصد احیائے سنت ہے"** کہ مسلمانوں کے اندر حضور ﷺ کے طریقے پر اپنی ضروریاتِ زندگی کو حاصل کرنے کا رواج پڑ جائے۔ کیوں کہ اللہ نے اپنی مددیں اور برکتیں حضور ﷺ کی سنتوں کے ساتھ لازم کردی ہے۔ مسلمانوں کی شان ہی سنتوں کے ساتھ ہے، ورنہ بھائی صاف صاف بات یہ ہے کہ مسلمان سنتوں کو ہلکا سمجھ کر اگر چھوڑ دے تو یہ سب سے پہلے معاشرتی ارتداد میں پڑے گا، کہ سب سے پہلے اس کا معاشرت مرتد ہوگا۔

کہ اس نے سنت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑ دیا۔ مسلمان کا اپنا امتیاز سنتوں کے احترام میں ہے۔ ورنہ آپ خود دیکھ لیں کہ کہیں ٹرین ٹکرا جائے یا کہیں زلزلہ آجائے، تو لوگوں میں دیکھنا پڑتا ہے کہ ان میں مسلمان کون ہے؟

حضرتؒ فرماتے تھے کہ وہ ساری علامتیں آج مسلمانوں کے اندر سے ختم ہوگئیں، جس کی وجہ مسلمان کو دور سے دیکھ کر ہی اللہ کی یاد آتی تھی۔ اب تو ختنہ دیکھ کر مسلمان کی پہچان کی جاتی

ہے۔کہاں مسلمان سر سے لے کر پیر تک اسلام کی علامتوں سے بھرا ہوا تھا کہ دور سے پتہ چل جائے۔آپ (ﷺ) کے صحابہ ایسے تھے آپ (ﷺ) کے ساتھ،

مسلمان کے علاوہ کو سلام کرنا جائز نہیں

جیسے کالے رنگ کے بال میں چند بال سفید ہوں کہ وہ سفیدی الگ ہی نظر آئے گی۔آج تو سلام کرنے کے لیے، پہلے نام پوچھنا پڑتا ہے، اس لیے کہ چہرے سے لگتا ہی نہیں ہے کہ کون مسلمان ہے، جس کو سلام کیا جائے۔کیوں کہ مسلمان کے علاوہ کو سلام کرنا جائز نہیں ہے۔اس کو کبھی پتہ ہی نہیں کیا کہ اسلام میں داڑھی کا کیا مقام ہے؟ بس اتنے جانتے ہیں داڑھی سنت ہے، مسلمان ہلکا سمجھتے ہیں داڑھی کو۔بس ہم میں اور صحابہ میں یہی فرق ہے کہ وہ سنت پر عمل کرتے تھے، سنت ہونے کی وجہ سے۔ہم سنت کو چھوڑتے ہیں، سنت ہونے کی وجہ سے۔ہم میں اور صحابہ میں یہ فرق ہے۔

اس لیے محترم دوستو بزرگو عزیزو! اس کام سے ہمیں اپنے اندر یہ تبدیلیاں لانی ہے، کیوں کہ

دعوت تو ہدایت کے لیے ہے

دعوت تو تربیت کے لیے ہے

دعوت تو اپنے آپ کو بدلنے کے لیے ہے

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ رب العزت نے اس محنت میں ماحول اور یقین کو بدلنے کی خاصیت رکھی ہے۔

ایک کشتی چلانے والے کی دعوت پر ہدایت

آپ ﷺ نے ہر فرد کو دعوت والا بنایا تھا کہ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو ایک کشتی چلانے والے کی دعوت پر ہدایت ہوئی ہے۔حضرت عکرمہؓ اسلام سے بھاگے، یہ یمن کی طرف جا رہی کشتی میں سوار ہوئے تو طوفان آ گیا، کشتی پلٹنے لگی۔

حضرت عکرمہؓ نے کشتی والے سے کہا کہ کیا میرے بچنے کا کوئی سامان ہو سکتا ہے؟

کشتی والے نے کہا کہ کاں، بچنے کے ایک راستہ ہے اور وہ یہ کہ تم کلمۂ اخلاص کہہ لو۔
حضرت عکرمہؓ نے پوچھا کہ یہ کلمۂ اخلاص کیا ہے؟
کشتی والے نے کہا! کہ کہو "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"

حضرت عکرمہؓ نے کہا! کہ میں اس سے بچ کر ہی یمن بھاگ رہا ہوں، اگر یہ کلمہ ہی کہنا ہوتا تو یمن کیوں بھاگتا؟ ادھر کشتی والے دعوت دی اور اُدھر کنارے سے ان کی بیوی نے کپڑا اہلا کر انھیں اشارہ کیا۔ پھر یہ واپس آکر حضور ﷺ کی خدمت میں گئے۔

مجھے اس میں عرض یہ کرنا تھا، کہ آپ (ﷺ) نے ہر فرد کو داعی بنایا تھا، سو فیصد صحابہ دعوت والے، تو اس دعوت کی عمومیت نے لوگوں کے اسلام میں آنے کا راستہ کھولا ہوا تھا، اسلام سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

اس لیے میرے دوستو بزرگو عزیزو! یہ ارادے کرو اور نیتیں کرو کہ ہمیں انشاء اللہ اس کام کو مقصد بنا کر کرنا ہے اور ساری امت کو اس پر جمع کرنا ہے۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری ہے، کیوں کہ ہر امتی ساری امت کا ذمہ دار ہے۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ اللہ رب العزت یہ کام انھیں لوگوں سے لیں گے، جو دین کے نقصان کو برداشت نہ کریں۔ ابوبکرؓ مدینے کو خالی کرانا چاہتے تھے، کہ دین کا نقصان نہ ہو، کہ لوگ زکوٰۃ میں رسی دینے سے انکار کریں اور تم مدینے میں رہو۔ کہ چاہے مدینے میں ازواجِ مطہرات کو کوئی دفن کرنے والا نہ ہو، پر تم سب چلے جاؤ اور مجھے یہاں اکیلے چھوڑ دو، مجھے یہاں چاہے ختم کیا جائے اور کوئی مجھے بھی دفن کرنے والا نہ ہو، تب بھی میں مدینے کو دین کے تقاضے پر خالی کروں گا۔ یہ جذبہ تھا دین کے ساتھ صحابہ کا، اب یہ جذبہ ختم ہو گیا، کہ اللہ کے دن کا نقصان ہو اور ہم گھر بیٹھیں۔ کہ سارے مدینے کو خالی کیا کہ نکلو! یاد رکھو! جب تک امت میں نقل و حرکت رہے گی، دین کی حیات باقی رہے گی۔

امت دعوت کے بغیر نجات نہیں پا سکتی

میں نے اس لیے شروع میں ہی عرض کر دیا تھا کہ امت دعوت کے بغیر نجات نہیں پا سکتی، یہ بالکل پکی بات ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس لیے یہ اللہ تعالیٰ خود یہ فرما رہے ہیں۔

﴿وَالْعَصْرِ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خُسْرٍ إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ﴾

ہر فرد کے ذمہ یہ کام ہے، چاہے وہ عمل کرتا ہو یا عمل نہ کرتا ہو۔ یہ بھی سنو! کہ عمل کرنا شرط نہیں ہے دعوت کے لیے۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ دعوت دینے والے کو عمل بھی کرنا چاہیے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جو عمل نہ کرے وہ دعوت نہ دے۔ عمل نہ کرنے والا دعوت زیادہ دے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے "کہ میں جس چیز کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہتا تھا، تو اس کی دعوت دوسروں کو دیتا تھا اور جس برائی کو اپنے اندر سے نکالنا چاہتا تھا، اس سے دوسروں کو روکتا تھا" یہ دونوں کام، خود اپنی ذات کے لیے ہیں، اس لیے عمل شرط نہیں ہے دعوت دینے کے لیے۔ ہاں! دعوت دینے والے کو چاہیے کہ وہ عمل بھی کرے کہ کہیں اس کی دعوت عمل سے خالی نہ ہو جائے۔

اس لیے یہ یاد رکھو! کہ دعوت دینا تو ہر ایک کے ذمہ ہے، وہ عمل کرتا ہو یا عمل نہ کرتا ہو، جب تک دعوت کی نسبت پر نقل وحرکت باقی رہے گی، اس وقت تک دین زندہ رہے گا اور امت پاک ہوتی رہے گی کہ یہ راستہ پاک ہونے کا ہے۔ اس لیے کہ ہجرت پچھلے سارے گناہوں سے پاک کرا دیتا ہے۔

سو قتل کرنے والے قاتل کے لیے زمین کے سارے نظام کا بدلنا

حدیث میں ہے کہ ہجرت پچھلے سارے گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔ ایک آدمی سو قتل کر کے توبہ کے لیے چلا تو اللہ نے زمین کے سارے نظام کو بدل دیا کہ میرا بندہ اصلاح کے لیے چل رہا ہے۔ کہ سو قتل کر کے اصلاح کے لیے چلا تو موت آگئی۔ کوئی عمل نہیں کیا۔

نہ نماز کا

نہ ذکر کا

نہ تلاوت کا

نہ سچائی کا

نہ امانت داری

مگر کوئی عمل نہیں کیا ہے، صرف اصلاح کے لیے قدم اٹھایا ہے کہ بہت گناہ کر لیے ہیں،

اب چلو اللہ کی طرف ۔ کہ اللہ کا اپنے بندے کی طرف دوڑ کر آنے کا مطلب ہی یہی ہے کہ اللہ نے سو قتل کرنے والے قاتل کے لیے زمین کے سارے نظام کو بدل دیا۔

جی ہاں! اس زمین سے کہا کہ تو پھیل جا اور اس زمین سے کہا کہ تو سکڑ جا۔ زمین کی فرشتوں نے نپائی کرائی ورنہ اس کا سفر ابھی شروع ہی ہوا تھا، اس لیے میرے دوستو یاد رکھو! کہ اس راستے کی نقل وحرکت اسلام کو پھیلائے گی اور مسلمان کو مسلمان باقی رکھے گی، غیروں کے اسلام میں آمد کا اور مسلمان کے مسلمان باقی رکھنے کا یہی ایک راستہ ہے۔ جب حضرت اسامہؓ کی جماعت روانہ ہوئی مدینہ منورہ سے تو جہاں جہاں سے حضرت عثمانؓ کی جماعت گزری، وہاں کے مرتدین اسلام میں داخل ہو گئے کہ اگر مدینے سے اسلام ختم ہو گیا ہوتا تو مدینے سے مسلمانوں کی اتنی بڑی جماعت نہ آتی۔

تشکیل

میرے بزرگو دوستو! اب اس کے لیے ارادے فرماؤ اور نیتیں فرماؤ کہ انشاء اللہ ہمیں اپنی ذات سے کرنا ہے اور ساری امت تک یہ محنت اور ذمہ داری پہونچانی ہے۔ اس کے لیے ہمت کر کے چار چار مہینے کے لیے کھڑے ہو، ایک دوسرے کو آمادہ بھی کرو، تیار بھی کرو کہ یہ سارمجمع مطلوب ہیں، یہ جتنے پرانے مجمع کے اندر آئے ہوئے ہیں، یہ سب یہیں سے جماعتیں بنا بنا کر قربانیوں کے ساتھ نکل جائیں۔ اصل قربانیاں مقصود ہیں اور پرانوں کو بلایا ہی اسی لیے جاتا ہے کہ یہ تقاضوں پر قربانیاں دے ڈالیں۔ اس کے لیے افراد بھی لکھائیں اور جماعتیں بھی لکھائیں، اب کھڑے ہو کر اپنے ناموں کا اظہار کرو۔

❖ بیان ❖

''حضرت مولانا سعد صاحب''

۶ دسمبر ۲۰۰۹ء بروز: اتوار صبح ۱۰ بجے

مقام: ایٹ کھیڑا، بھوپال (روانگی کی ہدایت)

میرے محترم بزرگو، عزیزو! اس وقت کی بنیادی بات یہ ہے کہ امّت ایمان اور اسلام کو بغیر محنت اور کوشش کے حاصل کرنا چاہتی ہے پر دنیا کو محنت کے بغیر حاصل کرنا خلافِ عقل اور خلافِ قیاس سمجھتے ہیں۔ ہاں لوگ کہتے بھی ہیں کہ دنیا بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی۔ تو جب دنیا بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوسکتی، تو دین صرف دعاؤں اور اندر کی طلب سے کیسے حاصل ہو جائے گا؟! یہ قاعدہ دنیا کا ہر شخص جانتا ہے، کہ دنیا بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی۔ اس لئے انسان اسی چیز پر محنت کرتا ہے، جس چیز سے اسے اپنے مسائل کے حل ہونے کا یقین ہوتا ہے، جس چیز سے اسے اپنے مسائل کے حل ہونے کا یقین نہیں ہوتا، وہ اس لائن کی محنت ہی نہیں کرتا میرے دوستو! جس لائن کی محنت کی جاتی ہے، اسی لائن کا یقین دل کے اندر پیدا ہوتا ہے اور جس لائن کی محنت چھوٹ جاتی ہے، تو اس لائن کا یقین بھی دل سے نکل جاتا ہے۔

میرے دوستو! یہ دنیا، جو اللہ کی نظر میں
کمینی ہے،
رذیل ہے،
ختم ہونے کے لئے ہے،
جس پر کوئی وعدہ نہیں،

جب یہ محنت کے بغیر نہیں حاصل ہوتی، پھر وہ دین، وہ طریقہ جو اللہ کو محبوب و مطلوب ہے اور ہمیشہ کیلئے کامیابی دلانے والا ہے، اسی پر سارے وعدے ہیں، تو وہ دین بغیر محنت اور بغیر کوشش کے کیسے حاصل ہو جائے گا؟! اللہ رب العزت نے تاکید در تاکید وعدہ کیا ہے، کہ ہم

اپنے راستے میں محنت کرنے والوں کو ہدایت ضرور دیں گے، لیکن جب تک محنت نہیں متعین ہوگی اور راستہ نہیں متعین ہوگا، اس وقت تک ہدایت حاصل نہیں ہوگی۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سب سے پہلے محنت کا رخ قائم کیا گیا ہے، کہ پہلے محنت کا رخ طے کرو، اس کے بعد اس محنت کے نتائج کی۔ محنت تو بعد میں ہوگی، پہلے محنت کا رخ طے کرو، کہ کس لائن کی محنت سے ہدایت آتی ہے، صلاحیت دنیا پر لگتی ہو اور ہدایت دین کی ہو جائے، ایسا ممکن نہیں ہے۔ اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام کی محنت کو قیامت تک کے لئے ہدایت حاصل ہونے کا راستہ متعین کر دیا ہے اس لئے فرمایا ہے کہ۔

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ (یوسف:۱۰۸)

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت میں جو رکاوٹیں اور انکار اور آپکو جو تکلیفیں پہنچائی گئیں ہیں، اس کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے بھی فرمایا گیا ہے کہ۔

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ﴾ (روم:۶۰)

نبی جی! اس راستے کی رکاوٹیں اور لوگوں کو آپکی دعوت کا قبول نہ کرنا۔ یہ کہیں آپکو اپنے راستے سے ہٹا نہ دیں۔

میرے عزیز دوستو، اور بزرگو! حضرت فرماتے تھے کہ شیطان کی سب سے زیادہ طاقت دعوت سے روکنے پر لگتی ہے۔ کہ اگر امت دعوت پر آگئی تو پھر اس امت کو نجات سے کوئی اور طاقت نہیں روک سکتی۔ لہٰذا شیطان سب سے پہلی کوشش دعوت سے روکنے پر کرتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا، کہ جب اذان دی جاتی ہے، تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ بھاگتے ہوئے اس کی اتنی بری حالت ہوتی ہے، کہ ڈر کی وجہ سے ریح خارج کرتے ہوئے پوری قوت لگا کر داعی سے دور بھاگتا ہے۔ پر جیسے ہی داعی دعوت ختم کرتا ہے، اذان ختم ہوتی ہے، ویسے ہی شیطان واپس آجاتا ہے، جب اقامت ختم ہو جاتی ہے، تو شیطان پھر آجاتا ہے۔ پھر

عبادت میں رخنہ ڈالتا ہے، بھولی ہوئی باتیں نماز میں یاد دلاتا ہے، کہ اگر میر ڈالنے والے خیال سے اسکی نماز بگڑ گئی، تو اس کے سارے دین کو بگاڑنے کے لئے پھر مجھے کسی محنت کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ اس کا سارا دین خود بخود بگڑے گا۔ حدیث میں آتا ہے، کہ جو نماز کو بگاڑلے گا، وہ اپنے سارے دین کو بگاڑلے گا، شیطان اس کوشش میں نہیں رہتا کہ ان کے معاملات، معاشرت اور اخلاق بگاڑوں، شیطان کی کوشش یہ ہوتی ہے، کہ اس کی نماز بگاڑدوں، تا کہ یہ دین کے کسی شعبہ میں حکم پر نہ چل سکے، کیوں کہ صحیح روایتوں میں ہے کہ جو نماز کو بگاڑلے گا، وہ سارے دین کو ڈھالے گا۔ سارے اعمال صحیح نکلیں گے اگر نماز صحیح نکل جائے۔

میں عرض کر رہا تھا، میرے عزیزو، دوستو! کہ یہاں شیطان کی سب سے پہلی کوشش دعوت سے روکنے پر ہوتی ہے، کہ اگر امت دعوت پر جمع ہوگئی، تو یقین کی تبدیلی سے، ان کے اعمال ایسے قائم ہوں گے، کہ پھر یہ میرے پھندے میں نہیں پھنس سکیں گے۔ اس لئے میرے دوستو! اس بات کو خوب اچھی طرح جان لو، کہ دعوت الی اللہ، یہ عبادت میں کمال پیدا کرنے کے لئے ہے اور سب سے زیادہ شیطان سے جو مورچہ بندی کا عمل ہے، وہ دعوت الی اللہ کا عمل ہے۔ عبادت میں رخنہ ڈالنے کیلئے شیطان پھر حاضر ہو جاتا ہے، اس لئے دعوت میں تسلسل رکھا ہے، کہ دعوت اور عمل کو یعنی دعوت اور عبادت کو مسلسل جمع رکھو تا کہ تم شیطان کے مکر وفریب سے بہک نہ جاؤ۔

میرے بزرگو، عزیزو! اصل میں دعوت دینے کہ وجہ یہ ہے کہ اس سے اپنے دین پر استقامت اور اپنے دین پر ہدایت اللہ کی طرف سے ملتی ہے، اللہ رب العزت نے دعوت کو ہدایت کے لئے متعین کیا ہے۔

﴿اِنَّکَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ﴾ (زخرف:۴۳)

آپ سیدھے راستے پر ہیں،

آپ سیدھے راستے کی طرف رہبری کرنے والے ہیں۔

میرا رب بھی سیدھے راستے پر ہے۔

جو سیدھے راستے پر چلے گا، وہ رب تک پہنچ جائے گا۔

"اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ" کی علماء نے یہی تفسیر کی ہے، کہ جو سیدھے راستے پر چلے گا، وہ رب کو پالے گا۔

اس لئے مجھے شروع ہی میں یہ عرض کرنا پڑے گا، کہ سارا مجمع اور ساری امّت، دل کی گہرائیوں سے یہ طے کرے، کہ جو محنت نبیوں سے منتقل ہوتے ہوتے امّت تک پہنچی ہے۔ یہی محنت قیامت تک امّت کی ہدایت کا ذریعہ ہے۔ جتنی کام پر بصیرت ہوگی، اتنی ہی استقامت ہوگی۔

اس لئے میرے عزیز دوستو، اور بزرگو! اس محنت کو پہلے اپنی ذات سے کرنے کے لئے طے کرو! کیوں کہ اللہ کی ذات سے تعلق اور اس کے دین کا زندگی میں آنا اسی محنت سے ہوگا۔ اس لئے زندگی کا مقصد بنا کر اس محنت کو اپنے ذات سے کرنا طے کرو۔

یہ پہلی شرط ہے کہ اگر اس محنت سے ہمیں

اپنے تزکیہ کا،

اپنی اصلاح کا،

اپنی تربیت کا،

اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق کا،

دل سے یقین نہیں ہے، تو اعمالِ دعوت کو ہلکا سمجھ کر چھوڑ دیا جائیگا۔

حالانکہ اعمالِ دعوت، اعمالِ نبوت ہے۔ جو ہدایت کیلئے، تربیت کیلئے، تزکیہ کیلئے، اللہ کی طرف سے دیئے گئے ہیں۔ اس لئے حضرتؒ فرماتے تھے، کہ جس چیز کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہتے ہو، اس کو اللہ کے راستے میں نکل کر زیادہ کرو۔ کیوں کہ دعوت خود اپنی ہی ذات کیلئے ہے، داعی کے لئے تو دعوت ہر حال میں مفید ہے۔ اس لئے یاد رکھو! کہ اللہ کے عذاب سے، اس کی پکڑ سے، ڈرانا اور اللہ کی طرف سے ثواب کی اور اسکے انعام کی امید دلانا، ان دونوں کا فائدہ دعوت دینے والے کو ضرور ہوتا ہے۔ اللہ کے عذاب سے ڈرانا اپنے اندر ڈر پیدا کرنے کیلئے ہے۔ دعوت داعی کی خود

اپنی ذات کیلئے ہے اگر ہمارا اس راستے میں پھرنا دوسروں کی اصلاح کیلئے ہے تو ہمیں کام چھوڑ کر بیٹھنا پڑیگا کہ کام چھوڑ کر بیٹھنے والے یوں کہیں گے کہ ہم بات پہنچا چکے ہیں اب ضرورت نہیں ہے ۔کیوں کہ بہت کوشش کی پر یہ لوگ مانتے ہی نہیں ہیں۔

''دعوت'' خود داعی کے لیے ہے

میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! دعوت دینا تو خود اپنی ذات کیلئے ہے۔آپ دیکھتے ہوں گے، کہ جتنے تاجر ہیں چاہے پھیری لگانیوالے ہوں، یا دوکان پر بیٹھنے والے ہوں، یہ سب اپنی چیز کوصرف اپنے نفع کیلئے بیچتے ہیں۔اپنی چیز کی دعوت اپنے نفع کیلئے دیتے ہیں لوگ ان کی دعوت پر انکی چیز کوخریدتے ہیں، جس سے انکو نفع حاصل ہوتا ہے۔کوئی تجارت کرنے والا دوسروں کے لئے تجارت نہیں کرتا۔ ہر تاجر، اپنے نفع کیلئے تجارت کرتا ہے۔

بالکل اسی طرح سمجھ لو کہ یہ دعوت خود اپنی ذات کیلئے ہے، اپنے اندر اتارنے کی غرض سے دوسروں کو دعوت دو، کیوں کہ دعوت کا خاصہ اس کی تاثیر یقین پیدا کرنا ہے۔

میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! سب سے پہلے اس محنت میں کلمہ کہ دعوت ہے ایسی محنت اس کلمے پر کرو، کہ ہمیں اسکا اخلاص حاصل ہو جائے۔اس لئے میرے دوستو، عزیزو، بزرگو! سب سے پہلے اس محنت میں کلمے کی دعوت ہے۔ ایسی محنت اس کلمے پر کرو کہ ہمیں اس کا اخلاص حاصل ہو جائے۔اس کا اخلاص یہ ہے کہ کلمہ ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ'' اپنے کہنے والے کو حرام سے روک دے۔ پوچھا گیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے، کہ یارسولَ اللہ کلمے کا اخلاص کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اس کا اخلاص یہ ہے کہ یہ کلمہ اپنے کہنے والے کو حرام سے روک دے۔اسلئے ہمیں کلمے کی دعوت سے کلمے کا اخلاص حاصل کرنا ہے، اس کیلئے کلمے کی دعوت کا ایک ماحول بنانا پڑے گا، وہ یہ ہے کہ مسجد میں ایمان کے حلقے قائم کرو۔جس میں غیب کے تذکرے ہوں۔اللہ کی قدرت کے تذکرے ہوں اور مسجد کے ساتھی لوگوں سے ملاقاتیں کر کے نقد مسجد میں لیکر آنے کی محنت کرو۔اور ان آنے والوں کو ایمان کے حلقے میں بٹھاؤ، ایک ایک کے پاس جا کر ملاقات کرو

اوراس سے کہو، کہ بھائی مسجد میں ایمان کا حلقہ قائم ہے، آپ بھی تشریف لے چلیں۔

میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! اصل میں ایمان کی باتیں تب سمجھ میں آتی ہیں، جب آدمی اسباب کے کائنات کے اور اللہ کے غیر سے ہونے کے ماحول سے نکل کر باہر آتا ہے۔ یہ کلمہ ''لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ'' کے اخلاص کے حاصل کرنے کا جو پہلا سبب ہے، وہ میں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔ کیوں کہ ہمارا ہدف اور ہمارا نشانہ یہ ہے، کہ سارے عالم کی ساری مسجدوں کو مسجدِ نبوی ﷺ کے معمول پر لانا ہے۔ کیوں کہ مسجد نبوی ﷺ میں صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک چوبیس (۲۴) گھنٹے ایسے روحانی اعمال مسلسل چلتے رہتے تھے۔ کہ جس وقت بھی کوئی مسجد میں داخل ہوتا، اس کو مسجد کے اندر کوئی نہ کوئی مل جایا کرتا تھا۔ صحابیؓ خود فرماتے ہیں، کہ میں اسلام قبول کرنے کیلئے آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہؓ کے درمیان بیٹھے ہوئے اللہ کے وعدے سنا رہے تھے۔

واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں کہ جب میں ہجرت کر کے اسلام میں داخل ہونے کے ارادے سے آیا تو سیدھے آکر نماز میں ہی شریک ہو گیا۔ میں آخری صف میں تھا، جب حضور صلی اللہ علہ وسلم نے سلام پھیر کر ہم کو دیکھا، تو آپ خود میرے پاس تشریف لے آئے۔ دیکھو میری بات کو دھیان سے سنو! اصل میں ہمارا مذاکرہ ہی ان پرانوں سے ہے، جو، اب تک یہ سمجھ رہے ہیں، کہ مسجد کو خالی چھوڑ کر بس ملاقاتیں کرلیں اور دین کی بات بازاروں میں کر کے اپنے کاروبار میں چلے جائیں، یا دین کی بات بازاروں میں کریں اور اپنے دفتروں کو چلے جائیں۔

مسجد کی جماعت کو چاہیئے کی مسجد والا بنکر مسجد سے نکلیں اور ایک ایک کو مسجد والا بنانے کی غرض سے ملاقاتیں کریں، تا کہ مسجد میں اعمالِ دعوت زندہ ہوں اور ملاقاتوں کے ذریعہ ہر ایمان والے کو مسجد میں لایا جائے۔ اس سے ملاقاتیں کر کے یہ کہو کہ مسجد میں ایمان کا یقین کا حلقہ چل رہا ہے، آپ بھی تشریف لے چلیں۔ اگر وہ دس منٹ کیلئے بھی تیار ہو، تو اسے مسجد کے ماحول میں لے آؤ، بازار کے ماحول سے مسجد کا ماحول لاکھوں گنا بہتر ہے، کیوں کہ چند قدم اس کا مسجد کی طرف اٹھا لینا، یہ اللہ کی طرف قدم اٹھانا ہے، اس کا اپنے ماحول میں بیٹھ کر بات سننا،

جہاں اسباب کا اور غفلت کا ماحول ہے، وہاں سے مسجد کے ماحول میں لانا کہ مسجد میں ایمان کا حلقہ قائم کرنے والا اور تعلیم کا حلقہ قائم کرنے والا ہو،

ان حلقوں کو چلانیوالے ساتھی طے کر کے باقی ساتھی ملاقاتوں کے ذریعہ سب کو مسجد میں لیکر آئیں کہ مسجد میں ایمان کا حلقہ چل رہا ہے۔ اور تعلیم کا حلقہ چل رہا ہے، چاہے دس منٹ ہی کیلئے تشریف لے چلیں۔ یہ جو مسجد کی طرف اس کے چند قدم اٹھے تو ان چند قدموں کے اٹھانے پر اللہ رب العزت کی رحمتیں برکتیں اور اور مغفرت اس کی طرف دوڑ کر آ رہی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ جو میری طرف چل کر آتا ہے، میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں، اگر ہم نے ملاقاتوں کے ذریعہ ایمان والوں کو مسجد کی طرف بلایا، تو سمجھ لو کہ اس کیلئے ہدایت کا دروازہ کھل گیا۔ اللہ رب العزت جس کی طرف دوڑ کر آ رہے ہوں اللہ رب العزت اس کو ہدایت کیوں نہ دیں گے؟!!

ایمان والوں کو مسجد میں لا کر مسجد آباد کرنا ہے

دیکھو! میں بہت ضروری بات عرض کر رہا ہو، کہ یہ پہلے نمبر کا پہلا عمل ہے۔ وہ لوگ جو دوسرے صوبوں سے یہاں (بھوپال) آئے ہوئے ہیں۔ وہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ ہماری ملاقاتوں کا مقصد، ایمان والوں کو مسجد میں لا کر مسجد کو آباد کرنا ہے۔ کیوں کہ یہ مسجد کی آبادی کی محنت ہے، اب تو عام طور سے ساتھیوں کا یہ ذہن ہوتا جا رہا ہے، کہ وہ گھروں پر ملاقاتیں کرتے ہیں او رپوری بات گھر کے ماحول میں ہی کر لیتے ہیں۔ مسجد میں لانے کا داعیہ اور مسجد میں لانے کی کوشش کا جذبہ ان میں نہیں ہے۔ ایک گھنٹہ آدھا گھنٹہ لوگوں کو گھروں میں جمع کر کے بات کرتے ہیں، اب تو لوگوں کا بھی یہ ذہن بن گیا ہے کہ ہم سے ہمارے ماحول میں بات کر لو۔

حضرتؒ فرماتے تھے، کہ جو اپنے ماحول سے نکل کر باہر نہیں آیا، وہ ایمان کے اور یقین کے ماحول سے کیسے متاثر ہو جائیگا۔ اس لئے اس کو اسکے ماحول سے باہر نکالو اور ہر ایک سے ملاقات کرو۔ یہ نہیں کہ تم ملاقاتوں میں یہ دیکھو! ہمارے محلہ میں جماعت کے ساتھی کون کون

ہیں، جن سے ملاقاتیں کرنی ہیں۔

کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انسانیت کی طرف ہے اگر یہ کام نبوت کا ہے، تو پھر یہ کام امّت کا ہے، اگر تم نے یہ سوچ کر ملاقات کی، کہ یہ ہماری جماعت کا آدمی ہے، تو اس سے فرقہ بنے گا امت نہیں بنے گی، اس لئے یہ بات یاد رکھو کہ یہ مسجد کی آبادی کی محنت ہے کہ ایمان والوں کے ذریعہ مسجد کو آباد کرو، کہ ہر ایمان والے سے ملاقاتیں کرو۔ کیوں کہ مسجد کو آباد رکھنا ہر مومن کا کام ہے، اللہ نے یہ نہیں فرمایا کی صرف تبلیغی جماعت کے لوگ ہی مسجد کو آباد کریں گے۔

﴿اِنَّمَا یَعۡمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنۡ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ وَلَمۡ یَخۡشَ اِلَّا اللّٰہَ فَعَسٰۤی اُولٰٓئِکَ اَنۡ یَّکُوۡنُوۡا مِنَ الۡمُہۡتَدِیۡنَ﴾ (توبہ:۱۸)

ہر وہ شخص جو اللہ پر ایمان رکھتا ہے، وہ مسجد کو آباد کرنے والا ہے، کہ سو فیصد ایمان والے مسجد کو آباد کرنیوالے ہیں۔ کبھی یہ خیال نہ رہے کہ مسجد کی جماعت، تبلیغی جماعت کو کہتے ہیں۔ نہیں...... بلکہ سو فیصد ایمان والے مسجد کو آباد کرنے والے ہیں۔

اس لئے میرے محترم دوستو، بزرگو! ہر ایمان والا ہمیں مطلوب ہے، کہ ملاقاتیں کر کے اس کو مسجد کے ماحول میں لے آؤ کیوں کہ مسجد کا ماحول

تربیت کیلئے

ہدایت کیلئے اور

دل میں بات اتارنے کے لئے ہے۔

اس لئے ہر ایک سے ملاقاتیں کرو، ہر ایک کو مسجد میں لاکر دعوت دو، محلّہ میں ملاقاتیں کرو، ان سے یہ کہو کہ مسجد میں ایمان کا حلقہ چل رہا ہے، آپ تشریف لے چلیں۔ یہ پہلی صفت کلمہ (لا الٰہ الا اللہ)، کہ اسکے ساتھ مسجد کی آبادی کا جو عمل ہے، وہ ایمان کا حلقہ ہے اور ملاقاتیں اس لئے ہیں تا کہ ملاقاتوں کے ذریعہ انھیں مسجد کے ماحول میں لایا جائے۔ اب مسجد کے ماحول میں لاکر دعوت دو ذہن بناؤ میں نے تفصیل سے کل رات عرض کر دیا تھا کہ ہمیں ایمان کے حلقے

میں ایمان کس طرح سکھلانا ہے؟ کیا باتیں کرنی ہیں؟ ایمان کی علامتیں بتلائیں، جس سے امت کے اندر ایمان کی کمزوری کا احساس پیدا ہو، یہ ہے مسجد کی آبادی کا پہلا کام۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کہ مسجد کے آباد کرنیوالوں کے دلوں سے، میں اپنے غیر کا خوف نکال دوں گا" حدیث میں آتا ہے کہ مسجد کو آباد کرنیوالوں سے اللہ کا عذاب اٹھالیا جاتا ہے۔

مسجد کو آباد کرنے والوں سے پانچ وعدے

حدیث میں آتا ہے کہ مسجد کے آباد کرنے والوں سے اللہ کے پانچ وعدے ہیں۔

۱:- ان پر رحمت نازل کرتے ہیں۔

۲:- اللہ راحت دیتے ہیں۔

۳:- اللہ راضی رہتے ہیں۔

۴:- ان کو پلصراط سے بجلی کی طرح گزار دیں گے۔

۵:- جنت میں داخل فرمایں گے۔

یہ پانچ وعدے اللہ تعالیٰ نے مسجد کو آباد کرنیوالوں سے کئے ہیں۔

اس لئے میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! ان ساری خیروں کو حاصل کرنے کے لئے ہم میں سے ہر ایک یہ طے کرے کہ روزانہ کم سے کم ڈھائی گھنٹہ تو کوئی بات ہی نہیں ہے، ورنہ چار چار اور چھ چھ اور آٹھ گھنٹے مسجد کی آبادی کے لئے فارغ کریں گے۔ دیکھو میں سارے مسائل کا حل آپکو بتلا رہا ہوں، کہ اگر امّت پر آنے والے عذاب کو ٹالنا چاہتے ہو، اس کا یہی راستہ ہے، کہ اللہ رب العزت مسجد کے آباد کروالوں سے اپنے عذاب کو اٹھالیتے ہیں اور اگر یہ مسجد کے آباد کرنے والے اپنی دنیاوی کسی حاجت کو پورا کرنے کیلئے مسجد سے باہر نکلیں، تو فرشتے ان کے دنیاوی کاموں میں مدد کرتے ہیں، پر ہم تو یہ سوچتے ہیں، کہ

اگر ہم مسجد کو وقت دیں گے، تو ہماری دوکان کا کیا ہوگا؟

اگر مسجد کو وقت دیں گے، تو دفتر کا کیا ہوگا؟

اگر مسجد کو وقت دیں گے، تو کارخانے کا کیا ہوگا؟

اور اللہ تعالیٰ یہ فرمارہے ہیں، کہ اگر مسجد کو آباد کرنیوالے دنیاوی کسی کام کیلئے مسجد سے نکلیں گے ،تو فرشتے دنیاوی کاموں میں انکی مدد کریں گے، دنیاوی کاموں میں ان کا ساتھ دیں گے، کتنی بڑی مدد ہوگی کہ دنیاوی کام ہو اور اللہ کے فرشتے ہمارے مددگار ہوں۔بس اس طرح مسجد کے اندر ایمان کا حلقہ ہمیں قائم کرنا ہے، کہ اللہ کی قدرت کو، غیب کے تذکرہ کو خوب کرنا ہے تا کہ ہمارا یقین،

تمام مشاہدات سے،

تجربات سے،

دنیا کی چیزوں سے،

اعمال کی طرف پھرے۔

اس طرح میرے محترم دوستو، بزرگو! یہ مسجد کی آبادی کا پہلا عمل ہے۔جب یہ مسجد سے نکل کر اللہ کی طرف دعوت دیں گے، تو خود دعوت دینے والے کا یقین بھی شکلوں سے اور چیزوں سے اللہ کی طرف پھیرے گا۔کیوں کہ جب تک ہم اسباب کے مقابلے میں نماز کو نہیں پیش کریں گے،اس وقت تک وہ نماز پر نہیں آوے گا۔اس لئے کہ جو دھندہ وہ لئے بیٹھا ہے، وہ اس کے نزدیک نماز سے زیادہ یقینی ہے۔وہ یقینی چیز کو، بغیر یقینی کیلئے کیسے چھوڑ دے گا؟

اعمال سے کام بننے کی دعوت

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ہمارے یہاں مطلق اعمال کی طرف بلانا نہیں ہے، بلکہ عمل کی طرف بلانا اسباب کے مقابلے میں اگر وہ عمل پر آیا گیا تو ہمیں اس کے عمل کا اجر ملے گا اور اگر وہ عمل پر نہ آیا، تو ہمارا اپنے عمل پر یقین آجائیگا۔ہم اعمال کی طرف بلا رہے ہیں، اپنے اندر اعمال سے کامیابی کا یقین پیدا کرنے کے لئے۔

اس لئے میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! نماز کی طرف بلاؤ تمام کائنات کے مقابلے میں، نماز سے کامیابی کے یقین کی روزانہ دعوت دو۔حضرتؒ فرماتے تھے، دو نمازوں کے درمیان

ملاقاتوں کے لئے وقت فارغ کرنا، اگلی نماز میں کمال پیدا کرنے کے لئے ہے، کہ میری نماز میں کمال پیدا ہو۔ اس لئے خوب سمجھ لو! کہ ہمیں ملاقاتوں میں نماز کی طرف دعوت دینی ہے اور اپنی نماز سے کامیابی کے یقین کے بنیاد پر دعوت دینی ہے۔

میرے بزرگو، دوستو! دیکھو، دعوت پر استقامت جب ہوتی ہے، جب اپنی نماز کو یقینی بنانے کیلئے نماز کی طرف بلایا جائے گا، اس میں کوئی شک نہیں کہ دوسرے بے نمازیوں کو نماز پر لانا ہے، لیکن اس کام پر اس محنت پر استقامت جب ہوسکتی ہے، جب یہ نماز کی طرف بلا رہا ہو، اپنی نماز کو یقینی بنانے کے لئے۔ اس لئے اتنا ضرور کرو، کہ جب نماز کہ دعوت دو، تو نماز سے کامیابی کے یقین کی دعوت دو۔ اگر وہ نماز پر آ گیا، تو ہمیں اس کی نماز کا بھی اجر ملے گا۔ اگر وہ نماز پر نہ آیا، تو ہم خود اپنی نماز میں ترقی کریں گے۔ یہ ہے نماز کی طرف دعوت دینے کا مقصد کہ نماز کے یقینی بنانے کے لئے نماز کی طرف بلاؤ۔

دوسرا کام یہ کرو کہ اپنی نمازوں پر خوب مشق کرو۔ اللہ معاف فرمائے کہ نماز میں عجلت کرنے کا عام مزاج ہے، کہ لوگ نماز میں جلدی کرتے ہیں۔

رکوع میں،

سجدے میں،

قومہ میں،

قاعدے میں،

جلدی کرنے کا عام رواج اور عام مزاج ہے۔ ہم نے اچھے اچھے نمازیوں کو پرانے نمازیوں کو دیکھا ہے، کہ جن میں قومہ اور جلسہ کا اہتمام نہیں ہے۔ حالانکہ سخت وعید ہے کہ "اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی نماز کی طرف دیکھتے ہی نہیں، جو رکوع اور سجدہ کے درمیان، یعنی قومہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے"

"لَا یَنظُرُ اللّٰهُ اِلیٰ صَلَاۃِ رَجلٍ لَا یُقِیمُ صُلبَهٗ بَینَ رُکُوعِهٖ وَسُجُودِهٖ"

''کہ اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کی نماز کی طرف دیکھتے ہی نہیں، جو رکوع اور سجدہ کے درمیان، یعنی قومہ میں اپنی کمر کو سیدھا نہ کرے''

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ہمیں اس پر مشق کرنی پڑے گی۔

اگر اسی نماز پر مر گئے تو قیامت میں محمد ﷺ کے دین پر نہیں اٹھائے جاؤ گے

حذیفہؓ نے دمشق کی جامع مسجد میں ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اسکی نماز میں جلدی تھی۔ دیکھ کر فرمایا کہ نماز کب سے پڑھتے ہو؟

اس نے کہا کہ چالیس سال سے نماز پڑھتا ہوں۔

حذیفہؓ نے دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم اسی نماز پر مر گئے اور تم نے اپنی نماز کے اندر اطمینان پیدا نہ کیا، تو تم قیامت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر نہیں اٹھائے جاؤ گے، کیونکہ آپ کا دین ہے،

''کہ نماز اس طرح پڑھو، جس طرح مجھے پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو''

یہ فرمایا حذیفہؓ نے، کس سے فرمایا ہے؟ اس سے جو چالیس سال سے نماز پڑھتا تھا، ظاہر بات ہے کہ جس کی نماز کو ایک صحابی دیکھ رہے ہیں۔ یقیناً وہ کم سے کم تابعی تو ہوگا۔ اسکو دیکھ کر فرمایا۔ اتنی بات تو یقینی ہے کہ وہ تابعی ہوگا اس زمانے کی بات ہے۔ یہ دیکھ کر فرمایا کہ اگر تم اس نماز پر گئے تو تم قیامت میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین پر نہیں اٹھائے جاؤ گے۔

اس لئے میر بزرگو، دوستو، عزیزو! حدیث میں نماز میں عجلت کرنے اور نماز کو بگاڑنے کی وعید دیکھا کرو، ہمیں نہیں اندازہ ہے، کہ ہمارے دنیا میں کتنے مسائل ہیں،

نماز کو بگاڑنے کی وجہ سے بگڑے ہوئے ہیں۔

کتنی بیماریاں ہیں،

نماز کو بگاڑنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔

کیوں کہ جو جسم عبادت کیلئے بنا ہے، اگر اس جسم سے عبادت کو بگاڑا جاوے گا، تو جسم کے اندر بیماریوں کی لائن سے بگاڑ پیدا ہوگا۔ حضرتؒ فرماتے تھے، ہر عضو کی بیماری کا پہلا سبب اس

عضو کا غلط استعمال ہے، کہ آنکھ، زبان، کان، ہاتھ، پیر، دماغ، اور شرمگاہ، وغیرہ کا استعمال، جب اللہ کی مرضی کے خلاف ہوتا ہے، تو انہیں عضو پر بیماریاں بھیجی جاتی ہیں۔

ہاں میرے دوستو! بیماریوں کا تعلق عمل سے ہے، سبب سے نہیں۔ یہ جسم عبادت کیلئے بنا ہے۔ اس جسم کو عبادت سے سنوارو۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ہم اپنی نمازوں پر سب سے پہلے مشق کریں،

لمبے لمبے رکوع کی،

لمبے لمبے سجدوں کی،

اللہ کے راستے میں نکل کر خوب موقع ملے گا، کیونکہ اللہ کے راستے میں اس کا کاروبار، دوکان، بیوی بچے، دفتر اور کارخانہ ساتھ نہیں ہیں۔ ہم ساری دنیا کے مشاغل سے نکل کر اللہ کے راستے میں نکل رہے ہیں۔ اس لئے بہترین موقع ہے اپنی نمازوں پر مشق کرنے کا، جیسی نماز اللہ کے رسول اللہ کی طرف مطلوب ہے۔ کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتا ہوا دیکھ رہے ہو، بس یہ ایک ہی نماز ہے۔

نماز کی تقسیم

لوگوں نے اس زمانے میں نماز کو تقسیم کرلیا ہے۔

یہ مشائخ کی نماز ہے،

یہ علماء کی نماز ہے،

یہ عوم الناس کی نماز ہے،

یہ ایک تاجر دوکاندار کی نماز ہے،

چلو میاں یہ جیسی پڑھ رہا ہے اس کیلئے ٹھیک ہے۔ وہ شیخ، عالم، محدّث، بڑے بزرگ، پیر، صاحب جیسے پڑھ رہے ہیں، انکے اعتبار سے وہ نماز مناسب ہے۔ نہیں خدا کی قسم! اللہ کے نبی ﷺ نے نماز کو تقسیم نہیں کیا، میں کیسے نماز کو تقسیم کردوں۔ میں کیسے عرض کروں...... کیسے سمجھاؤں...... میں نے ایک دن نماز پڑھائی تو اگلے دن ایک صاحب کہنے لگے کہ ہمیں ذرا جلدی ہے اسلئے آج

متقیوں والی نماز نہ پڑھائیں۔ میں نے کہا کہ کیا میں تمھیں فاجروں والی نماز پڑھاؤں؟!! وہ نماز کون سی ہوتی ہے، تم مجھے بتادو۔ اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی بیچارے اس میں مبتلا ہیں، کہ وہ نماز میں جلدی کر تے ہیں، سخت وعید ہے کہ نماز اللہ کے یہاں بددعا کرتی ہوئی جاتی ہے۔ کہ

اے اللہ! تو اس کو اس طرح برباد کر، جس طرح اس نے مجھے ضائع کیا ہے۔

نمازی، نماز کے بعد دعا کرے اور نماز، نمازی کو بددعا کرے، کہ نماز کی بددعا اس کی دعاؤں سے پہلے مقبول ہو جائیگی، جب کہ نماز کے بعد کی دعائیں مقبول ہوتی ہیں۔ کیوں کہ نماز مظلوم ہے اور نمازی ظالم، تو مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ اور ظالم کے اور اللہ کے درمیان دعاؤں میں رکاوٹ ہے، کہ دعا کی قبولیت کے لئے سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ اس نے اللہ کے حق کو بگاڑا ہے۔

دوبارہ نماز پڑھ! تم نے نماز نہیں پڑھی

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! آج سے یہ طے کرلو، کہ انشاء اللہ اپنی نمازوں کو قائم کریں گے، ہاں یہ نہیں کہ کون سی نماز پڑھیں گے۔ نماز تو ایک ہی ہے۔ جب حضور ﷺ اپنے سامنے اپنی مسجد میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے کو دیکھ کر بار بار یہ فرما رہے ہیں کہ، ''دوبارہ نماز پڑھ تم نے نماز نہیں پڑھی''

تو میرے عزیزو! اس زمانے میں کوئی یہ کیسے کہہ سکتا ہے، کہ ہاں تم نے نماز ٹھیک پڑھ لی ہے، جب تک وہ نماز محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق نہ ہو۔ جب آپ ﷺ خود صحابیؓ کو دیکھ رہے ہیں اور بار بار فرما رہے ہیں، ''جا نماز پڑھ، تم نے نماز نہیں پڑھی'' اس حدیث کی وجہ سے حضرت عائشہؓ معاذ بن جبلؓ اور بہت سے صحابہ کا اور بعض ائمہ کا مذہب یہ ہے، کہ جو نماز جلدی جلدی پڑھے گا اسکی نماز ادا نہیں ہوگی۔ اس کو اپنی نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی۔ بعض ائمہ کے نزدیک تو اگر ایک دفعہ بھی جلسہ میں استغفار نہیں کیا تو نماز دوبارہ پڑھنی پڑے گی، نما فاسد ہو جائیگی اور کوئی اس کا اہتمام نہیں ہے، کہ دو سجدوں کے درمیان جلسہ میں بیٹھ

کر استغفار کا اہتمام ہو۔ رکوع سے اٹھنے کے بعد

"رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ ، حَمْداً كَثِيراً طَيِّباً مُّبَارَ كاًفِيهُ"

ان کلمات کے کہنے کا لوگوں کو خبر بھی نہیں ہے، کہ یہ کیا کلمات ہیں۔

میرے دوستو، عزیزو! صرف سال کا ایک چلہ لگ جانا، مہینے کے تین دن لگ جانا، یہ کوئی چیز نہیں ہے، جب تک ہم اس محنت کے ذریعہ نماز کے ایک ایک جزپر اور نماز کے ایک ایک ذکر پر قائم نہ ہو۔ اس وقت تک ہمیں اس محنت سے وہ چیز حاصل نہیں ہوگی، جو اللہ نے اس محنت میں رکھی ہے، اب تو لوگوں کی عام عادت ہے، کہ وہ ان اذکار کو پڑھتے بھی نہیں اور دوسروں کو پڑھنے کیلئے کہتے بھی نہیں ہیں۔ حالانکہ خود ﷺ سے ان اذکار کا نماز میں پڑھنا ثابت ہے۔ ان اذکار کے اہتمام کرنے کی اس لئے ضرورت ہے، کہ نماز کے جس حصہ میں نماز کے جس عمل میں، اس عمل کا ذکر نہیں ہوگا، اس عمل کی دعا نہیں ہوگی، تو وہ عمل قائم نہیں ہوگا۔

جلسہ قائم ہوگا، جلسہ کے ذکر سے،

قومہ قائم ہوگا، قومہ کے ذکر سے،

جس طرح سجدہ، سجدے کے ذکر سے ہورہا ہے، کہ کم سے کم تین بار " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلىٰ " کی کم سے کم تین مرتبہ اللہ کی پاکی کو یقین کرتے ہوئے،

اس کو رب یقین کرتے ہوئے،

اس کو بالا و برتر اور اعلیٰ یقین کرتے ہوئے،

کم سے کم تین مرتبہ سجدے میں " سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلىٰ " کہےاس طرح سجدے کا عمل ہو۔ مجھے یہ عرض کرنا ہے، کہ نماز کے جس ہیئت کا بھی ذکر چھوڑ دیا جائیگا، نماز کا وہ رکن ختم ہو جائے گا۔ اس لئے یاد رکھو! کہ ان اذکار کا اہتمام کرنا نماز کے قائم ہونیکے لئے ضروری ہے۔ لوگ کہتے ہیں، یہ اذکار ضروری نہیں ہیں۔ دیکھو! نماز کا قائم کرنا ضروری ہے، نماز قائم نہیں ہوگی جب تک ارکان کے اندر ان اذکار کا اہتمام نہ کیا جائے گا۔ اس لئے جب صحابی نے پیچھے سے یہ کلمات کہے۔

"رَبَّنَالَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ"

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے سلام پھیر کر پوچھا یہ کلمات کس نے کہے تھے۔ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے کہے تھے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ان کلمات کے اجر کو لکھنے کے لئے تیس (۳۰) فرشتے دوڑے، ہر فرشتہ یہ چاہتا تھا کہ ان کلمات کے اجر کو میں بھی لکھوں اس طرح حضور ﷺ نے جو اذکار نماز سے بتلائے ہیں، نماز کو قائم کرنے کیلئے، وہ اذکار ضروری ہیں۔

میرے دوستو، عزیزو! ان اذکار کے اہتمام سے ہی نماز قائم ہوگی۔پہلی محنت اللہ کے راستے میں نکل کر ہمیں یہ کرنی ہے کہ نماز قائم ہو اگر، نماز قائم ہوگئی تو سارا دین نماز سے قائم ہو جائیگا۔اس لئے پہلی مشق نماز پر یہ کرو، دوسری مشق نماز پر یہ کرو کہ نماز میں اللہ کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھنے کی کوشش کرو۔کہ اللہ کو دیکھتے ہوئے صفت احسان پیدا کرنا مطلوب ہے، کہ اللہ کو دیکھتے ہوئے نماز پڑھنے کی کوشش کرو، اس طرح نماز پڑھو، کہ میں اللہ دیکھ رہا ہوں، اگر اتنا نہیں ہوتا ہے، تو اتنی بات تو یقینی ہے، کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔اس سے نیچے کوئی درجہ نہیں ہے۔یہ نماز پر دوسری مشق کرنی ہے۔

پہلی مشق نماز کا ظاہر درست ہو،

دوسری مشق نماز میں اللہ کے دھیان کی ہو۔اور

تیسری مشق یہ کرو، کہ نماز سے ہی مسائل کو حل کراؤ۔

غبارے بکے، تو مسائل حل

میرے بزرگو، عزیزو! دعوت کی محنت کا مقصد ہی ہے کہ یقین شکلوں سے حکم کی طرف آوے، جب کوئی حاجت پیش آئے سب سے پہلے ہمارا خیال نماز کی طرف جاوے، اسی طرح انشاء اللہ کروگے۔کیوں بھائی۔دیکھو ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تجارت کیلئے بحرین جانا چاہتا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو۔تجارت سے نہیں روکا، فرمایا: پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو، پھر کرو تجارت، لیکن پہلے دو رکعت نماز پڑھ لو، جب تک نماز پر جو وعدے ہیں، ان

وعدوں کا دل سے یقین نہیں ہوگا، کہ یقین کے بغیر کوئی اعمال قائم نہیں ہوگا۔ دیکھو تو سہی ایک غبّارے بیچنے والا بھی یہ یقین رکھتا ہے، کہ اگر میرے غبّارے بکے، بچوں نے خریدے، تو میرے مسائل اس سے حل ہو جائیں گے، اس لئے اپنے غبّاروں کو وہ لئے لئے پھرتا ہے، گلی گلی بچوں میں بیچنے کے لئے معمولی چیز دو روپے کا، پانچ روپے کا، کہ بچے خریدلیں گے۔ وہ ان غبّاروں کو لئے لئے پھر رہا ہے۔ اسے یقین ہے، کہ میری یہ چیز معمولی نہیں ہے، کوئی بچہ ہاتھ لگائے گا، تو غصّہ آئے گا کوئی غبّارا پھوٹ جاوے گا، تو اپنا نقصان سمجھے گا، کیوں کہ اس سے اپنے مسائل کے حل ہونے کا یقین ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ نماز کو بگاڑنے کی وجہ یہ ہے، کہ ساری شکلوں سے مسائل کے حل ہونے کا یقین ہے، پر نماز سے مسائل کے حل ہونے کا کوئی یقین نہیں ہے۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! نماز کو اس یقین پر لاؤ، کہ نماز کے ساتھ جو وعدے اللہ نے لگائے ہیں۔ ان وعدوں کا یقین پیدا کرنے کیلئے تعلیم ہے، کہ خوب سمجھ لو، تعلیم کا کیا مقصد ہے؟۔ تعلیم کا مقصد ہے اعمال میں احتساب پیدا کرنا، کہ اللہ رب العزت مجھے اس عمل پر کیا دینے والے ہیں۔ یہ فضائل ہی اللہ کے وعدے ہیں، کہ تعلیم کا مقصد اعمال کے اندر احتساب پیدا کرنا ہے۔ اللہ رب العزت اس عمل پر کیا دینے والے ہیں۔ ایک ایک عمل کو وعدے کے یقین پر لانے کے لئے تعلیم ہے۔ یہ تعلیم کا مقصد ہے، کہ اعمال اللہ کے وعدوں کے یقین پر آوے۔

تعلیم کرانے کا طریقہ

اب تعلیم کا طریقہ کیا ہے؟

تعلیم کا طریقہ یہ ہے، کہ "فضائل اعمال" "منتخب احادیث" ان دونوں کتابوں سے برابر تعلیم ہوگی اور جس مسجد میں دو وقت تعلیم ہوتی ہو، تو وہاں ایک وقت فضائل اعمال اور ایک وقت منتخب احادیث کی تعلیم ہو۔ دوسرے صوبوں سے آئے ہوئے لوگ بھی اس بات کو نوٹ کرلیں۔ جس مسجد میں مسجد کی جماعت بنی ہوئی ہے اور کم سے کم آٹھ ساتھی مسجد کی جماعت میں ہیں، تو میں شروع

میں ہی عرض کر چکا، کہ مسجد کی جماعت ملاقاتیں کر کے لوگوں کو مسجد میں لائیں۔

اللہ کے راستے میں نکل کر دو وقت تعلیم ہوگی، صبح اور شام۔ایک وقت فضائل اعمال ایک وقت منتخب احادیث، دونوں کتابوں سے اللہ کے راستے میں نکل کر تعلیم کا اہتمام کیا جائے۔ایک کتاب میں سے صبح پڑھ لیا جائے، ایک کتاب میں سے شام کو پڑھ لیا جائے۔ایک ایک حدیث کو پڑھنے والا تین تین بار پڑھیں، یہ تعلیم کا مسنون طریقہ ہے۔

حضور ﷺ جب کوئی بات فرماتے تھے، تو آپ ﷺ اس بات کو تین مرتبہ دہراتے تھے، تاکہ بات اچھی طرح سمجھ میں آجاوے۔اس لئے یاد رکھیں! کہ تعلیم میں ایک ایک حدیث کو تین تین مرتبہ پڑھا جائے اور تعلیم کے دوران مجمع کی طرف دیکھتے رہو، تعلیم میں باوضو بیٹھنے کی کوشش کرو، تعلیم میں ایسے بیٹھو، جیسے نماز میں ''التحیات'' میں بیٹھتے ہو، کیوں کہ جتنا ادب ہوگا، اتنا ہی حدیث کا نور آئے گا۔حدیث کے نور سے ہی عمل کے کرنے کی استعداد پیدا ہوگی۔

تعلیم میں بیٹھنے کا طریقہ

باوضو بیٹھو!

ٹیک نہ لگاؤ!

متوجہ ہو کر بیٹھو!

آپس میں باتیں نہ کرو!

اس طرح، اگر ہم تعلیم کا عمل کریں گے، تو یہ تعلیم کا عمل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کا عمل ہے۔اس سے ہمارے اندر وہی اعمال کی رغبت اور شوق پیدا ہوگا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے سنانے سے آپ ﷺ کے صحابہؓ کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔صرف اتنی بات ہے، کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہیں ہیں۔ورنہ،

وہی حلقہ ہے،

وہی امّت ہے،

وہی حدیثیں ہیں،

وہی اللہ کے وعدے ہیں،

جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کو سنایا کرتے تھے۔ اس طرح ہمیں جم کر تعلیم کے حلقوں میں بیٹھنا ہے۔ صبح شام ڈھائی گھنٹے، تین گھنٹے جم کر تعلیم ہوگی۔ لوگ پوچھتے ہیں تعلیم کتنی دیر ہو؟ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ مقام پر بھی تعلیم کم سے کم ڈیڑھ گھنٹے ہونی چاہئے۔ ہماری مسجد کی تعلیم کا حال یہ ہے، کہ پانچ منٹ دس منٹ تعلیم ہو جاتی ہے۔ دیکھو! میں اس کی آسان شکل و ترتیب بتاتا ہوں، کہ تعلیم کرانے والا تعلیم کرائے، اگر لوگ کچھ دیر کے بعد اٹھ کر جانا چاہیں، تو تعلیم کرنے والا یہ کہہ دے، کہ آپ اگر جانا چاہیں تو جاسکتے ہیں، تعلیم کا عمل تو جاری رہے گا۔ یہ کہہ کر تعلیم شروع کر دے۔ اتنا سب طے کر لو، تو انشاء اللہ کم سے کم ہر مسجد میں آدھا گھنٹہ تعلیم کا عمل یقیناً ہوگا۔ ایک دن ''فضائل اعمال'' ایک دن ''منتخب احادیث''، اگر ایک وقت تعلیم ہوتی ہے۔

اگر دو وقت تعلیم ہوتی ہے، تو ایک وقت ''فضائل اعمال'' اور ایک وقت ''منتخب احادیث'' کی تعلیم ہوگی۔ تعلیم کے ساتھ تعلیمی گشت بھی ہوگا، جس مسجد میں دعوت، تعلیم اور استقبال کا عمل ہے، وہاں ملاقاتیں کر کے مسجد کے ماحول میں لوگوں کو لاؤ۔ تعلیم میں جو جماعت اللہ کے راستے میں نکل رہی ہے، وہ جماعت میں نکل کر بھی تعلیمی گشت کریں۔

حضرت ابو ہریرہؓ جو سارے محدّثین کے امام ہیں، وہ مدینہ کے بازار میں گشت کر رہے تھے، لوگوں کو تعلیم کے حلقے میں جوڑنے کے لئے۔ اس طرح میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ہمیں بھی ملاقاتوں کے ذریعہ لوگوں کو تعلیم کے حلقوں میں لانا ہے۔ بازار میں لوگوں کو ایک ایک کو جا کر دعوت دو کہ مسجد میں اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں سنائی جارہی ہیں، اللہ کے وعدے سنائے جارہے ہیں، اللہ کے نبی کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ یعنی علم سکھلایا جارہا ہے۔ آپ بھی تشریف لے چلیں۔ اس طرح ملاقاتیں کر کے لوگوں کو مسجد کے ماحول میں لے آؤ، چاہے آپ اپنے مقام پر

ہوں یا اللہ کے راستہ میں ہوں۔ ہمیں ہر جگہ تعلیم کا حلقہ قائم کرنا ہے۔اور اسکے لئے تعلیمی گشت کرنا ہے، چاہے اپنے مقام پر ہوں چاہے، اللہ کے راستے میں نکل کر ہو، ہر جگہ تعلیمی گشت کے ذریعہ لوگوں کو ملاقات کرکے مسجد لانا ہے۔ یہ ہے تعلیم کے ساتھ محنت اور یہ ہے تعلیم کا طریقہ۔

اسی طرح میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! میں نے عرض کیا ہے کہ تعلیم کے دوران ایک ایک حدیث کو تین تین بار پڑھو، اگر پڑھنے والا عالم ہے، مولوی ہے، عربی عبارت پڑھ سکتا ہے، تو ضرور ایک دو حدیث عربی عبارت کی پڑھ لیا کرے۔ جس سے براہ راست حضور ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ کانوں میں پڑیں۔ ان کی روحانیت الگ ہی ہے۔ وہ روحانیت مترجم کی زبان میں نہیں آسکتی، جو آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں ہے۔ اس لئے ایسا شخص جو عالم ہو، عربی عبارت پڑھ سکتا ہو، اس کو چاہئے کہ وہ حدیث کی عبارت عربی میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ جو اردو کا ترجمہ ہے اس کو تین مرتبہ پڑھے۔ اس کی کوشش نہ کرو، کہ کتاب ختم ہو جائے، اس کی کوشش کرو، جو بات کہی جارہی ہے حدیث کی وہ لوگوں کے دلوں میں اتر جائے۔ تعلیم کے دوران متوجہ کرتے رہو اور پوچھتے رہو، مجمع سے کہو، بھائی! بات سمجھ میں آرہی ہے؟ دیکھو ! نماز چھوڑنے پر کتنا بڑا عذاب ہے، بھائی آپ کو بات سمجھ میں آرہی ہے، دیکھو نماز پر کتنا بڑا وعدہ ہے، اس طرح تعلیم کے دوران مجمع سے پوچھتے رہو، متوجہ کرتے رہو، اس طرح ہمیں انشاءاللہ تعلیم کے ذریعے اللہ کے وعدوں کا یقین سیکھنا ہے۔

ایک فضائل کا علم ہے اور ایک مسائل کا علم ہے، مسائل کا علم، علماء سے حاصل کرو۔ جہاں جاؤ، وہاں بھی اور اپنے مقام پر رہتے ہوئے بھی علماء کی زیارت کو عبادت یقین کرو۔ ہر ہر قدم پر مسائل علماء سے پوچھو!۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ علماء سے پوچھ کر چلنا، یہ اس کے ایمان کی دلیل ہے، ورنہ جس کے پاس ایمان نہ ہوگا، اس کو علم سے کوئی رغبت نہیں ہوگی۔ جی ہاں! حدیث میں علم اور ایمان کو ساتھ جوڑا گیا ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے، کہ جو علم اور ایمان چاہے گا، اللہ تعالیٰ اسکو دیں گے۔ ایمان کی علامت ہے، علماء سے محبت اور علماء کی صحبت سے علم کا حاصل کرنا۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! علماء سے پوچھ پوچھ کر چلو، حضرت فرماتے تھے کہ علماء کی زیارت کو عبادت یقین کرو۔ اپنے بچوں کو علمِ الٰہی پڑھاؤ۔ آج ساری محنت اور کوشش بچوں کو انگریزی پڑھانے پر ہے۔ دیکھو! اس کا تعلق ایک ضرورت سے ہے۔ ہم اس سے انکار نہیں کرتے، پر یہ ضرورت ہے، مقصد نہیں ہے۔ جو علم، مقصود ہے، وہ علمِ الٰہی ہے۔

سب سے بڑی جہالت، ہر چیز کو علم سمجھ لینا

میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! اس زمانے کی سب سے بڑی جہالت یہ ہے، کہ لوگوں نے ہر چیز کو علم سمجھ لیا ہے۔ کہ لوگوں سے پوچھو کہ کیا پڑھ رہے ہو؟ جی،

سائنس کا علم،

انگریزی کا علم،

ڈاکٹری کا علم،

انجینئرنگ کا علم،

توبہ...... توبہ...... کتنی بڑی جہالت ہے۔ ہر چیز کو علم قرار دینا، کتنی بڑی جہالت ہے۔ آج ساری دنیا کے پڑھے لکھے مسلمان بھی اس فتنے میں مبتلا ہو گئے ہیں، کہ انھوں نے ہر چیز کو علم قرار دے دیا۔ نہیں میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! آج دل کی گہرائیوں سے اس بات کو نکال دو، کہ ہر چیز علم ہے۔ ''علم'' صرف وہ ہے، جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر اللہ ہم سے چاہتے ہیں، ورنہ اب یہ ذہن بن گیا ہے، کہ ہر چیز سیکھنا علم ہے، بالکل یہ بات نہیں ہے۔ علم صرف وہ ہے، جو ہم سے ہمارا رب، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر چاہتا ہے۔

میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! اصل میں خالق کی تحقیق کرنا ''علم'' ہے اور مخلوق کی تحقیق کرنا ''فن'' ہے۔ قبر میں جاتے ہی جب سوال ہوگا ''مَنْ رَبُّكَ'' تو جو رب سے ملنے کا یقین لے گیا ہے، وہ کہے گا ''رَبِّيَ اللّٰهُ'' کہ میرا رب اللہ ہے، یہاں سے کامیابی کے دروازے کھل جائیں گے۔ اسلئے خوب سمجھ لو! کہ ہر چیز کو علم قرار دینا، زمانے کی سب سے بڑی جہالت ہے۔

علم صرف وہ جو ہم سے ہمارا رب چاہتا ہے۔ انتہائی نادان اور انتہائی ناسمجھ ہیں وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں، کہ دنیا میں ہر سیکھے جانی والی چیز، علم ہے اور اس سے بڑی حماقت یہ کرتے ہیں، کہ وہ حدیث، جو علم سے متعلق ہے، ان حدیثوں کو یہ لوگ ایمان والوں کے اندر دنیا کی اہمیت اور دنیا کی رغبت پیدا کرانے کیلئے دنیاوی فنون کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ میری بات بہت دھیان سے سننی پڑے گی، کہ وہ حدیثیں، جن میں علم الٰہی کے سیکھنے کا حکم دیا گیا ہے، ان حدیثوں کو دنیاوی فنون کو سیکھنے کیلئے استعمال کرتے ہیں، یہ شیطان کا سب سے بڑا دھوکا ہے۔ یہ اس وقت کھلے گا جب قبر میں جا کر سوال ہوگا، سارے فنون ایک طرف ہوں گے، وہاں علم کے بارے میں سوال ہوگا کہ بتاؤ کس سے پلنے کا یقین لائے ہو۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! آج کی مجلس میں یہ فیصلہ کرلو کہ علم کسے کہتے ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے یہاں سے جو شریعت کا علم لے کر آئے ہیں۔ صرف اسے ہی علم کہتے ہیں، اس شریعت کے علم پر عمل کرنا، اس کو حاصل کرنا، یہی علم ہے۔ قرآن، حدیث، کے سوا جو کچھ ہے، وہ سب دنیا کے فنون ہیں۔ یاد رکھو! اب رہی بات یہ کہ جس کا تعلق ضرورت سے ہے، ہم اس سے نہیں روکتے، سیکھو لیکن اس کو علم سمجھنا اور اس پر صلاحیتیں کھپانا اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس پر اجر کی امید کرنا یہ دھوکہ ہے۔ میر بزرگو، عزیزو، دوستو! اگر ذرا سا عقل کا استعمال کرو، تو یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے، کہ علم کسے کہتے ہیں۔ "علم" کہتے ہیں محمد ﷺ اللہ کی طرف سے جو کامیابی کا طریقہ لیکر آئے ہیں۔ اس طریقے کی تحقیق کرنا، اس کو علم کہتے ہیں اس لئے سارا علم قبر کے تین سوالات میں محدود ہیں۔

رب کو جاننا۔ یعنی ایمان۔

نبی کے طریقے کو جاننا۔ یعنی شریعت کو جاننا۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا۔ یعنی سنتوں کو جاننا۔

ان تین چیزوں کی تحقیق کرنا، ہی علم ہے، اس کے علاوہ جو ہے وہ جہل ہے، اس لیے یہ سارے علم کا خلاصہ، قبر کے تین سوال ہیں۔ قبر میں یہ کوئی سوال نہیں ہوگا، کہ

آپ نے ڈاکٹری کتنی پڑھی ہے؟

سائنس کہاں تک پڑھا ہے؟

انجینئرنگ میں کیا پاس کیا ہے؟

قبر میں ان کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوگا۔

میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! حضرت عمرؓ ایک دن تورات کی کچھ باتیں سیکھ کر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں توریت سیکھ کر آیا ہوں، تا کہ میرے علم میں اور اضافہ ہو، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرؓ پر اتنا غصہ آیا، کہ آپ ﷺ منبر پر بیٹھ گئے اور سارے صحابہؓ جمع ہو گئے، انصار آپ ﷺ کے غصے کو دیکھ کر تلوار لے کر آ گئے کہ کس نے اللہ کے نبی کو ستایا ہے؟ سارا غصہ تھا حضرت عمرؓ پر، کہ عمرؓ نے توریت کیوں پڑھی ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ عمر! اگر موسیٰ آج زندہ ہو کر آ جاویں تو انکے لئے بھی نجات کا کوئی راستہ نہیں ہے سوائے میرے طریقے کے اور اگر تم نے موسیٰ کے طریقے پر عمل کیا، تو تم گمراہ ہو جاؤ گے، ہدایت نہیں پاؤ گے۔

کیوں کہ آپ ﷺ کی آمد نے سارے نبیوں کی آمد کا دروازہ بند کر دیا، اور آپ ﷺ کی شریعت نے ساری شریعتوں کو ایسا منسوخ کر دیا، جس طرح ہر زمانے میں بچہ بڑا ہوتا رہتا ہے اور اس کے پچھلے کپڑے بیکار اور ناکارہ ہوتے رہتے ہیں۔ اگر وہ ان کپڑوں کو استعمال کرے گا تو،

تنگی میں پڑے گا،

کپڑے پھٹیں گے،

جسم پر صحیح نہ آئیں گے،

یہاں تک کہ انسان اپنے قد و قامت سے ایک ایسی عمر میں پہنچ جاتا ہے، کہ اب مرنے تک اس کیلئے یہ لباس متعین ہو جاتا ہے اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نے پچھلی ساری شریعتوں کو سارے طریقوں کو ایسا منسوخ کر دیا۔ جیسے بڑے ہونے والے نوجوان کے پچھلے سارے بچپن کے کپڑے بیکار ہو جاتے ہیں اس بات کو آپ سامنے رکھ کر سوچیں اور اندازہ کریں کہ جو چیز علم تھی اور

موسیٰ کی نبوت پر نازل کی گئی اسکو عمرؓ جیسے عالم نے سیکھا، جو سارے علوم کے ماہر اور اتنا ہی نہیں بلکہ اس امت کے مرحم جسکو اللہ کی طرف سے صحیح بات حضرت عمرؓ کو الہام کی جاتی تھی غور کرو اس پر کہ جو اس امت کا مرحم تھا، جسکو اللہ کی طرف سے صحیح بات الہام کی جاتی تھی، وہ عمرؓ جن کے بارے میں آپ ﷺ نے فرمایا: اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتے تھے، تو عمر ہو سکتے تھے۔ اس درجہ کا آدمی، کہ سارا قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کے بعد، انھوں نے موسیٰ پر نازل ہونے والا علم حاصل کیا، اس پر اللہ کے نبی کو اتنا غصہ آیا، تو جو چیز سرے سے علم ہی نہیں ہے۔ اسکو سیکھنا اور اللہ کے علم سے جاہل رہنا۔ اس پر اللہ کے نبی ﷺ کو قیامت میں کتنا غصہ آئے گا۔ اس بات کو ذرا سا تنہائی میں بیٹھ کر غور کرنا! سر پکڑ کر سوچنا! کہ جب عمرؓ جیسے عالم کو توریت پڑھنے پر جو علم تھا، اس پر اللہ کے نبی کو کتنا غصہ آیا تو ہم علمِ دین سے جاہل رہ کر دنیاوی فنون کے سیکھیں اور اس کو علم سمجھیں، ایسے لوگوں پر قیامت میں اللہ کے نبی کو کتنا غصہ آئے گا؟

اسلئے آپ حضرات سے میری یہ درخواست ہے، کہ اپنے بچوں کو آپ بیشک دنیاوی کسی لائن کا فن سکھلاتے ہیں۔ لیکن اپنے بچوں کو قرآن اور دین کے بنیادی احکامات سکھلانے کا پورا پورا اہتمام کریں۔ ورنہ خدا کی قسم! قیامت میں کوئی شخص جاہل ہونے کہ وجہ سے بخشا نہیں جائے گا، کہ اے اللہ! مجھے خبر نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، کہ ہم نے تمہیں عمر دی تھی سیکھنے کیلئے اور نبی بھیجے تھے، سکھلانے کیلئے، تو اس کا کوئی عذر اللہ کے یہاں قبول نہیں ہوگا۔ تمہارے پاس بتلانے والے بھی آئے اور تمہیں ہم نے عمر بھی دی سیکھنے کیلئے۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! کوئی مسجد ایسی باقی نہیں چھوڑنی ہے، جس میں صبح یا شام کسی بھی وقت قرآن کے مکتب میں محلے کے بچوں کو قرآن سکھلانے کا اہتمام نہ کیا جا رہا ہو، ہر مسجد میں قرآن کی تعلیم کا اور دین کی بنیادی چیزوں کے سکھلانے کا اہتمام، ہر محلے والوں کا کام ہے۔ یہ ہر مسجد کے مصلّی کی ذمہ داری ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سردی آگئی ہے ہماری مسجد میں گرم پانی کا انتظام ہونا چاہئے گرمی آگئی ہے پنکھے کا انتظام ہونا چاہئے اور صفوں کا انتظام ہونا چاہئے۔ جب مسجد اس کی

اپنی جسمانی ضرورتوں کے سامان سے بھر رہی ہے، تو کیا جو مسجد کے تقاضے ہیں، جو مسجد عبادت کیلئے بنی ہے، کیا اس کی ذمہ داری نہیں ہے، کہ یہ اپنی ذمہ داری پر اپنے خرچ پر مسجد کے اندر مکتب کا انتظام کر لیں؟ یہ سارا مجمع نیت کر کے جاوے کہ اپنی مسجد میں مکتب کا اہتمام کریں گے اور اپنے بچوں کو اگر یہ صبح دنیاوی کوئی فن حاصل کرنے کیلئے جاتے ہیں تو اول تو اس سے استغفار بھی کیا کرو، کہ

اے اللہ! تو نے ہمیں کس لئے پیدا کیا تھا اور ہم انھیں کیا پڑھا رہے ہیں۔

اے اللہ! تو ہمیں معاف کر دے، کہ ہم نے اس علم سے ہٹ کر، ان چیزوں کو پڑھایا، جس کے لئے تو نے ہمیں پیدا نہیں کیا تھا۔

ہائے......! اللہ نے تو ہمیں اپنی عبادت کیلئے پیدا کیا تھا نا، تم بتاؤ تو سہی! جب اللہ نے عبادت کیلئے پیدا کیا تھا، تو ہم نے اس عبادت کیلئے اپنے جسم کو کتنا استعمال کیا؟! بس میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ایک بات یاد رکھو، کہ دنیاوی قانون پر فخر کرنا کفر کا مزاج ہے، اگر مسلمان فخر کرے تو،

قرآن پر کرے،

حدیث پر کرے،

فقہ پر کرے،

یہ ڈاکٹر کے مقابلے میں فخر کرے گا، کہ میرے پاس اللہ کا علم ہے، اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو یہ دنیاوی فنون حاصل کرے گا اور فخر کرے گا علماء پر، کہ میرے پاس فنون ہے۔ بس یاد رکھو! کہ دنیا کا فن حاصل کر کے فخر کرنا، کفر کا مزاج ہے۔ انبیاء علیہم السلام جب اللہ کا علم لیکر آئے، تو قوموں نے اپنے فن کے مقابلے میں نبیوں کے علم کا مذاق اڑایا، تو اللہ نے نبیوں کے علم کا مذاق اڑانے کی وجہ سے سب کو ہلاک کر دیا۔ بس آج سے ہم سب یہ طے کر لیں کہ علم صرف وہی ہے، جو ہمارا رب چاہتا ہے۔

اپنے بچوں کو قرآن پڑھائیں دینی مدرسوں میں داخلہ کرائیں۔ میں کیسے سمجھاؤں، کہ آج مسلمان کو اللہ والے علم سے پلنے کا یقین نہیں ہے، اللہ جو سب کا رب ہے، جسکی ذات سے علم نکلتا

ہے،اس سے پلنے کا یقین نہیں ہے۔آج غیروں کے فنون سے پلنے کا یقین ہے۔ حدیث میں آتا ہے" کہ جو قرآن کو پڑھ کر غنی نہ ہو،وہ ہم میں سے نہیں ہے" کہ قرآن تو یقیناً غنی کردے گا۔

میرے دوستو، بزرگو،عزیزو!علم دو قسم کا ہے۔

فضائل کا،اور

مسائل کا،

فضائل کا علم،تعلیم کے حلقوں میں بیٹھ بیٹھ کر حاصل کیا جائے گا اور مسائل کا علم،علماء سے پوچھو،قدم قدم پر پوچھ کر چلو، کہ

میں شادی کیسے کروں؟

میں تجارت کیسے کروں؟

میں فلاں ملازمت کرتا ہوں،حلال ہے یا حرام ہے؟

جائز ہے، یا ناجائز؟

حرام غذاؤں کا اثر

اگر ایسا نہ کروگے،تو اتنے راستے غیروں نے حرام کے کھول دیئے ہیں، کہ وہ کسی بھی طرف سے مسلمانوں کو حلال کھانے کی فرصت نہیں دینا چاہتے ہیں۔وہ یہ جانتے ہیں کہ ان کی غذاؤں کو حرام کردو ورنہ انکی بددعا ہمیں ہلاک کردے گی۔ہاں اگر انکی غذائیں حرام ہونگی،تو انکی بددعائیں ہمارا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتیں۔اگر غذائیں اور کمائی حرام رہیں،تو خود انکو اپنی دعا سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا،تو ہمارا کیا نقصان کرسکتے ہیں۔اس لئے کہ تب انکو اپنی دعاؤں سے اور بددعاؤں سے کوئی امید باقی نہیں رہے گی، کیوں کہ حرام کھانیوالے کی دعائیں اللہ کی طرف سے مردود کی جاتی ہیں۔

اس لئے میرے بزرگو،دوستو،عزیزو!علماء سے محبت کیا کرو اور علماء کی زیارت کو عبادت یقین کیا کرو اور قدم قدم پر ان سے پوچھنا یہ فرض ہے،ہر مؤمن کے ذمہ ہے، کہ وہ علماء سے پوچھ پوچھ کر چلیں، کہ علماء سے ہر چیز پوچھنا ضروری سمجھو،اسکی کوشش کرو۔

مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، ''اللہ کے دھیان کے بغیر، ذکر کرنا بدعت ہے''۔ بعض علماء کے نزدیک اللہ کے دھیان کے بغیر ذکر کرنا حرام ہے، اللہ کے دھیان کے بغیر ذکر کرنا بدن میں سستی پیدا کرتا ہے اور اللہ کے دھیان کے بغیر ذکر کرنا، اللہ کی توہین ہے۔ اب تو ادھر ساتھی ہاتھ میں تسبیح لیکر بیٹھتا ہے، تو اسے نیند آنے لگتی ہے۔ حالانکہ ذکر، اندر کی غفلت کو توڑنے کیلئے ہے۔ لیکن دیکھنے میں یہ آرہا ہے، کہ غفلت کے ساتھ اللہ کا ذکر کر رہا ہے۔ اسلئے حضرت عیسیٰؑ فرماتے تھے، کہ جب ذکر کرو، تو زبان کو دل کے تابع کرو کیوں کہ اللہ کے ذکر سے، اللہ کا دھیان پیدا کرنا مقصود ہے۔

میرے دوستو! زبان کی حرکت یا تسبیح کے دانوں کا شمار، اصل نہیں ہے۔ بلکہ اصل ذکر، اللہ کا دھیان ہے، زبان تو دل کی ترجمان ہے۔ دیکھو! اگر کوئی آدمی ڈاکٹر کے پاس گیا، تو زبان سے اپنے حال بیان کرتا ہے، یہ زبان ہی ترجمان ہے، کہ آپکے اندر کیا ہے؟ آپ ڈاکٹر سے اپنے اندر کی بات کو زبان سے کہتے ہیں۔ اس لئے دوستو، عزیزو! اللہ کے دھیان کے ساتھ ذکر کرنے کی مشق کیا کرو۔ ذکر کیلئے وضو کرو، لوگ تو آپ سے یہ کہیں گے، کہ بغیر وضو کے بھی ذکر ہو جاتا ہے۔ نہیں میرے دوستو! میں جو کہہ رہا ہوں، اسے دھیان سے سنو، کہ میں آپ سے ساری کی ساری حضرتؒ کی باتیں نقل کر رہا ہوں، حضرت فرماتے تھے، ذکر کیلئے وضو کرو اور تنہائی کا کونہ تلاش کرو، اللہ کا ذکر تنہائی میں کرو، کہ اللہ کا ذکر اللہ کے غیر سے کٹ کر ہوتا ہے، کہ اللہ کے غیر سے کٹ کر اللہ کے ہو کر اللہ کو یاد کرو، تو تبتّل اسی کو کہتے ہیں۔ اسلئے تنہائی کا کونہ تلاش کرو، ایک تسبیح تیسرے کلمے کی، ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح استغفار کی، اہتمام کے ساتھ ان تین تسبیحات کا صبح شام اللہ کے دھیان کے ساتھ کرو۔

اللہ کا قرب پانے کا تیز رفتار راستہ

ایک بات یہ ہے، کہ اللہ توفیق دے، تو صبح صادق سے پہلے قرآن دیکھ کر پڑھ لیا کرو، چاہے تین آیتیں ہی کیوں نہ پڑھو۔ مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، کہ میں نے سارے بزرگوں کو اوراد و وظائف کرتے دیکھا، مگر جتنا تیز رفتاری سے اللہ کا قرب صبح صادق سے پہلے

قرآن دیکھ کر پڑھنے کا محسوس کیا، اتنا کسی وظیفہ میں اور کسی وِرد میں اور کسی عمل میں نہیں کیا۔اب تو لوگوں کی یہ عادت ہے، کہ وہ چاہتے ہیں لمبے لمبے ذکر کریں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختصر اور معتدل اذکار اپنی امت کو فرمائے ہیں۔ دیکھو بھائی! سنت میں جو اعتدال ہے، وہ سنت کی وجہ سے ہے، بعض ہمارے ساتھی جماعتوں میں نکلتے ہیں، وہ بیمار ہو کر آتے ہیں، ہوتا یہ ہے، کہ کوئی ہفتوں سوتا نہیں ہے اور پاگل پنے کی باتیں کرتا ہے، دماغ میں خشکی ہو گئی، کہ اللہ کے راستے سے بڑے بڑے بیمار ہو کر آتے ہیں۔لوگ پوچھتے ہیں، کیا پڑھا؟ تو پتہ یہ چلتا ہے، کہ جماعتوں میں نکل کر کسی کتاب میں کسی بزرگ کا وظیفہ پڑھ لیا، یا کسی سے کسی بزرگ کا وظیفہ سن لیا اور خود سے پڑھنے لگے۔ میرے دوستو! یہ حیرت کہ بات ہے، کہ سنت کے عمل میں اس کو وہ بزرگی نظر نہیں آتی، جو ایک بزرگ کی نقل اتارنے میں آتی ہے۔کوئی کہتا ہے، میں نے اتنا کلمہ پڑھ لیا اور کوئی کہتا ہے، کہ میں نے اتنا کلمہ پڑھ لیا ہے، کوئی کہے گا، فلاں وظیفہ میں نے اتنا پڑھ لیا، عام عادت ہے ہمارے ساتھیوں کی، کہ وہ یہ سمجھتے ہیں، کہ اذکار مسنونہ عام چیز ہے۔ حالانکہ جو چیز، جو ذکر، جو ورد، جو عمل، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اس کے علاوہ کچھ اور تم ساری زندگی بھی اگر ذکر کرتے رہو، تو نہ وہ انوارات اور نہ وہ اجر حاصل کر سکتے ہو، جو اجر اور جو انوارات سنت کی اقتداء میں حاصل ہو گا۔ایک مرتبہ کچھ صحابہؓ نے آپس میں بات کی، کہ اللہ کے نبی کے تو اگلے پچھلے سارے گناہ معاف ہو چکے ہیں اور اللہ کے آپ ﷺ پسندیدہ ہیں۔اللہ آپ ﷺ کو تو یوں ہی نواز دیں گے۔ پر ہم تو کفر سے اسلام میں آئے ہیں، ہمارے لئے تو یہ اعمال بہت ہی تھوڑے ہیں، چنانچہ سب نے بیٹھ کر یہ طے کیا،

ایک نے کہا، میں تو ہمیشہ روزہ رکھوں گا، افطار نہیں کروں گا۔

ایک نے کہا، میں تو رات کو جاگوں گا، کبھی نہیں سوؤں گا۔

ایک نے یہ طے کیا، کہ میں شادی نہیں کروں گا۔

تا کہ عبادت کے لئے فارغ رہوں، نہ بیوی ہو، نہ بچے ہوں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو

جب ان کے اس ارادے کا علم ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بات پر شدید غصہ آیا۔ آپ ﷺ نے سب کو جمع کیا اور انھیں خاص طور پر بلایا، جن صحابہ نے یہ فیصلہ کیا تھا، کہ میں روزہ رکھوں گا مسلسل اور میں جاگوں گا مسلسل اور میں شادی نہیں کروں گا، انکو جمع کیا اور جمع کرکے فرمایا: ''مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ'' ''جو میرے طریقہ سے پھرے گا، وہ میری جماعت میں نہیں ہے'' لوگ اس حدیث کو پڑھتے ہیں اور اکثر کو یہ معلوم نہیں ہے کہ ''مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ'' یہ بات آپ ﷺ نے کب فرمائی تھی؟ یہ بات آپ ﷺ نے اس وقت فرمائی تھی، جب آپ ﷺ نے صحابہ کو اعتدال سے اور سنت طریقے سے ہٹتا ہوا پایا تھا، کیوں کہ انھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات کو کم سمجھا اور آپ ﷺ سے بڑھ کر عمل کرنے کا ارادہ کیا۔ میری بات سمجھ میں آرہی ہے آپ لوگوں کو! کیوں بھائی! اس لئے میں عرض کررہا ہوں، کہ سب کے سب مسنون دعاؤں کا اہتمام کیا کرو! مسنون دعاؤں کی کتاب لے لو! سب مسنون دعائیں ہی پڑھا کرو! انھیں یاد کیا کرو اور انھیں کو مانگا کرو۔

حضرتؒ فرماتے تھے، کہ مسنون دعاؤں میں قبولیت کے راستے دیکھے ہوئے ہیں۔ بس مجھے مختصر عرض کرنا ہے، کہ آپ حضرات ان اذکار کا اہتمام کرو، جو اذکار، حضو صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں، اس میں اعتدال۔ ایک مرتبہ حضرت زبیرؓ یہ بہت ساری گٹھلیاں جمع کیئے ہوئے بیٹھی پڑھ رہی تھیں، آپ ﷺ گھر میں داخل ہوئے، تو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ گٹھلیاں پڑھ رہی ہیں اور گٹھلیوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے پوچھا کی یہ کیا کر رہی ہو؟ کہا اللہ کا ذکر کر رہی ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں نے یہاں تیرے پاس آکر کھڑے ہوتے ہی زبان سے ایسے کلمات کہے ہیں کہ اگر ان کلمات کا وزن کیا جائے تو یہ ساری گٹھلیا زبان سے جنھیں تم پڑھے جارہی ہو، اُس کے مقابلے میں جو میں نے پڑھا، کوئی وزن نہیں ہے۔ جی ہاں! اذکارِ مسنونہ، اپنے اندر اللہ کے سارے وعدے لئے ہوئے ہے۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ذرا اپنے آپ پر رحم کرو، کہ نبوت کی اقتداء، اعتدال کا راستہ

ہے، یہ نہیں کہ میں بھی وہ کر رہا ہوں، جو فلاں بزرگ نے کیا، میں بھی وہ پڑھ رہا ہوں، جو فلاں بزرگ نے پڑھا۔ میرے دوستو! ذکر میں بھی اللہ کے نبی ﷺ کی اقتداء کرو، ایک مجلس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سو (۱۰۰) مرتبہ استغفار کیا، پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا: کہ تم لوگ بھی استغفار کرو، کہ اذکار مسنونہ کے اندر اعتدال ہے۔ ہمارے ساتھی اس کا اہتمام نہیں کرتے اور یہ چاہتے ہیں، کہ مجھے کوئی وظیفہ مل جائے۔ ہاں مختصر سا وظیفہ، سنّت کا وظیفہ ہے۔ اس طرح ہمیں اللہ کے راستے میں نکل کر ذکر کا اہتمام کرنا ہے، باوضو ہو کر، اللہ کے دھیان کے ساتھ، اللہ کا ذکر کرنا ہے۔

میرے بزرگو، دوستو ں، عزیزو! اگر دعاؤں کے ذریعے اللہ کی ذات کے ساتھ تعلق پیدا ہو گیا، تو یقینی بات ہے، کہ اللہ ہمارے اور بندوں کے درمیان کے حالات کو ٹھیک کر دیں گے۔ جو اپنے اور اللہ کے درمیان کے معاملات کو ٹھیک کر لے گا، تو اللہ اسکے اور بندے کے درمیان کے معاملات کو ٹھیک کر دے گا۔ اللہ سے معاملات ٹھیک کرنا یہ ہے، کہ دعاؤں کے راستے سے اپنے مسائل کو اللہ سے حل کرایا جا رہا ہو۔ اس لئے کہ جو شخص اللہ سے اپنے مسائل کا حل نہ کرا پائے گا، وہ بندوں کے حق مارے گا، ان کے حقوق دبائے گا۔ اسلئے کہ بندوں کے حقوق وہ مارتا ہے، جو اللہ کے حقوق مار رہا ہو اور دعا اللہ کا حق ہے۔ جس کو اللہ کے حق کی پرواہ نہیں ہے وہ بندوں کے حقوق کی پرواہ کیا کرے گا، اسکے لئے اکرام مسلم ہے، کہ اللہ کے راستے میں نکل کر ہمیں اکرام کی مشق کرنی ہے۔ اپنے اندر اکرام کی صفت پیدا کرنے کے لئے اکرام کی مشق خدمت سے ہوتی ہے، کہ اللہ کے راستے میں نکل کر خدمت کرنا، اپنی تربیت کیلئے ہے۔ خدمت کا ہر ایک محتاج ہوگا، جس طرح تربیت کا ہر ایک محتاج ہے، اللہ کے راستے میں نکل کر خدمت میں اپنے آپکو خود پیش کرو، کہ

لاؤ کھانا میں بناؤں گا،

لاؤ لکڑی میں جلاؤں گا۔

جنگل سے لکڑیاں چن کر میں لاؤں گا۔

جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنگل سے لکڑیاں چن کر لا سکتے ہیں، تو میری اور آپ کی

کیا حیثیت ہے۔ایک مرتبہ یہ سارے کام صحابہ کرامؓ پر تقسیم ہو گئے، کہ

بکری کون کاٹے گا،

گوشت کون بنائے گا،

کھانا کون پکائے گا،

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں کیا کروں گا؟ صحابہؓ نے عرض کیا، کہ آپ تو اللہ کے نبی ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ میں جنگل سے لکڑیاں چن کر لاؤں گا، پھر آپ ﷺ خود تشریف لے گئے اور جنگل سے لکڑیاں چن کر اٹھا لائے۔خدمت میں آپ ﷺ صحابہ کے ساتھ اس طرح لگے رہتے تھے، کہ باہر سے نئے آنے والوں کو پوچھنا پڑتا تھا" أَيُّكُمْ مُحَمَّد!" کہ تم میں سے "محمد" کون ہے؟ باہر سے آنے والا پوچھتا تھا، کہ تم میں "محمد" کون ہیں؟ کوئی امتیازی شان نہیں تھی، کہ امیر صاحب ہیں۔امیر صاحب سب سے آگے خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔

اس لئے میرے دوستو! خدمت میں لگنا اپنی تربیت کے لئے ہے، ورنہ یہ تو ممکن ہی نہیں ہے، کہ انسان ہو اور خدمت کرنے سے اس کی تربیت نہ ہو؟ اور ایمان والا ہو، اس کے اندر تواضع نہ ہو۔اس لئے ہمیں اللہ کے راستے میں نکل کر خوب مشق کرنی ہے۔خدمت کے ذریعے اپنے اندر تواضع پیدا کرنے کے لئے خدمت میں خوب لگو اور دیکھو! یہ سارے کام، اللہ کی رضا کے لئے ہوں۔اس کے علاوہ ہماری کوئی غرض نہ ہو، یہ سب کام اللہ کیلئے ہو، کیوں کہ حدیث میں آتا ہے، کہ ادنیٰ ریا بھی شرک ہے۔اللہ کے غیر کا ادنیٰ خیال بھی شرک ہے۔یہ سب کام محض اللہ کی رضا کے لئے ہو۔اس کے علاوہ ہماری کوئی غرض نہ ہو۔ایک صحابیؓ نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! ایک آدمی نیک عمل کرتا ہے اور اس کا دل یہ چاہتا ہے کہ اس کے عمل کو کوئی دیکھ لے، آپ اسکے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اسکو کچھ نہیں ملے گا۔جی ہاں! ایک صحابیؓ نے آکر عرض کیا، کہ یارسول اللہ ایک آدمی کوئی نیک عمل کرتا ہے اور یہ بات اسے خوش کرتی ہے کہ اسکے عمل کو کوئی دیکھ لے، آپ اس کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ آپ ﷺ خاموش رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر

اللہ کی طرف سے آیت نازل ہوئی، کہ جو شخص اپنے عمل کے ذریعے اللہ سے ملنا چاہتا ہو، اس کو چاہئے کہ اپنے عمل کو اللہ کیلئے خالص کرلے، اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک نہ کرے، کہ اللہ کی عبادت کا شرک یہ ہے، کہ بندہ اپنے عمل سے اللہ کے غیر کو خوش کرنا چاہے۔

دیکھو میرے دوستو! یہ بہت اہم مسئلہ ہے، کہ یہاں سے آپ جماعت میں نکلیں گے، تو وہاں جب آپ تہجد پڑھ رہے ہوں گے، تو دل میں خیال پیدا ہوگا، کہ کاش امیر صاحب دیکھ لیتے، کہ سب سو رہے ہیں اور میں تہجد پڑھ رہا ہوں، گشت میں اللہ آپ سے اچھی بات کروا دے گا، تو مسجد میں آتے ہی اندر جذبہ یہ ہوگا، کہ کاش!...... میرے ساتھیوں میں سے کوئی میری بات امیر صاحب کو بتلا دے، کہ امیر صاحب! اس نے گشت میں بہت اچھی بات کی ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ یہ نرا شرک ہے۔ نرا شرک ہے، کہ دنیا میں تو اللہ اس کو عمدہ جگہ دیں گے، پر آخرت میں اسکا کوئی حصّہ نہیں ہوگا، ہاں یہ اندر کا جذبہ ہوتا ہے، کہ شیطان اندر یہ خیال پیدا کرے گا، کہ تم نے گشت میں بات بہت اچھی کی تھی، اگر امیر صاحب کو معلوم ہو جائے گا، تو پھر امیر صاحب تم سے بات کروائیں گے، ایسے آدمی کے ساتھ اللہ کی کوئی مدد نہیں ہوگی۔

میرے دوستو، عزیزو! جس طرح ہمیں بتوں کے شرک سے پناہ مانگنی ہے، اسی طرح عمل کے شرک سے بھی اللہ کی پناہ مانگنی ہے۔ کیوں کہ ایک بتوں کا شرک ہے اور ایک عمل کا شرک ہے، بتوں کا شرک یہ ہے کہ اللہ کے غیر کی عبادت کی جاوے اور عمل کا شرک یہ ہے، کہ عمل کو اللہ کے غیر کیلئے کیا جاوے، یہ دونوں شرک، جہنم میں لے جائیں گے۔ اس لئے اللہ سے رو رو کر اخلاص مانگو، کہ اے اللہ! تو ہمارے عمل میں اخلاص پیدا فرما دے، ہمارے عمل کو تو ہی اپنی ذات کیلئے خالص کرلے، ورنہ شیطان، قدم قدم پر نیت کے اندر فتور پیدا کرے گا اور نیت کو بگاڑنے کی کوشش کرے گا، اس طرح ہمیں اللہ کے راستے میں نکل کر، ان چھ صفات کی مشق کرنی ہے۔ ہمارا نکلنا اس لئے ہو رہا ہے، تا کہ یہ باتیں اپنی حقیقت کے ساتھ دلوں میں اتر جاویں، تو پورے دین پر چلنے کی استعداد یقیناً پیدا ہو جائے گی۔

اس لئے میرے دوستو، عزیزو! پہلی بات یہ ہے نکلنے میں، کہ ہمارے دلوں میں اس کام

کی عظمت ہو، اس کام کی عظمت اور اس راستے میں نکلنے کا اہتمام صحابہ کرامؓ کے دلوں میں تھا۔ کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ کام وہی ہے، جو صحابہ کرامؓ کا تھا۔ اللہ کے راستے میں نکلتے ہوئے ہمارے وہ جذبات ہوں، جو جذبات صحابہ کرامؓ کے تھے اس بات کو دل سے یقین کرو کہ اللہ کے راستے کی ایک صبح ایک شام دنیا اور دنیا میں جو کچھ ہے اس سب سے بہتر ہے، ہمارا اگر خیال یہ ہے، کہ کرنے کے کام اور بھی ہیں خیر کے، کیا ضروری ہے کہ تبلیغ ہی میں نکلا جائے، تو عبداللہ ابن رواحہؓ جب اپنی جماعت سے پیچھے رہ گئے، تو کیوں پیچھے رہ گئے،

دکان کے لئے؟

بھائی کی شادی کے لئے؟

کاروبار کے لئے؟

بیوی بچوں کی ضروریارت اور انکی بیماریوں کیلئے؟ نہیں، بلکہ حضور ﷺ کے ساتھ جمعہ کی نماز پڑھنے کیلئے، آپ کا خطبہ سننے کیلئے اور آپ کی مسجد کی فضیلت حاصل کرنے کیلئے۔ کہ مسجد نبوی کی فضیلت ساری مسجدوں سے اونچی ہے، صرف اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے رکے، عبد اللہ ابن رواحہؓ کو خیال ہوا کہ جماعت تو صبح کو روانہ ہوئی ہے، میں جمعہ کی نماز پڑھ کے چلا جاؤں گا، میری بات دھیان سے سنو! کہ آپ ﷺ نے انھیں دیکھ کر فرمایا: کہ عبداللہ! تم گئے نہیں؟! عرض کیا یا رسول اللہ! مجھے تو یہ خیال ہوا، کہ مجھے یہ فضیلتیں حاصل ہوں،

آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کی،

آپکا خطبہ سننے کی،

کہ میں آپ ﷺ کی مسجد میں یہ فضیلت حاصل کرلوں پھر جماعت میں جا کر مل جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اے عبداللہ بن رواحہؓ! اگر ساری دنیا کا مال تم خیر کی راہ میں خرچ کر دو، تو تم صبح نکلنے والی جماعت کی فضیلت حاصل نہیں کر سکتے۔ دیکھو میری بات دھیان سے سنو! اگر ہمارا خیال یہ ہے، کہ خیر کے کام، دنیا میں بہت سے ہو رہے ہیں، کیا یہی کام ضروری ہے؟ کہ جماعت ہی میں نکلا جائے، تو

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن رواحہ کو یہ بتلا کر، یہ خیال صاف کردیا، کہ اللہ کے راستے کی نقل و حرکت کا کوئی عمل، اس کا کسی عمل سے مقابلہ نہیں ہوسکتا، کہ شبِ قدر میں حجرِ اسود اور ملتزم کے سامنے کوئی ساری رات عبادت کرے اور کوئی ایک آدمی کچھ دیر کیلئے اللہ کے راستے میں ہو، تو اس کی فضیلت اس کا درجہ، اس کا مقام، اس کیلئے ثواب، اللہ کے یہاں کہیں زیادہ بڑھا ہوا ہے۔

یہاں سب ہی ماشاء اللہ پرانے ہیں اس مجمع میں، ان سے عرض کر رہا ہوں، کہ ان فضائل کو حدیث میں دیکھ کر بار بار بیان کیا کرو، ورنہ مجمع کے اندر سے اور امّت کے اندر سے اس راستے کے نقل وحرکت کے فضائل ختم ہوتے چلے جائیں گے، پھر یہ کام، تنظیم بن جائے گا، تنظیم ہوتی ہے نا، تنظیم !! کہ یہ کام کوئی تنظیم نہیں ہے۔ جو صحابہؓ کی نقل وحرکت کے فضائل ہیں، وہ ہماری نقل وحرکت کے فضائل ہیں۔ مولانا یوسفؒ اسے بار بار فرماتے تھے، کہ کام وہی ہے، جو نبیوں کا کام تھا، کام وہ ہی ہے جو صحابہ کا کام تھا۔ اس لئے صحابہ کرامؓ کی نقل وحرکت کے خوب فضائل بیان کرو! اب میں کیسے عرض کروں آپ سے، کہ سب سے بڑی چوک ہم سے یہ ہوئی، کہ ہم نے صحابہؓ کی نقل وحرکت کو محض قتال پر محمول کر کے چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ وہ جہاد کے فضائل ہیں، قتال تو ایک عارضی ہے، جو کبھی پیش نہ آیا۔ کتنے غزوات ایسے ہیں، جہاں سے بغیر قتال کئے ہوئے صحابہ واپس آگئے، کیوں کہ ہدایت مطلوب ہے، ہلاکت مطلوب نہیں ہے۔ جتنے صحابہ کے نقل وحرکت کے فضائل ہیں، وہ تمام کے تمام، اس راستے کی نقل وحرکت کے ہیں۔

اسلئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ایک بار صحابہؓ نے یہ طے کیا، کہ صرف چھ مہینہ کی چھٹّی لے لیں،

جسمیں ہم مقامی کام کے ساتھ اپنا کاروبار دیکھ لیں،

بیوی بچوں کو دیکھ لیں،

ٹوٹے ہوئے مکان ٹھیک کرلیں،

اجڑے ہوئے کھیت درست کرلیں،

تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تم نے یہ ارادہ کرلیا ہے، تو اللہ کی طرف سے آیت نازل ہوگئی ہے۔ ﴿وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ﴾ کہ ”اپنے ہاتھ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو“

اگر تم نے چھ (٦) مہینے کے لئے بھی یہ طے کرلیا ہے، کہ چھ مہینے تک نکلنا نہیں ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ صحابہ نے چھ مہینہ مدینہ میں ٹھہرنا، مقامی کام کے ساتھ طے کیا تھا، فوراً اللہ نے آیت نازل کردی، کہ ”اپنے ہاتھ اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو“۔ جیسے ہی بعد والوں نے اس آیت کا استعمال، اس کام کے علاوہ میں کیا، تو فوراً ابوایوبؓ بول پڑے، کہ تم غلط کہتے ہو، یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے، کہ ہم انصار نے ایک بار یہ سوچا تھا، کہ چھ مہینہ مدینہ میں قیام کرلیں، تو یہ آیت نازل ہوگئی

کہ ”اپنے ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈالو“

ہائے!!...... ہمیں اس نقل وحرکت کا اندازہ نہیں ہے، اسلئے ہم صحابہؓ کی نقل وحرکت کو اپنے اس کام کی نقل وحرکت سے کم سمجھتے ہیں۔

”حیاۃ الصحابہ“ خوب پڑھا کرو

اس لئے میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! ”حیاۃ الصحابہ“ خوب پڑھا کرو، کوئی شب گزاری ایسی باقی نہ رہے جس میں ”حیاۃ الصحابہ“ نہ پڑھی جاتی ہو، بشرطیکہ سال لگایا ہوا عالم ہو۔ عمومی طور پر میں سارے مجمع سے کہہ رہا ہوں۔ جتنے جماعت میں جانے والے اور واپس جانے والے، یہ سب یہ طے کریں کہ ”حیاۃ الصحابہ“ ہم میں سے ہر ایک کے انفرادی مطالعے میں رہے گی، ہمیں پتہ تو چلے، کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور صحابہ نے کیا کیا ہے؟ اگر ایسا نہ کیا تو ہمارا راستہ الگ ہوگا، ان کا راستہ الگ ہوگا۔ یہ تو صحابہ کرامؓ خود ڈرتے تھے، کہ ہم نے اگر ایسا نہ کیا، تو ہم پچھلوں کے راستے پر نہیں جاسکتے، ہم ان سے نہیں مل سکتے۔ جی ہاں! اس لئے میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! اس راستے کی نقل وحرکت کے وہی فضائل ہیں، جو صحابہؓ کی نقل وحرکت کے فضائل ہیں، اس راستے کی ایک صبح ایک شام دنیا ومافیہا سے بہتر ہے۔

آدھا دن اللہ کے راستے کا پانچ سو (۵۰۰) سال کے برابر ہے۔

کہ اللہ نے پھرنے والوں کو، مقام پر بیٹھنے والوں کے مقابلے میں بڑی فضیلت دی ہے، وہ سارے فضائل اس راستے میں پھرنے والوں کے لئے ہے، جو صحابہ کرامؓ کیلئے تھے۔ اللہ کے راستے میں پیدل چلنا، سب سے زیادہ اللہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرنے والا عمل ہے، کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں، کہ اللہ کے غضب کا سب سے بڑا مظہر جہنم ہے اور یہ بات حدیث سے ثابت ہے صحیح روایتوں سے، کہ اللہ کے راستے کا غبار اور جہنم کی آگ، یہ کبھی جمع نہیں ہو سکتی۔ اللہ کے راستے میں جاگنا یا پہرا دینا۔ خوب سمجھ لو، ایسی آنکھ جہنم کی آگ کو دیکھے گی نہیں، جو اللہ کے راستے میں جاگی ہو۔

اس لئے میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! ہائے!!...... میں کیسے عرض کروں...... جتنے بھی یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، جو اس وقت نہیں جارہے ہیں جماعت میں، وہ سوچ رہے ہوں گے، کہ بھائی ٹھیک ہے اللہ کے راستے میں نکلنا چاہئے، پر ابھی ہمارا موقع نہیں ہے جانے کا۔ ہائے!!...... عبد اللہ ابن رواحہ ؓ آدھے دن پیچھے رہ گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم پانچ سو (۵۰۰) سال پیچھے رہ گئے ہو۔ جو ابھی نہیں جارہے ہیں، وہ ذرا اب بیٹھ کر سوچیں، انھیں اندازہ نہیں ہے، کہ یہ کام کتنی تیز رفتاری سے اللہ کے قریب ہونے کو ہے۔ مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، کہ اس کام سے بڑھ کر اللہ کے قرب کا، تیز رفتاری کا کوئی عمل نہیں ہے۔ یہ جذبات ہمارے اللہ کے راستے میں نکلنے کے ہیں اور جہاں تک ہو سکے پیدل چلیو، جتنے اللہ کے راستے میں نکل رہے ہیں اور وہ جو اس وقت نہیں جارہے ہیں۔ واپس گھروں کو جارہے ہیں اور آس پاس کے علاقوں سے آئے ہوئے لوگ بھی، ان سب سے میری درخوست ہے، کہ یہاں سے پیدل کام کرتے ہوئے جاؤ!

تعلیم کا،

گشت کا،

نمازوں کا،

ذکر کا،

تلاوت کا،

* گھر گھر ملاقاتوں کا،

دعوت کا،

ماحول قائم کرتے ہوئے جاؤ اور جتنے لوگ یہاں سے اللہ کے راستے میں نکل رہے ہیں، اس صوبے میں یا صوبے سے باہر، اگر یہاں سے دنیا کی باتیں کرتے ہوئے گئے، تو وہ سارے انوارات ضائع کر کے جاؤ گے، جو یہاں ان تین (۳) دن کے ماحول میں حاصل ہوئے ہیں، آپس میں یہی بات کرتے ہوئے جاؤ، جو باتیں یہاں عرض کی گئیں ہیں، اعمال کرتے ہوئے جاؤ۔ جو اللہ کے راستے میں نکلنے والے ہیں، وہ اپنی جماعت میں مجتمع ہو کر چلیں، امیر کی اطاعت کے ساتھ چلیں، ٹرین میں یا بس میں، جس گاڑی میں بھی سفر کریں، سفر میں ہر ایک کو دعوت دیں، ہر ایک سے ملاقات کریں، یہ نہ دیکھیں کہ ہماری جماعت کا آدمی ہے، یا کون ہے؟

سب سے بڑی دعوت اور حکمت، اکرام ہے

دیکھو میرے دوستو، عزیزو! ہر ایک کو سلام کرو، ہر ایک کو دعوت دو، ورنہ حدیث میں آتا ہے، کہ جان پہچان کی وجہ سے سلام کرنا، قیامت کی نشانیوں میں سے ہے۔ لوگ سلام کرتے ہیں نا! وہ بھی انھیں سلام کرتے ہیں، جن سے جان پہچان ہے، ورنہ کتنے مسلمانوں سے انکا صبح شام ملنا ہوتا ہے، پر کوئی سلام کا اہتمام نہیں کرتا، اس لئے ہر ایک کو سلام کرو، ہر ایک کو دعوت دو، دعوت اللہ کی طرف ہے اور دیکھو! سب سے بڑی دعوت اور حکمت، اکرام ہے۔ تم ٹرین میں بیٹھو گے، یا بس میں بیٹھو گے، امیر صاحب کہیں گے جاؤ، دس آدمی کی جماعت ہے دس چائے لے آؤ، توبہ......توبہ...... یہ بخیلوں کی جماعت ہے۔ حضرتؒ فرماتے تھے، کہ تمہاری نقل و حرکت اسلام کو پھیلانے کے لئے ہے۔ اسلام، اکرام سے پھیلا ہے، خوب خرچ کرو، تم سے کہیں گے یہ تشکیل والے کہ ہاں، تمہارا رخ ہم نے فلاں علاقے کا بنا دیا ہے، یہاں سے تمہاری جماعت فلاں جگہ جائے گی، پانچ سو (۵۰۰) روپیہ کافی ہے خرچ کیلئے۔ نہیں بلکہ ان سے کہو! کہ ہم اللہ کے راستے میں نکل رہے ہیں، زیادہ لے کر جائیں گے۔ سب کا اکرام کریں گے، کھلائیں گے پلائیں گے۔

وہ تو حضرتؒ فرماتے تھے، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر کو بھی اسلام کی طرف راغب کیا ہے، اپنی ذات سے خوب خرچ کر کے کیا ہے۔ بھری ہوئی وادی بکریوں کی ایک مشرک کو دے دی، کہ وہ آنکھیں گھما گھما کر دیکھ رہا تھا، وادی میں جو بکریوں سے بھری ہوئی تھی۔ وہ وہیں اسلام میں داخل ہوئے، لیکن مزیدار بات یہ تھی، کہ جیسے ہی وہ اسلام میں داخل ہوتے تھے، اس کے ساتھ ساتھ دل میں مال کی نفرت بھی داخل ہو جاتی تھی۔

اس لئے میں عرض کر رہا تھا، کہ اللہ کے راستے میں شوق سے خرچ کیا کرو۔ دوسروں پر خرچ کرنا، خود ایک عمل ہے، اللہ کے راستے میں خوب خرچ کرو، امیر صاحب سے کہو، آپ سب کیلئے چائے منگا لو، سب کے لئے بسکٹ منگا لو، پیسہ میں دیتا ہوں۔ غیر بیٹھے ہوں گے ٹرینوں میں، بسوں میں، ان کا بھی اکرام کرو، ان سے بھی ملاقات کرو، آپس میں خوب اللہ کی بڑائی کو بولو، وہ بھی سن رہے ہوں گے، اللہ کی عظمت کو، اسکی قدرت کو، اللہ کا تعارف انھیں بھی کراؤ۔

دیکھو میرے دوستو، عزیزو! بات صاف صاف یہ ہے، کہ ہم تو اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، ہمارا بلانا کسی خاص طریقے کی طرف، کسی خاص جماعت کی طرف، یا کسی کی ذات کی طرف بلانا نہیں ہے، اور نہ ہی ہمیں لوگوں کو تبلیغی جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دینی ہے، بلکہ ہم تو اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، بس یہی امّت کے بننے کا راستہ ہے، کہ تم امّتی بن کر دعوت دو۔

''جماعت'' خود تفریق کا لفظ ہے

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ فرماتے تھے، کہ ''جماعت'' تو خود'' تفریق'' کا لفظ ہے، اگر ہم لوگوں سے یہ کہیں، کہ ہماری جماعت میں آجاؤ، تو یہ کہہ کر ہم نے مقابلہ کھڑا کر دیا، ہم جماعت بن گئے۔ دیکھو! جماعت سے جماعت بنتی ہے، فرقے سے فرقے بنتے ہیں۔ امّت کا سب سے بڑا نقصان یہی ہے، کہ جماعت سے جماعت بنائی جائے اور فرقے سے فرقے بنائے جائیں۔ بلکہ ہم تو بلا رہے ہیں اللہ کی طرف، اس لئے ہر ایک کو دعوت دو، ہم کسی فرقے کسی جماعت، کسی گروپ کی طرف نہیں بلا رہے ہیں۔

اس لئے میرے بزرگو، دوستو، عزیزو! ٹرینوں میں، بسوں میں، بیٹھے ہوئے لوگوں کو دعوت

دیتے ہوئے جاؤ، ملاقاتیں کرتے ہوئے جاؤ، جسکو دعوت دو، اسے بھی داعی بنا کر چھوڑو، کہ دیکھئے بھائی! آپ سے ہماری بات ہورہی ہے، ماشاء اللہ آپ نے ارادہ کر لیا ہے، اب آپ بھی دوسروں تک یہ بات پہنچا دینا۔ جس سے دین کی بات کرو، اسے داعی بنا کر چھوڑو۔

اس طرح ہمیں انشاء اللہ دعوت دیتے ہوئے، عبادت کرتے ہوئے چلنا ہے، اگر ٹرین میں بیٹھے ہوں تو تعلیم کا حلقہ ٹرین میں نہ کرو، تعلیم کے حلقے میں یکسوئی ہونی چاہئے۔ ٹرین میں ساتھی مختلف جگہ بیٹھتے ہیں، ادھر ادھر، وہاں تعلیم کا حلقہ مشکل ہے۔ میری بات یاد رکھو! کہ تعلیم کیلئے کتاب ہر ساتھی کے پاس اپنی الگ الگ کتاب ہونی ضروری ہے۔ دس آدمی ہیں جماعت میں، دس کے دس ساتھی کی کتاب الگ الگ ہونی چاہئے۔ یہ نہیں کہ ایک کتاب ساری جماعت کے پاس ہو، بلکہ ہر ایک اپنی کتاب خرید لے، جب کتاب لے کر بیٹھے گا، بس میں، یا ٹرین، میں تو برابر میں کوئی آدمی آکر بیٹھے گا، اس سے نام پوچھو، اس سے سلام کرو، کہ بھائی دیکھو! میرے پاس ایک کتاب ہے، مگر میں پڑھا نہیں ہوں آپ ذرا پڑھ کر سنا دیجئے، کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟، ہوگئی تعلیم، وہ خود بھی سنے گا، اس کیلئے تبلیغ ہورہی ہے، اسکے لئے بھی تعلیم ہورہی ہے، وہ بھی پڑھ رہا ہے، کوئی کہے گا "اَللّٰہُ اَکْبَر" ہمیں تو خبر ہی نہیں تھی، کہ اس کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے۔ نماز چھوڑنے پر یہ عذاب ہے نماز پڑھنے پر یہ ثواب ہے۔ اس طرح ٹرین میں بس میں ہر ایک کے پاس اپنی الگ الگ کتاب ہونی ضروری ہے، تاکہ تنہائیوں میں ہم اس کا مطالعہ کرتے رہیں۔

"جماعت" دیئے گئے رخ پر پہونچ کر کیا کرے؟

جہاں کا ہمارا رخ بنا ہے، ہمارے ساتھی اجتماعی طور پر ٹرین، بس یا جو بھی سواری ہو، اس سے اتر کر، اپنا سامان خود اٹھاویں، اپنا سامان دیکھ لیں، اپنے ساتھیوں کو بھی دیکھ لیں کہ سارے ساتھی ہیں، یا نہیں، پھر بستی میں داخل ہونے سے پہلے دعا مانگ لیں۔ مسنون دعا ہے، اس کو یاد کر لیں، اللہ سے اس بستی والوں کی محبت کو بھی مانگ لیں اور اس بستی کی خیر کو بھی مانگ لیں۔ انبیاء علیہم السلام دونوں کی محبت اللہ سے مانگتے تھے کہ اے اللہ! انکی محبت ہمارے دلوں میں اور ہماری محبت ان کے دلوں میں ڈال دے، کیوں کہ وہ بات سنیں گے نہیں، جب تک کہ محبت

نہیں ہوگی، اس طرح دعا مانگ کر بستی میں داخل ہوں۔

ہماری ابتدا مسجد سے ہوگی، سب سے پہلے جماعت، مسجد میں پہنچے۔ یہ نہ ہو، کہ بازار سے گذر رہے ہیں، کیوں نہ سامان خرید تے ہوئے چلیں، کہ چاول کی ضرورت پڑے گی ہی، یہیں سے لے لیں۔ نہیں! دیکھو سب سے پہلے مسجد کی طرف جاؤ، جس چیز پر تم قدم رکھو گے، وہی تمہارا مقصد ہے، اگر کھانے پینے میں سب سے پہلے لگ گئے، تو یہی مقصد بن جائے گا۔ سب سے پہلے مسجد میں جاؤ، سنت طریقے سے مسجد میں داخل ہو، سامان ایک طرف قرینے سے لگا دو۔ مسجد میں سامان نہ بکھیرنا، اسٹوپ یا کوئی بدبودار چیز مسجد میں نہ رکھنا۔ مسجد میں لہسن، پیاز وغیرہ کھا کر نہ جاؤ۔ حدیث میں آتا ہے کہ جو پیاز لہسن کھائے وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آوے، اس لئے سامان اپنا مسجد کے باہر کے حصے میں رکھو، ایسے قرینے سے رکھو، کہ آنے والے لوگوں کو تکلیف نہ ہو۔ مسجد کا احترام کرو، مکروہ وقت نہ ہو تو دو دو رکعت ''تحیۃ المسجد'' پڑھ لو، کہ مسجد میں داخل ہو کر اللہ گھر میں داخل ہونے کا منھ بنا لو، پھر سب کو مشورے کی طرف متوجہ کرو، اگر مقامی ساتھی مشورے میں ہوں، تو اچھی بات ہے، وہ نہ ہوں، تو انکا انتظار نہ کرو، اپنا مشورہ کر لو۔ چوبیس گھنٹے کا نظم بنا لو، کہ ہمیں یہاں کام کس طرح کرنا ہے، مقامی لوگوں کو ساتھ لے لو، ان سے پوچھو یہاں وقت لگائے ساتھی کتنے ہیں؟ ملاقاتوں کا کون سا وقت مناسب ہے، مقامی سے اس کا مشورہ کرو، گھر گھر کی ملاقاتوں کا نظم بنا لو، ہمیں سب سے زیادہ عمومی گشت کو، عمومی کام کو مقدم رکھنا ہوگا، تھوڑی سی ملاقاتیں، یہ بھی ایک ضروری کام ہے۔ کہ یہاں علماء ہیں، یہاں مالدار قسم کے بڑے لوگ ہیں، انکی ملاقات کے لئے بھی جانا ہے، مالداروں کے مال سے اگر متاثر ہو کر دعوت دی، تو وہ تمہاری بات سے ہرگز متاثر نہ ہوں گے، جتنا تأثر ان کی دنیا کا تمہارے دلوں میں ہوگا، اتنی ہی حقارت سے وہ تمہارے دین کی بات کو سنیں گے اور جتنی نفرت تمہارے دل میں دنیا کی ہوگی، اتنی ہی محبت سے وہ تمہاری بات کو سنیں گے۔ مگر ان کی چیز کو برا مت کہنا، انکی چیزوں کی نفرت دل میں تو ہو، پر زبان تک نہ آئے۔

یاد رکھو اگر تمہارے دل میں انکی چیزوں کی محبت ہو، تو تم یہ بات انکے سامنے کہہ نہیں سکو گے، تمہاری زبان نہیں اٹھے گی، کیوں کہ تم مدعو کی دنیا سے متاثر ہو کے دعوت دے رہے ہو، اس طرح ہمیں دوستو! ہر ایک سے ملاقات کرنی ہے۔ عمومی گشت میں ایک ایک کے پاس جاؤ، مسجد کیلئے نقد نکال کر مسجد کے ماحول میں لے آؤ۔ یہاں لا کر تیار کرو، چار چار مہینے کی تشکیل کرو، جو تیار ہو جائیں ان سے کہو، کہ آپ تیاری کر کے یہاں آ جائیں، دیکھو! انھیں چھوڑ نہ دینا، ورنہ یہ ہاتھ نہیں آنے کے۔ اس لیے انھیں پھر وصول کرنا ہے، اس کیلئے ہمیں وصولی گشت بھی کرنا ہے۔ میں تعلیمی گشت بتلا چکا ہوں، کہ وہ تعلیم کے درمیان ہوگا، اس طرح ہمیں پانچ طرح کے گشت کرنا ہے۔ تعلیمی گشت، عمومی گشت، خصوصی گشت، تشکیلی گشت، صولی گشت۔ وصلی گشت میں انھیں وصول کر کے لانا ہے۔ یہاں انکو وصول کر کے لانا ہے۔

مسجد کے ماحول میں لانا ہی اصل ہے

دیکھو میں نے شروع میں ہی عرض کیا تھا کہ مسجد کے ماحول میں لانا ہی اصل ہے۔ اس طرح دعوت دے کر ہر جگہ سے نقد جماعتیں بنا کر اللہ کے راستے میں نکالنی ہے۔ جہاں سے جماعت بناؤ، چار چار مہینے کی، چلّے کی، وہیں کے مقامی وقت لگائے ساتھیوں کے مشورے سے ان کا ذمہ دار بنادو اور ہر جگہ سے نقد جماعتیں نکالنا ہے، ہر مسجد میں جب تک پانچ کام اس مسجد کا گشت، مسجد کی تعلیم اور گھر کی تعلیم، سہ روزہ کی جماعت کا نکالنا اور مسجد کا مشورہ اور کم سے کم ڈھائی گھنٹہ مسجد میں فارغ کر کے مسجد کی آبادی کی محنت، یہ جب تک شروع نہ ہو جاوے اس وقت تک کوئی جماعت اس مسجد سے آگے بڑھے۔ دیکھو میری بات نوٹ کرلو! اصل میں ہماری جماعتیں علاقوں کا سروے کر کے آجاتی ہیں۔ پھرنا اصل نہیں ہے۔ ہر مسجد میں پانچ کام قائم کرتے ہوئے جماعت کو آگے لے جاؤ، جماعت کی نقل و حرکت سے تو ہر علاقے کا ماحول بدلنا ہے، جہاں آپ یہ دیکھیں گے کہ اعمال زندہ ہو گئے، تو اب وہاں سے آگے بڑھ جاؤ۔ چاہے آپ کو اس علاقے میں ہی چار مہینہ لگانے پڑ جائیں، چاہے ایک علاقے میں ہی چلّا لگانا پڑ جائے۔ میرے نزدیک جماعت کا اپنی جگہ

سے آگے بڑھنا اس وقت تک مناسب نہیں ہے جب تک وہاں کام نظر نہ آنے لگے۔اسی طرح کریں گے انشاء اللہ! کہ اس طرح ہمیں ہر جگہ سے نقد جماعتیں نکالنی ہے۔

یہاں یہ سارا جتنا مجمع اِس وقت جمع ہے۔ یہ طے کر کے جائے، کہ ہم انشاء اللہ اس کام کو مقصد بنا کر کریں گے۔اس طرح انشاء اللہ ہم کو دعوت دیتے ہوئے چلنا ہے، ہر جگہ سے نقد جماعتیں نکالنی ہیں۔اور یہ جتنا مجمع ہے، یہ تو سارا یہ طے کر کے جائے کہ انشاء اللہ کسی حالت میں نماز نہیں چھوڑیں گے، دیکھو میرے دوستو، عزیزو! مسلمان سے یہ کہنا کہ نماز نہیں چھوڑو گے بڑی غیرت کی بات ہے، بڑی شرم کی بات ہے کہ مسلمان سے کہ کہنا کہ نماز نہ چھوڑنا۔اس کا تو کوئی تصور ہی نہیں کرسکتا کہ مسلمان نماز چھوڑ دے۔ کہ مسلمان کفر کرے یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ مسلمان شرابی ہوسکتا ہے۔ مسلمان زنا کر کرلے، یہ ہوسکتا ہے، مسلمان جوا کھیل لے، یہ ہوسکتا ہے، مسلمان سود کھالے یہ بھی ہوسکتا لیکن مسلمان نماز چھوڑ دے؟ اسکا تو کوئی تصور ہی نہیں کر سکتا، پچھلے زمانے میں مسلمان کی پہچان نام سے یا اس کی نسل سے نہیں ہوتی تھی، بلکہ مسلمان کی پہچان جو ہوتی تھی وہ نماز سے ہوتی تھی کہ وہ نمازی ہے، یعنی مسلمان ہے۔

اس لئے میرے دوستو، بزرگو، عزیزو! یہ پورا مجمع طے کرلے کہ انشاء اللہ کسی حالت میں نماز نہیں چھوڑیں گے۔اب دعا کا وقت ہے سارا مجمع اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے۔کوئی عذر نہ ہو تو ایسے بیٹھیں جیسے ''التحیات'' میں بیٹھتے ہیں سارا مجمع اس طرح بیٹھ جائے جس طرح ''التحیات'' میں بیٹھتے ہیں۔اللہ کی طرف پوری طرح متوجہ ہو، کر ساری امت کے لئے اور ساری انسانیت کے لئے اللہ سے مانگنا ہے۔

ایمان کی تقویت

کے

چار سباب

قدرت

﴿وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَابِّ وَالْاَنْعَامِ مُخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ كَذٰلِكَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ غَفُوْرٌ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں، جو اس کی قدرت کا علم رکھتے ہیں۔ [الفاطر:۲۸]

﴿قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَيْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِلَيْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِيْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ اے نبی! آپ ان سے پوچھئے، کہ ذرا یہ تو بتاؤ! کہ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک رات ہی رہنے دے، تو اللہ تعالیٰ کے سواوہ کون سا معبود ہے، جو تمہارے لیے روشنی لے آئے؟ کیا تم لوگ سنتے نہیں ہو؟ آپ ان سے یہ بھی پوچھئے، کہ یہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تم پر ہمیشہ قیامت کے دن تک دن ہی رہنے دے تو اللہ تعالیٰ کے سواوہ کون سا معبود ہے، جو تمہارے لیے رات لے آئے؟ تا کہ اس میں آرام کرو، کیا تم دیکھتے نہیں؟!! [قصص:۶۲۔۶۳]

قدرت چار چیزوں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

۱:۔ جب چاہے۔

۲:۔ جہاں چاہے۔

۳:۔ جیسے چاہے۔

۴:۔ جو چاہے۔

جس کے اندر یہ چاروں صفات ہوں، وہ قدرت والا کہلانے کا حقدار ہے اور اسی کو قدرت والا کہا جائے گا۔ جب اس بات پر غور کیا جائے گا، تو پتہ یہ چلے گا کہ یہ چار وصفات صرف اللہ تعالیٰ کی

ذات کے ساتھ ہی وابستہ ہیں۔اس لیے ہمیں سب سے پہلے اسی بات کو سمجھنا ہے، کہ

۱:۔ قدرت والا کون ہے؟

۲:۔ کس کے اندر یہ چار وصفات ہیں؟

۳:۔ کون ہر چیز کے کرنے پر قادر ہے؟

۴:۔ کس نے ایسا کر کرے دکھلایا ہے اور کون ایسا کر سکتا ہے؟

تو پتہ یہ چلے گا، کہ ہر چیز کے کرنے پر صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی قادر ہے۔ یہ بات نیچے لکھے جارہے چند واقعات سے سمجھ میں آتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے

بغیر ماں اور باپ کے آدمؑ کو بنادیا۔

بغیر ماں کی کوکھ کے حواؑ کو بنادیا۔

بغیر زمین کے سات زمینوں کو بنادیا۔

بغیر سورج کے سورج اور بغیر چاند کے چاند بنادیا۔

بغیر تاروں کے تارے بنادئے۔

اسی طرح اس زمین پر شروعات کے وقت یعنی پہلی بار: بغیر انڈوں کے پرندوں کو بنادیا۔

بغیر جانور کے اس زمین پر جانور بنادیا۔ ہمیں اپنی پہچان کرانے کے لیے، اپنی معرفت دینے کے لیے، اب جانوروں کے پیٹ میں جانوروں کو اور انڈے کے اندر پرندے بنا کر دکھاتے ہیں، پر ایمان نہ سیکھنے کی وجہ سے لوگوں کا یہ یقین بن گیا کہ چیزوں سے نکلنے والی چیزیں، چیزوں سے بنتی ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود یہ بات صاف کردی ہے کہ کسی مخلوق میں کسی چیز کے بنانے کی قدرت نہیں ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ انسان جن چیزوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں، یہ سب مل کر بھی کوئی چیز نہیں بنا سکتے، بلکہ ان سب کو خود اللہ تعالیٰ ہی نے بنایا ہے۔[نحل]

﴿قُلْ مَنْ بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُسْحَرُونَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اے نبی! آپ ان سے پوچھئے کہ ایسا کون ہے، جس کے ہاتھ میں ہر چیز کا تصرف و اختیار ہے اور وہ پناہ دینے والا ہے؟ اگر تم (لوگ) جانتے ہو، تو بتاؤ؟ تو (زبان سے) یہی کہیں گے، کہ اللہ ہے۔ تو آپ ان سے کہیے کہ پھر (اللہ کے غیر کے) کیوں دیوانے بنے پھر رہے ہو۔ [مؤمن ۸۸۔۸۹]

اسی بات کو بتلانے اور سمجھانے کے لیے قرآن نے واقعات بیان کیے ہیں، کہ صالحؑ کی قوم کے لیے پہاڑ سے اونٹنی نکال دی۔

موسیٰؑ کے ہاتھ کے انگوٹھے سے دودھ اور شہد نکال دیا۔

حضور ﷺ اور عیسیٰؑ کے لیے پکا ہوا کھانا مع برتن کے آسمان سے اتار دیا۔

کنواری مریمؑ کی کوکھ سے عیسیٰؑ کو پیدا کر دیا۔

بنی اسرائیل کے لیے چالیس سال تک آسمان سے حلوہ اور بٹیرا تار کر کھلا دیا۔

اُمِ ایمنؓ کے لیے آسمان سے رسی میں بندھا پانی سے بھرا ہوا ڈول اتار دیا۔

حضرت خبیبؓ کے لیے بند کمرے میں آسمان سے انگور کا خوشہ اتار دیا۔

جس طرح مریمؑ کے لیے ان کے کمرے میں آسمان سے پھل اتارا کرتے تھے۔

میرے دوستو! یہ سارا کا سارا نظام اللہ رب العزت نے اپنی قدرت سے چلایا ہے اور اللہ کی یہ قدرت اللہ کی ذات میں ہے، کہ کائنات کی کسی بھی شکل میں چاہے وہ شکل

چیونٹی کی ہو یا جبرئیل کی،

زمین کی ہو یا آسمان کی،

ذرے کی ہو یا پہاڑ کی،

قطرے کی ہو یا سمندر کی،

یعنی عرش سے لے کر فرش (زمین) کے درمیان کی کسی شکل میں اللہ کی قدرت نہیں ہے، اللہ کی قدرت صرف اللہ کی ذات میں ہے۔ ہاں! یہ ساری شکلیں بنی تو ہیں، ان کی قدرت سے، لیکن کسی شکل میں کچھ بنانے اور کچھ کرنے کی قدرت نہیں ہے، قدرت تو اللہ کی ذات میں ہے۔

سورج میں روشنی بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ قیامت کے دن سورج بے نور کیوں ہو جائے گا؟

کھیت میں غلہ اور سبزی بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ زمینیں بنجر کیوں پڑی رہتیں؟!

درختوں میں پھل اور میوے بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ ہمیشہ پھل کیوں نہیں دیتے؟!

بادلوں میں پانی بنانے کی قدرت نہیں ہے۔ ورنہ ہر بادل پانی برساتا؟

جانوروں اور عورتوں میں دودھ بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ ہر عورت اور ہر جانور سے ہمیشہ دودھ آتا؟!

شہد کی مکھی میں شہد بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ ہر چھتے سے ہمیشہ شہد نکلتا؟!

پہاڑوں کے اندر سونا، چاندی بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ ہر پہاڑ سے سونا، چاندی نکلتا؟!

زمینوں میں کوئلہ، سیسہ، تانبا، پیتل، لوہا، پٹرول، گیس اور پانی بنانے کی قدرت نہیں ہے، ورنہ ہر جگہ کی زمین سے یہ چیزیں نکلتیں؟!

یہ جو کچھ بھی ان شکلوں کے اندر سے نکل کر ہمیں مل رہا ہے۔ جیسے

جانور کی شکلوں سے دودھ،

پیڑوں کی شکلوں سے غلہ اور سبزیاں،

شہد کی مکھیوں کے چھتوں سے شہد،

بادل کی شکل سے پانی اور

سورج کی شکل سے روشنی وغیرہ،

یہ ساری چیزیں آسمانوں کے اوپر موجود، اللہ کے غیبی خزانوں سے، فرشتوں کے ذریعہ ان شکلوں میں بھیجی جا رہی ہیں، جو ہمیں آتے ہوئے تو نظر نہیں آتیں، پر نکلتے ہوئے نظر آ رہی ہیں۔ یہ بات نیچے لکھی ہوئی قرآن کی آیتوں اور حدیثوں سے سمجھی جا سکتی ہے۔

﴿وَفِی السَّمَاءِ رِزْقُکُمْ وَمَا تُوعَدُوْنَ فَوَ رَبِّ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِثْلَ مَااَنَّکُمْ تَنْطِقُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ تمہاری روزی اور جس چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے، وہ سارا آسمان میں ہے۔تو آسمانوں اور زمین کے مالک کی قسم! یہ بات اسی طرح یقین کے قابل ہے، جس طرح تمہارا ایک دوسرے سے بات کرنا یقینی ہے۔[ذٰریات:۲۲-۲۳]

﴿یَااَیُّهَاالنَّاسُ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ ہ مَنْ خَالِقٌ غَیْرُ اللّٰه یَرْزُقُکُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: لوگو! اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو یاد کرو، جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کئے ہیں۔ ذرا سوچو تو سہی، کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی اور ہے؟! جس نے تمہیں بنایا ہو اور جو تمہیں آسمان وزمین سے روزی پہونچاتا ہو؟! سچی بات یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور ضرورتوں کو پورا کرنے والا ہے ہی نہیں، پھر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کس پر بھروسہ کر رہے ہو۔(فاطر:۳)

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے پڑے ہیں، لیکن ہم حکمت کے تحت ہر چیز کو طے شدہ مقدار سے (آسمانوں کے اوپر سے) اتارتے رہتے ہیں۔[حجر:۲۹]

﴿اَفَرَاَیْتُمُ الْمَاءَ الَّذِیْ تَشْرَبُوْنَ ءَ اَنْتُمْ اَنْزَلْتُمُوْهُ مِنَ الْمُزْنِ اَمْ نَحْنُ الْمُنْزِلُوْنَ لَوْ نَشَاءُ جَعَلْنَاهُ اُجَاجاً فَلَوْلَا تَشْکُرُوْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اچھا پھر یہ تو بتاؤ! کہ جو پانی تم پیتے ہو، اس کو بادلوں سے تم نے برسایا، یا ہم اس کو برسانے والے ہیں؟ اگر ہم چاہیں تو اس پانی کو کڑوا کردیں، اس پر تم شکر کیوں نہیں کرتے؟!!![واقعہ:۶۹-۷۰]

﴿وَهُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجْنَابِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اور وہی اللہ تعالیٰ ہیں، جنہوں نے آسمان سے پانی اتارا۔[انعام]

﴿وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الْحُبُكِ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: آسمان کی قسم! جس میں راستے ہیں۔ [ذٰریات: ۷]

حضرت زبیرؓ سے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ اے زبیر! اللہ جل شانہ نے جب اپنے عرش پر جلوہ فرمایا، تو اپنے بندوں کی طرف (کرم کی) نظر ڈالی اور ارشاد فرمایا کہ میرے بندو! تم میری مخلوق ہو اور میں ہی تمہارا پروردگار (ضرورت کو پورا کرنے والا) ہوں۔ تمہاری روزیاں ہمارے قبضے میں ہیں۔ لہٰذا تم اپنے آپ کو ایسی محنتوں میں نہ پھنساؤ، جس کا ذمہ میں نے لے رکھا ہے۔ تم لوگ اپنی روزیاں مجھ سے مانگو! کیوں کہ رزق کا دروازہ ساتوں آسمانوں کے اوپر سے کھلا ہوا ہے، جو خزانہ عرش سے ملا ہوا ہے، اس کا دروازہ نہ رات میں بند ہوتا ہے، نہ دن میں۔ اللہ جل شانہ اس دروازے سے ہر شخص پر روزی اتارتا رہتا ہے، لوگوں کے گمان کے بقدر، ان کی عطا کے بقدر، ان کے صدقے کے بقدر اور ان کے خرچ کے بقدر۔ جو شخص کم خرچ کرتا ہے، اس کے لیے کم اتارا جاتا ہے اور جو شخص زیادہ خرچ کرتا ہے، اس کے لیے زیادہ اتارا جاتا ہے۔

(درمنثور)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان تک اس کی روزی پہونچانے کے لیے فرشتے متعین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرما رکھا ہے، کہ جس آدمی کو تم اس حالت میں پاؤ، جس نے (اسلام) کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، تو تم اس کو آسمانوں اور زمین سے رزق مہیا کر دو اور دیگر انسانوں کو بھی روزی پہونچا دو۔ یہ دیگر لوگ اپنے مقدر سے زیادہ روزی نہ پاسکیں گے۔

(ابوعوانہ)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی مخلوق میں فرشتوں سے زیادہ کوئی مخلوق نہیں ہے اور زمین پر کوئی بھی ایسی چیز نہیں اگتی جس کے ساتھ ایک مؤکل فرشتہ نہ ہوتا ہو۔

(ابوشیخ۔ حدیث: ۳۲۷)

حضرت حکم بن عتیبہؒ فرماتے ہیں، کہ بارش کے ساتھ اولادِ آدم اور اولادِ ابلیس سے زیادہ فرشتے اترتے ہیں، جو ہر قطرے کو شمار کرتے ہیں، کہ وہ پانی کا قطرہ کہاں گرے گا اور اس پھل

سے کسے رزق دیا جائے گا۔

(ابوشیخ۔حدیث:۴۹۳)

حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پانی کے خزانے پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔اس فرشتے کے ہاتھ میں ایک پیمانہ ہے، اس پیمانے سے گزر کر ہی پانی کی ہر بوند زمین پر آتا ہے۔ لیکن حضرت نوحؑ کے طوفان والے دن ایسا نہ ہوا، بلکہ اللہ نے سیدھے پانی کو حکم دیا اور پانی کو سنبھالنے والے فرشتوں کو حکم نہ دیا، جس پر وہ فرشتے پانی کو روکتے رہ گئے، لیکن پانی نہ رکا۔

(کنزالعمال:۲۷۳)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ ہم لوگوں پر) بادل نے سایہ کیا، تو ہم نے اس سے (بارش کی) امید کی، جس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جو فرشتہ بادلوں کو چلاتا ہے، وہ ابھی حاضر ہوا تھا، اس نے مجھے سلام کیا اور بتلایا، کہ وہ اس بادل کو وادئ یمن کی طرف لے جا رہا ہے، جہاں ''زرعہ'' نام کی جگہ پر اس کا پانی برسے گا۔

(ابوعوانہ)

حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ہر آسمان پر ہر انسان کے لیے دو (۲) دروازے ہیں، ایک دروازے سے اس کے اعمال اوپر جاتے ہیں اور دوسرے دروازے سے اس کی روزی اترتی ہے۔

(کتاب الجنائز)

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ انسانوں تک روزی پہونچانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو متعین کر رکھا ہے۔

(ابن ابی شیبہ)

اس حدیث سے بات اور صاف ہو جاتی ہے، کہ ملک الموت جب کسی ایمان والے بندے کی روح نکالنے کے لیے پانچ سو (۵۰۰) فرشتوں کے ساتھ آتے ہیں، تو اس وقت ان کے ہاتھ میں ریحان کے پھولوں کا گلدستہ ہوتا ہے۔ جس کی ہر ٹہنی میں بیس بیس رنگ کے پھول ہوتے ہیں

اور ہر پھول میں نئ خوشبو ہوتی ہے۔اسی کے ساتھ ایک سفید رنگ کا رومال جس میں مشک بندھی ہوتی ہے، اسے مرنے والے کی ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں۔ پھر جنت کا وہ کپڑا جسے کفن میں استعمال کرتے ہیں، وہ بھی ساتھ ہوتا ہے۔اتنی ساری چیزوں کو مرنے والے کے سوا پاس میں بیٹھا ہوا کوئی انسان بھی نہیں دیکھ پاتا۔اب اگر یہی ساری چیزیں کائنات میں پھیلی ہوئی شکلوں سے نکل کر آتیں،تو ہر انسان کو یہ چیزیں نظر آجاتیں،لیکن آسمانوں کے اوپر سے ان چیزوں کو لانے والے فرشتے انسان کو کبھی بھی نظر نہیں آتے۔اسی طرح جب حضرت حنظلہؓ کو فرشتوں نے غسل دیا،تو غسل سے پہلے فرشوں کا لایا ہوا پانی کسی کو نظر نہ آیا، پر جب حنظلہؓ کے جسم پر وہ پانی غسل کے لیے ڈالا گیا تو حنظلہؓ کے جسم کے بالوں سے پانی ٹپکنا صحابہؓ کو نظر آیا۔

اس لیے میرے محترم دوستو اور بزرگو! کسی شکل میں اپنے اندر کچھ بنانے کی قدرت نہیں ہے۔کائنات میں پھیلی ہوئی شکلوں کے اندر مختلف چیزوں کو نکال کر، اللہ رب العزت ہم انسانوں کو اپنی پہچان کرانا چاہتے ہیں، کہ اللہ رب العزت نے کائنات کی ساری شکلوں کو صرف اپنی پہچان کرانے کے لیے بنایا ہے۔کہ

جانوروں سے دودھ

کھیت سے غلہ اور سبزیاں

درختوں سے پھل اور میوے

شہد کی مکھی سے شہد

سورج سے روشنی اور

بادل سے پانی

یہ ساری کی ساری شکلوں سے نکلنے والی چیزیں، آسمانوں کے اوپر موجود اللہ کے خزانوں سے بھیجی جارہی ہیں۔جس طرح ٹیلی ویژن کے ڈبوں کے اندر سے،موبائل سے،انٹرنیٹ وغیرہ سے کبھی ہمیں خبریں،کبھی ہاکی یا کرکٹ کا میچ یا دیگر پروگرام نکلتے نظر آتے ہیں۔ یہ نظر آنے والے

پروگرام، ان چیزوں میں بنتے نہیں ہیں، بلکہ یہ پروگرام، ان چیزوں کے مرکز (اسٹوڈیو) سے ان میں بھیجے جارہے ہیں۔ پر کسی انسان کو یہ پروگرام ہوا میں آتے ہوئے دِکھتے نہیں ہیں۔ دیکھو! آپ نے اپنے موبائل سے یا انٹرنیٹ سے کسی کو میسج یا اِی میل (E-mail) بھیجا، آپ نے جس کے پاس بھیجا ہے، اس کے موبائل یا انٹرنیٹ کو ڈھونڈ کر اس میں داخل ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ آدمی آپ سے ایک ہزار (۱۰۰۰) کلومیٹر دور رہا ہو، پر سیکنڈوں میں وہاں پہونچ جاتا ہے اور جو میسج یا اِی میل آپ نے بھیجا ہے، اسکا ایک حرف بھی اس میں سے کم نہیں ہوتا۔ ذرا بیٹھ کر غور کرو! کہ ہر وقت ہوا میں کتنے میسج یا اِی میل آتے جاتے رہتے ہیں۔ کتنی تصویریں میسج یا اِی میل سے لوگ بھیجتے رہتے ہیں پر جس کے پاس جو بھیجا جاتا ہے، وہی اسے ملتا ہے، کسی دوسرے کا میسج یا کسی دوسرے کا اِی میل بدلتا نہیں ہے۔ ٹھیک اسی طرح ہماری روزیوں کا بھی معاملہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی انسان چاہے قلعی اور چونے کے پہاڑوں میں بند ہو جائے، مگر دو چیزیں اس کے پاس پہونچ کر رہیں گی: (۱) اس کی روزی (۲) ملک الموت۔ یعنی اگر کوئی انسان اپنے آپ کو لوہے کے صندوق میں بند کر کے اندر سے تالا لگا لے، پھر بھی اس کی روزی اور اس کے جسم سے روح نکالنے والا فرشتہ اس صندوق کے اندر پہونچ جائے گا، جس طرح انڈے کے چھلکے کے اندر رنگ برنگے پَر، خون، گوشت اور روح پہونچ جاتی ہے۔

میرے دوستو! اللہ رب العزت اس ظاہری نظام سے، ہمیں اپنا غیبی نظام سمجھانا چاہ رہے ہیں، اپنی طاقت اور اپنی قدرت کو سمجھانا چاہ رہے ہیں، کہ ہر مخلوق کی روزی آسمانوں کے اوپر سے بھیجی جارہی ہے، پر ہمارے امتحان کے لیے، وہ چیزیں ہمیں آسمانوں سے آتی ہوئی نظر نہیں آرہی ہیں۔ اللہ رب العزت نے ظاہری نظام، اپنے بندوں کو امتحان کے لیے بنایا ہے اور غیبی نظام کو بندوں کے اطمینان کے لیے بنایا ہے۔ لیکن غیبی نظام سے فائدہ وہ اٹھا پائے گا، جس نے اپنے اندر غیب کا یقین پیدا کیا ہوگا۔ جو انسان اپنے اندر غیب کا یقین پیدا کر لیتا ہے، تو پھر فرشتوں کے ذریعہ سے چلایا جارہا غیبی نظام اس کے تابع کر دیا جاتا ہے۔ اب یہ غیبی نظام کسی

کے تابع ہو جائے، تو سب سے پہلے احادیث کی روشنی میں اس نظام کو سمجھا جائے۔

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مومن کے ساتھ تین سو ساٹھ فرشتے ہوتے ہیں، جو مصیبت اس پر پڑنی نہیں لکھی ہوتی، اس کو اس سے دور کرتے رہتے ہیں۔

صرف آنکھ کے لیے سات فرشتے ہیں۔ یہ فرشتے بلاؤں کو اس سے اس طرح ہٹاتے رہتے ہیں، جس طرح گرمی کے دنوں میں شہد کے پیالے سے مکھیوں کو ہٹایا جاتا ہے۔ اگر ان فرشتوں کو تمہارے سامنے ظاہر کر دیا جائے، تو تم ان کو میدان اور پہاڑ پر ہاتھوں کو کھولے ہوئے دیکھو گے۔

(طبرانی)

جب کہ عام انسان کے ساتھ صرف دس فرشتے ہوتے ہیں، پر عورتوں کے ساتھ گیارہ فرشتے ہوتے ہیں۔

حضرت عثمان غنیؓ فرماتے ہیں، کہ میں ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا! کہ یا رسول اللہ! ہر انسان کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ ایک فرشتہ میرے دائیں میں ہے جو تیری نیکیوں پر مامور ہے اور ایک فرشتہ بائیں تیرے گناہ لکھتا ہے، یہ دائیں والا فرشتہ، بائیں والے فرشتے کا سردار ہے۔

دو فرشتے تیرے سامنے اور پیچھے ہیں، یہ دونوں بلاؤں اور مصیبتوں سے حفاظت کرتے ہیں۔

ایک فرشتے نے تیری پیشانی کو تھاما ہوا ہے، جو تواضع کرنے پر تیرے سر کو بلند کر دیتا ہے اور تکبر کرنے پر پست کر دیتا ہے۔

دو فرشتے تیرے ہونٹوں پر ہیں، جو درود و سلام کو پہونچاتے ہیں۔

ایک فرشتہ تیرے منہ پر ہے، جو سانپ اور دوسرے کیڑوں کو تیرے منہ میں گھسنے نہیں دیتا اور دو فرشتے تیری آنکھوں پر ہیں۔

(ابن جریر)

دیکھو! نیچے لکھی جارہی احادیث پر غور کرو! کہ کس طرح سے فرشتوں کے ذریعے سے چلایا جارہا غیبی نظام، مومن کی حمایت میں آجاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جولوگ کثرت سے مسجدوں میں جمع رہتے ہیں، یہی لوگ مسجد کے کھونٹے ہیں۔ان لوگوں کے ساتھ فرشتے بھی بیٹھے رہتے ہیں، اگر وہ لوگ مسجدوں میں کسی وجہ سے موجود نہیں ہوں، تو فرشتے ان لوگوں کو ڈھونڈتے ہیں۔ جب کبھی وہ بیمار ہو جاتے ہیں، تو فرشتے ان کے گھر جا کر ان کی بیمار پرسی کرتے ہیں اور جب وہ لوگ اپنی کسی ضرورت کے لیے گھر سے باہر آتے ہیں تو فرشتے ان کی مدد کرتے ہیں۔

(مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر، مسجد میں آنے والے لوگوں کا نام لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن جب خطبہ شروع ہوتا ہے، تب، فرشتے نام لکھنا بند کر کے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(بخاری)

حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی مسلمان جنگل میں اقامت کہہ کر نماز پڑھتا ہے، تو دونوں فرشتے (کراماً کاتبین) اس کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی مسلمان جنگل میں اذان دے اور پھر اقامت کہہ کر نماز شروع کرے، تو اس کے پیچھے فرشتوں کی اتنی بڑی تعداد پڑھتی ہے، جن کے دونوں کنارے دیکھے نہیں جا سکتے۔

(مصنف عبدالرزاق)

حضرت اوس انصاریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: عید کی صبح اللہ تعالیٰ فرشتوں کو دنیا کے تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔ وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور آواز دے کر کہتے ہیں، جسے انسان اور جنات کے سوا ساری مخلوق سنتی ہے۔ کہ اے محمد ﷺ کی امت! اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو، جو زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ پھر لوگ عیدگاہ کی طرف جانے لگتے ہیں۔

(طبرانی)

حضرت شدّاد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان قرآن کی کوئی سورت بستر پر جا کر پڑھ لیتا ہے، تو اللہ پاک اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر

فرمادیتے ہیں۔ جواس کے جاگنے تک اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔

(ترمذی)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سورہ بقرہ کی تلاوت کرنے پراس کی ہر آیت کے ساتھ اسّی (۸۰) فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔

(مسند احمد)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان رات کو باوضو سوتا ہے، تو ایک فرشتہ اس کے جسم کے ساتھ لگ کر رات گزارتا ہے۔ رات میں جب نیند سے وہ بیدار ہوتا ہے، تو وہ فرشتہ اسے دعا دیتا ہے کہ اے اللہ اپنے اس بندے کی مغفرت فرمادے، کیوں کہ باوضو سویا تھا۔

(ابن حبان)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس گھر میں کتّا یا تصویریں ہو۔

(ابن ماجہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ رحمت کے فرشتے ان لوگوں کے پاس بھی نہیں رہتے، جن کے پاس کتّا یا گھنٹی ہو۔

(مسلم شریف)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: دشمن کے خلاف مقابلہ کرتے وقت فرشتے گھوڑ دوڑ اور تیر اندازی میں تمہارے ساتھ ہوتے ہیں۔

(طبرانی)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو حاجی سواری سے حج کرنے جاتے ہیں، فرشتے ان سے مصافحہ کرتے ہیں اور جو لوگ پیدل حج کرنے جاتے ہیں، فرشتے ان سے گلے ملتے ہیں۔

(بیہقی)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ فرشتے جمعہ کے دن پگڑیاں باندھ کر (جمعہ کی نماز میں) حاضر ہوتے ہیں اور پگڑی والوں کو سورج کے چھپنے تک سلام کرتے ہیں۔

(تاریخ ابن عساکر)

دیکھو میرے دوستو! ایک ہے، غیب کا علم ہونا اور ایک ہے غیب کا یقین ہونا، کہ غیب کا علم کتابوں کے ذریعہ سے یا کسی سے سن کر حاصل ہو جاتا ہے، پر غیب کا یقین، کہ اسے سیکھ کر اپنے دل میں پیدا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے صحابہؓ کہتے تھے، کہ ہم نے پہلے ایمان سیکھا، پھر قرآن سیکھا، یعنی پہلے غیب کا یقین دل میں پیدا کیا۔

کہ حضرت ابو بکرؓ جب بیت الخلاء میں داخل ہونے کا ارادہ کرتے، تو اپنی چادر بچھا دیتے اور فرماتے، اے محافظ فرشتو! تم لوگ یہاں اس چادر پر تشریف رکھو، کیوں کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا ہے، کہ میں بیت الخلاء میں کوئی بات نہیں کروں گا۔

(مقدمہ ابو اللیث)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، گناہ کرنے کے بعد کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو گناہ سے بھی بڑی ہوتی ہیں، کہ اگر گناہ کرتے ہوئے تمہیں اپنے دائیں، بائیں کے فرشتوں سے شرم نہ آئی، تو یہ اس کیے ہوئے گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(کنز العمال۔۸۔۲۲۴)

غیب کا یقین

(۱) ایک ایمان (آمَنَ بِاللّٰہِ) باللہ۔ یعنی اس حقیقت کا پورا یقین، کہ سب کچھ اللہ کی ذات سے بنتا اور ہوتا ہے، اللہ کے سوا کسی سے کچھ نہیں بنتا اور ہوتا ہے، اس لیے بس اسی کو راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے اور اسی کے لیے مرنا مٹنا چاہیے۔

(۲) دوسرے ایمان (وَالْیَوْمِ الْآخِرِ) بالیوم الآخر۔ یعنی اس حقیقت کا پورا یقین، کہ یہ زندگی اصل زندگی نہیں ہے، بلکہ اس زندگی کو پورا ہونے کے بعد ایک دوسری زندگی اور دوسرا عالم ہے۔ اور اصل زندگی وہی ہے، یہ چند روزہ زندگی بس اس کی تیاری کے لیے ہے اور انسانوں کی کامیابی اور ناکامی کا دارومدار اسی ہمیشہ والی زندگی کی کامیابی اور ناکامی پر ہے۔

(۳) تیسرا ایمان (وَمَلٰٓئِکَتِہٖ) بالملٰئکہ۔ یعنی اس بات کا یقین، کہ یہ عالم جن ظاہری اسباب سے چلتا ہوا نظر آرہا ہے، دراصل ان اسباب سے نہیں چل رہا ہے، بلکہ اللہ پاک

فرشتوں کے باطنی نظام کے ذریعے سے سارے ظاہری نظام کو چلا رہے ہیں۔ مثلاً ہمیں نظر آتا ہے، کہ بارش بادلوں سے اور ہواؤں سے ہوتی ہے اور زمین کی چیزیں بارش کے پانی سے اُگتی ہیں۔ فرشتوں پر ایمان کا مطلب یہ ہے، کہ ہم اس بات کا یقین کریں، کہ اللہ پاک یہ سارے کام دراصل فرشتوں سے کرا رہے ہیں۔ گویا ان ظاہری اسباب کے پیچھے فرشتوں کا نظر نہ آنے والا نظام ہے اور اس کے پیچھے اللہ کی ذات اور اس کا حکم اور اس کی مشیّت ہے۔

(۴) چوتھا ایمان (وَ كُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ) بالکتاب والنبیین۔ یعنی اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں اور اس کے بھیجے ہوئے نبیوں کے بارے میں یقین، کہ حقیقی علم وہی ہے، جو اللہ کی کتابوں میں ہے اور جو نبیوں کے ذریعے انسانوں کو ملا ہے۔ اس کے سوا جو کچھ ہے، وہ غیر حقیقی اور ناقص ہے۔ مثلاً انسانوں کی فلاح اور کامیابی کا راستہ وہی ہے، جو اللہ کے نبیوں نے اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں نے بتایا ہے۔ اگر دنیا بھر کے فلاسفر، دانشمند، عقلمند لوگ اور لیڈر، اس کے خلاف کہتے ہیں اور سوچتے ہیں تو غلط ہے اور ان کا جہل ہے۔

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے، کہ سارے احکامات بعد میں آئے، سب سے پہلا حکم، اللہ کی ذات پر یقین قائم کرنے کا آیا۔ کہ "آمَنَ بِاللّٰهِ" اللہ کی ذات کا اپنے اپنے دلوں میں یقین قائم کرنا، یہ ایمان کی جڑ اور بنیاد ہے۔ کیوں کہ اللہ کی ذات تو غیب میں ہے۔ حضور اکرم ﷺ کے سوا اللہ کی ذات کو کسی مخلوق نے نہیں دیکھا، خود جبرئیل امین نے بھی نہیں۔ اس لیے کہ جبرئیلؑ بتلاتے ہیں، کہ میرے اور اللہ کے درمیان نور کے ستّر (۷۰) پردوں کی آڑ ہے۔ اگر ان میں سے ایک پردہ بھی ہٹا دیا جائے، تو اللہ کے نور کی تجلی سے میں جل کر راکھ ہو جاؤں۔ تو اللہ کی ذات کو لے کر کہیں شک میں نہ پڑ جائے اور اللہ کی ذات کا ہی انکار نہ کر بیٹھے، کہ پتہ نہیں اللہ کی ذات کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ اس لیے کہ اب قیامت تک کوئی نبی نہیں آنے والا۔ (ہاں، عیسیٰؑ کا دوسرے آسمان سے اتر کر آنا بحیثیت حضور ﷺ کے امتی کے ہوگا) اور یہ ایک مستقل سوال، انسان کے بیچ رہتا، کہ اللہ کی ذات ہے، یا نہیں؟ بس اسی سوال کو ختم کرنے کے لیے ہی اللہ رب العزت

نے حضور ﷺ کو عرش پر بلا کر اپنا دیدار کرایا، کہ اللہ کی ذات حق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود یہ دعوت دی ہے، کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں، تا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی حمایت اور حفاظت میں لے لیں۔

(ہیثمی: ۵۔۲۳۲)

میرے دوستو! جو ذات ہمیشہ سے تھی اور ہمیشہ رہے گی، اس نے سب سے پہلا حکم، اپنے بندوں کے متعلق جو نازل فرمایا، وہ یہ کہ "آمَنَ بِاللّٰہِ" اللہ کی ذات کا یقین، اپنے دل میں پیدا کرو، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ کس طرح سے اللہ کی ذات کا یقین پیدا ہو؟ تو اللہ کی ذات کا یقین تبھی پیدا ہوگا، جب ہم اپنی ذات میں غور وفکر کریں گے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا: کہ کوئی شخص اس وقت تک اللہ تعالیٰ کو نہیں جان سکتا، جب تک کہ وہ اپنے آپ کو نہ پہچان لے، کہ

(۱) ہم پانچ سو (۵۰۰) سال پہلے کہاں تھے؟

(۲) اس دنیا میں ہم کہاں سے آئے؟

(۳) ہمارے جسم کو کس نے بنایا؟

(۴) کیسے بنایا؟

(۵) سو (۱۰۰) سال بعد ہم کہاں ہونگے، وغیرہ وغیرہ، اس کے لیے اب ہمیں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اپنے آپ کو پہچاننا ہے، کہ ہمیں کس نے بنایا؟ کیوں بنایا؟ کہاں بنایا؟ اور کیسے بنایا؟۔

انسان کی پیدائش

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِىٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جب آپ کے رب نے آدمؑ کی پیٹھ سے ان کی اولاد کو پیدا کیا، پھر

ان سے سوال کیا، کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا بیشک! پھر ہم نے گواہ بنایا (فرشتوں کو) ہم نے یہ اقرار (انسانوں سے) اس لیے کرایا، کہ قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگیں، کہ ہمیں پتہ نہیں تھا۔ (کہ آپ ہمارے رب ہیں) [اعراف:۱۷۲]

حضرت اُبی بن کعبؓ اس آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمؑ کی پیٹھ سے انسانوں کی روح کو نکالا اور انھیں ایک جگہ جمع کیا، پھر

انھیں جوڑا جوڑا بنایا،

اس کی شکلیں بنائی،

انھیں بولنے کی طاقت دی،

پھر سب سے سوال کیا، کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟

سب نے جواب دیا، بیشک! آپ ہی ہمارے رب ہیں۔

پھر اس اقرار پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو گواہ بنایا، تاکہ قیامت کے دن اس میں سے کوئی یہ نہ کہے، کہ

ہمیں پتہ نہیں تھا۔

یقین مانو "میرے سوا کوئی معبود اور رب نہیں ہے" اس لیے میری ربوبیت میں کسی چیز کو شریک نہ کرنا۔ میں تمہارے پاس نبی اور رسول بھیجتا رہوں گا، جو تمہیں یہ عہد اور پیان یاد دلائیں گے اور تم پر اپنی کتابیں اتاروں گا۔

تو سب نے جواب دیا کہ ہم اقرار کر چکے ہیں، کہ آپ ہی ہمارے رب ہیں، آپ کے سوا ہمارا کوئی رب نہیں ہے۔

(مسند احمد)

﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا، اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بیشک انسان پر زمانے میں ایسا وقت آچکا ہے، کہ وہ بھی قابلِ ذکر نہ تھا، کہ اس سے پہلے منی تھا اور اس سے پہلے وہ بھی نہ تھا۔ ہم نے اس کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا،

تا کہ ہم اس کا امتحان لیں، پھر ہم نے اسے سنتا، دیکھتا بنایا۔[الدھر:۱۔۲]

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو امتحان کے لیے عالمِ اَرواح سے اس دنیا میں منتقل کرنا چاہتے ہیں، تو منتقل کرنے سے چار مہینے پہلے، ایک مخصوص طریقے پر اس کی ماں کے پیٹ میں اس کا جسم بنانا شروع کرتے ہیں۔

﴿مِنۡ اَیِّ شَیۡءٍ خَلَقَهٗ مِنۡ نُّطۡفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ثُمَّ السَّبِیۡلَ یَسَّرَهٗ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقۡبَرَهٗ﴾

ہم نے انسان کے جسم کو کس چیز سے بنایا؟ منی کی ایک بوند سے ایک خاص انداز میں۔ پھر اس کے لیے راستہ آسان کردیا۔ پھر اسے موت دے کر برزخ میں پہونچادیا۔[عبس:۱۸۔۲۱]

﴿لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡۤ اَحۡسَنِ تَقۡوِیۡمٍ﴾

ہم نے انسان کو بہترین انداز میں ظاہر کیا ہے۔[التین:۴]

﴿مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِیۡهَا نُعِیۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰی﴾

اسی مٹی سے جسم بنا کر ہم نے تمہیں (دنیا) میں ظاہر کیا اور پھر اسی میں لوٹائیں گے اور اسی سے دوسری بار ظاہر کریں گے۔[طٰہٰ:۵۵]

اللہ تعالیٰ جس مٹی سے اس کا جسم بناتے ہیں، اس مٹی کے ذرّات زمین سے لے کر آسمان تک پھیلے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ان ذرّات کو اکٹھا کر کے ماں باپ کی غذا کے ساتھ ان کے پیٹ میں پہونچاتے ہیں۔ ماں باپ کے جسم میں پہونچ چکے، ان ذرّات کو پھر خون میں پہونچاتے ہیں، خون سے منی میں منتقل کرتے ہیں، پھر منی کے اس بوند کو ماں کے پیٹ میں موجود بچہ دانی میں پہونچاتے ہیں۔

﴿فَلۡیَنۡظُرِ الۡاِنۡسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنۡ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ یَّخۡرُجُ مِنۡۢ بَیۡنِ الصُّلۡبِ وَالتَّرَآئِبِ﴾

انسان کو دیکھنا (سوچنا) چاہیے کہ اس کا جسم کس چیز سے بنا ہے؟ اس کا جسم اچھلتے ہوئے پانی سے بنا ہے، جو پیٹھ اور سینے کے بیچ سے نکلتا ہے۔[طارق:۵۔۷]

﴿اَفَرَءَیۡتُمۡ مَّا تُمۡنُوۡنَ ءَاَنۡتُمۡ تَخۡلُقُوۡنَهٗۤ اَمۡ نَحۡنُ الۡخٰلِقُوۡنَ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اچھا یہ تو بتاؤ! کہ جو منی، تم عورتوں کے رحم میں پہونچاتے ہو، کیا اس منی سے تم انسان کا جسم بناتے ہو، یا ہم اس جسم کو بنانے والے ہیں؟! [واقعہ: ۵۸۔۵۹]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نطفہ (منی کی بوند) چالیس (۴۰) دن تک رحم میں اپنی حالت پر رہتا ہے، جب چالیس دن پورے ہو جاتے ہیں، تو وہ جما ہوا خون بن جاتا ہے، پھر اسی طرح چالیس دن کے بعد گوشت کی بوٹی میں تبدیل ہو جاتا ہے، پھر اس میں ہڈیاں پیدا ہوتی ہیں، پھر اللہ تعالیٰ جسم کے سارے اعضاء بنا دیتے ہیں۔

(مسند احمد)

﴿اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَيْنَيْنِ وَلِسَانًا وَّشَفَتَيْنِ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: بھلا ہم نے اس کو دو آنکھیں نہیں دی؟! اور زبان اور دو ہونٹ نہیں دئے؟! [بلد: ۸۔۹]

﴿اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کہ کوئی انسانی جسم ایسا نہیں ہے، جس پر ہم نے نگرانی کرنے والا (فرشتہ) مقرر نہ کر رکھا ہو۔ [طارق: ۴]

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عورت کی بچہ دانی پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو بچے کے جسم کے بننے کی مختلف شکلیں اللہ تعالیٰ سے بتاتا رہتا ہے۔ کہ

اے اللہ! اب یہ نطفہ ہے۔

اے اللہ! اب یہ جما ہوا خون ہے۔

اے اللہ! اب یہ گوشت کا لوتھڑا ہے۔

پھر جب اللہ تعالیٰ اس بچے کو پیدا کرنا چاہتے ہیں، تو فرشتہ پوچھتا ہے، کہ اے اللہ! اس کے بارے میں کیا لکھوں؟

لڑکا یا لڑکی؟

بدبخت یا نیک بخت؟

روزی کتنی؟ اور

عمر کتنی۔ یعنی یہ روح اس طرح جسم میں کتنے دن رہے گی۔

(بخاری:٦٥٩٥)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ عورت کی بچہ دانی پر مقرر فرشتے کا یہ کام ہوتا ہے، کہ جب بچے کی ماں سوتی ہے، یا لیٹتی ہے، تو یہ فرشتہ اس بچے کا سر اوپر اٹھا دیتا ہے۔ اگر وہ ایسا نہ کرے، تو بچہ خون میں غرق ہو جائے۔

(ابوالشیخ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس لڑکی کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، جو اس پر بہت زیادہ برکت اتارتا ہے اور کہتا ہے، تو کمزور ہے، کیوں کہ کمزور سے پیدا ہوئی ہے، اس لڑکی کی کفالت کرنے والے کی قیامت تک مدد کی جاتی ہے اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس بھی ایک فرشتہ بھیجتے ہیں، جو اس کی آنکھ کے بیچ بوسہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے سلام کہتے ہیں۔

(طبرانی)

میرے دوستو! نطفہ جب بچے دانی کے اندر پہونچ جاتا ہے، تو بچے دانی کا منھ بند ہو جاتا ہے، جس طرح غبارے کے اندر کسی چیز کو ڈال کر پھر اس میں ہوا بھر کر، غبارے کا منھ بند کر دیا جاتا ہے، پر بچے دانی میں صرف نطفہ ڈالا جاتا ہے، ہوا نہیں بھری جاتی۔ جیسے جیسے بچے کا جسم بن کر بڑھتا جاتا ہے، بچے دانی بغیر ہوا کے، غبارے کی طرح پھولتی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ماں کا پیٹ پھول کر بڑا ہوتا رہتا ہے۔ چالیس (٤٠) دن کے بعد سفید رنگ کا نطفہ سرخ رنگ کا جما ہوا خون بن جاتا ہے۔

جس طرح فرعون کے پیتے ہوئے پانی کو خون میں بدل دیا تھا۔

پھر چالیس (٤٠) دن کے بعد اس جمے ہوئے خون کو اللہ تعالیٰ گوشت کے لوتھڑے میں بدل دیتے ہیں۔ جس طرح فرعون کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے روٹی کے ٹکڑے کو مینڈھک میں بدل دیا تھا۔

یا جس طرح ام المؤمنین حضرت امِ سلمہؓ کے یہاں پیالے میں رکھے ہوئے گوشت کو پتھر

میں بدل دیا تھا۔

اور موسیٰؑ کا مشہور واقعہ جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے کہ موسیٰؑ کی لاٹھی کو سانپ بنادیا اور سانپ کو پھر لاٹھی بنادیا۔ کہ نظر تو وہ لاٹھی آرہی تھی، پر نہ وہ لاٹھی تھی اور نہ ہی سانپ۔ کہ اصل کے اعتبار سے نہ وہ لاٹھی تھی اور نہ سانپ۔ اس لیے کہ نہ لاٹھی سانپ بن سکتی ہے اور نہ سانپ لاٹھی بن سکتا ہے، پر ایسا ہوا۔ تو اس سے پتہ چلتا ہے، کہ چاہے لاٹھی ہو یا سانپ یا کوئی بھی نظر آنے یا نظر نہ آنے والی مخلوق۔ وہ مخلوق چاہے،

چیونٹی کی ہو یا جبرئیل کی،

زمین کی ہو یا آسمان کی،

ذرے کی ہو یا پہاڑ کی،

قطرے کی ہو یا سمند کی،

یعنی عرش سے لے کر فرش (زمین) کے درمیان کی کوئی بھی مخلوق ہو، ان سب کی حیثیت ایک کٹھپتلی سے زیادہ نہیں ہے۔ ان سب کے اندر اللہ کا جو امر کام کر رہا ہے، وہ اصل چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ ان شکلوں سے جب چاہیں گے، جہاں چاہیں گے، جیسے چاہیں گے اور جو چاہیں گے وہ ہوگا۔

جیسے ماں کے پیٹ میں نطفے کو جما ہوا خون، جمے ہوئے خون کو گوشت کا لوتھڑا اور اس گوشت کے لوتھڑے پر جسم کے اعضاء کا بننا کہ آدھا انچ کے گوشت کے لوتھڑے کے اندر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا کر دل، گردہ، تلّی، پھیپھڑا وغیرہ بنا کر نسوں کا جال بچھا دیتے ہیں۔ پھر گوشت کے لوتھڑے کے اوپر آنکھ، ناک، کان، منہ، ہاتھ، پیر وغیرہ اپنی قدرت سے بناتے ہیں۔ انسانوں کے جسم بنانے کی یہ ترتیب، اللہ تعالیٰ نے مقرر کی ہے۔ ہاں تین انسان اس ترتیب سے باہر ہیں۔

(۱) آدم علیہ السلام

(۲) حوا علیہا السّلام

(۳) عیسیٰ علیہ السلام

جسم سے خون کا آنا جانا

ہم سب اپنے اپنے بارے میں بھی جان لیں، کہ ہم سب کا جسم بھی اللہ تعالیٰ نے اسی ترتیب سے بنایا ہے، جس جسم کو ہم اپنی ملکیت سمجھ کر اپنی مرضی پر استعمال کر رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ جسم اپنی مرضی پر استعمال ہونے کے لیے دیا تھا۔ تو جب اس انداز میں اللہ تعالیٰ انسان کا جسم بنا دیتے ہیں، تو جسم کو سب سے پہلے خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے غیبی خزانے سے اس جسم میں براہِ راست خون بھیجتے ہیں، پر انسانوں کو آسمانوں کے اوپر سے خون کا آنا، نظر نہیں آتا۔ جس طرح بخار کا انسان کے جسم سے خون کا لے جانا نظر نہیں آتا۔ کہ حضرت سلمانؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن بخار نے حضور ﷺ کے گھر کے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ حضور ﷺ نے اس سے پوچھا، تم کون ہو؟

اس نے کہا کہ میں بخار ہوں، میں گوشت کو کاٹتا ہوں اور خون چوستا ہوں۔

حضور ﷺ نے اس سے فرمایا: تم ''قبا'' والوں کے پاس چلے جاؤ! چنانچہ بخار، قبا والوں کے پاس چلا گیا اور ان سب کا اتنا خون چوسا اور گوشت کاٹا کہ ان کے چہرے پیلے ہوگئے۔ تو انھوں نے آکر حضور ﷺ سے بخار کی شکایت کی۔

حضور ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا: کہ تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ اگر تم چاہو، تو میں اللہ سے دعا کر دوں، تو اللہ تعالیٰ بخار کو واپس بُلا لیں اور اگر تم لوگ چاہو، تو بخار کو رہنے دو، جس سے تم لوگوں کے سارے گناہ معاف ہو جائیں۔

قبا والوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! آپ بخار کو رہنے دیں۔

(بدایہ والنہایہ: ٦۔١٦٠)

اس روایت سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جس طرح بخار کا انسان کے جسم سے خون کا لے جانا نظر نہیں آتا، اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے غیبی خزانے سے جب جسم میں خون بھیجتے ہیں، تو اس خون کا آنا بھی کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس زمانے میں یہ بات موبائل اور کمپیوٹر وغیرہ سے سمجھی جا سکتی ہے، کہ

آپ کے موبائل پر میسج کا آنا یا ریچارج کرانے پر پیسے کا آنا کسی کو نظر نہیں آتا۔ اسی طرح کمپیوٹر پر کسی کتاب یا کسی اور چیز کا ڈاؤن لوڈ کرنا کسی کو نظر نہیں آتا۔ اس بات کو خود اللہ تعالیٰ نے پرندوں کے اندر سے انڈوں کو نکال کر سمجھایا ہے کہ

﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرے، تو ہی جسے چاہے بے شمار روزی دے۔ [آل عمران: ۲۷]

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے تھے، کہ ہم نے تو اپنے رب کو مرغی کے انڈے سے پہچانا ہے، کہ رب، اللہ ہیں۔

میرے دوستو! ہمیں یہ دھوکہ لگا ہے، کہ ہم

پیسے سے پلتے ہیں۔

دکان سے پلتے ہیں۔

محنت سے پلتے ہیں۔

کھیتی سے پلتے ہیں۔

نوکری سے پلتے ہیں۔

اس سے بڑی دنیا میں کوئی جھوٹ نہیں کہ ہم چیزوں سے پلتے ہیں یا اپنی محنت سے پلتے ہیں۔

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ فرماتے تھے کہ جو انسان، ان میں کی کسی بھی چیز سے پلنے کا یقین لے کر مرے گا، تو خدا کی قسم! وہ قبر کے کسی بھی سوال کا جواب نہیں دے پائے گا۔

(حضرت جی کی یادگار تقریریں)

اس لیے حضرت سفیان ثوریؒ اور عبداللہ بن مبارکؒ ہمیشہ یہ بات اعلانیہ کہا کرتے تھے، کہ اگر زمین تانبے کی ہو جائے اور آسمان لوہے کا ہو جائے، دنیا میں کوئی سامان اور انسان بھی نہ ہو، تب بھی مجھے یہ خیال نہ آئے گا، کہ میرے کھانے پینے کا کیا ہوگا۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے تھے: کہ اگر زمین تانبے کی ہو جائے اور آسمان لوہے کا

ہو جائے ،دنیا میں کوئی سامان اور انسان بھی نہ ہو، پھر اگر کسی انسان کے دل میں یہ خیال آجائے، کہ میرے کھانے پینے کا کیا ہوگا؟

تو یہ خیال......اس کے اندر کے شرک کی وجہ سے آیا ہے، اس کے اندر ایمان نہیں ہے۔

میرے دوستو! حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ ایمان صرف ایمانی صورت بنا لینے سے نہیں ملتا۔

(کنز العمال:۸۔۲۱۰)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک وہ ایمان کی چوٹی تک نہ پہونچ جائے اور ایمان کی چوٹی پر اس وقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک اس کے نزدیک فقیری، مالداری سے اور چھوٹا بننا، بڑا بننے سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے اور اس کی تعریف کرنے والا اور اس کی برائی کرنے والا برابر نہ ہو جائے۔

(حلیہ:۱:۱۳۲)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے لوگو! اپنے باطن کی اصلاح کرلو، تمہارا ظاہر خود ٹھیک ہو جائے گا۔ تم اپنی آخرت کے لیے عمل کرو، تمہارے دنیا کے کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود ہو جائیں گے۔

(البدایہ والنہایہ:۷۔۵۶)

بغیر کمائے کیسے پلیں گے؟

ایک ساتھی نے ایک ساتھی کی چار مہینے کی تشکیل کی، کہ ایمان کو سیکھنے کے لیے، آپ بھی اللہ کے راستے میں چلو! تو اس نے کہا، کہ مجھے بھی اس کا یقین ہے کہ اللہ پالتے ہیں، پر اگر میں چار مہینے کے لیے جماعت میں چلا گیا، تو میرے بوڑھے ماں باپ اور میرے بیوی بچوں کا کیا ہوگا؟ اکیلا میں ہی کمانے والا ہوں، میں اگر کمانے کے نہیں لاؤنگا، تو خود کیا کھاؤنگا اور اپنے بیوی بچوں اور ماں باپ کو کیا کھلاؤنگا؟ کہ بیشک پالنے والے تو اللہ ہی ہیں پر بغیر کمائے ہم لوگ کیسے پلیں گے؟!!!

اس ساتھی نے کہا کہ بھائی! یہی چیز تو سیکھنے کے لیے نکلنا ہے کہ آپ دکان سے نہیں پل رہے ہو، بلکہ آپ کو اور آپ کے گھر والوں کو اللہ تعالیٰ براہِ راست اپنی قدرت سے پال رہے

ہیں۔ہاں چونکہ انسان کو دنیا میں امتحان کے لیے بھیجا گیا ہے،اس لیےاسے چیزوں سے پلنا نظر آرہاہے، پر ساری مخلوق کواللہ تعالیٰ براہِ راست اپنی قدرت سے ہی پال رہے ہیں۔لیکن وہ اس بات کو ماننے پر راضی نہ ہوا، کہ اللہ اپنی قدرت سے پال رہے ہیں اوراس کے اعتبار سےاس کی بات بھی ٹھیک ہے۔کیوں کہ بیس (۲۰) سال سے وہ کما کے ہی پل رہاہے۔یہی حال سب کا ہے ،کہ بیشک پالنے والے تو اللہ ہی ہیں، پر بغیر کمائے ہم لوگ کیسے پلیں گے؟ چونکہ کمارہے ہیں، تب ہی پل رہے ہیں۔تو اس ساتھی کی تشکیل کرنے والے نے کہا، کہ جوتم کہہ رہے ہو، یہ تمہارا غلط یقین ہےاور یہ بالکل جھوٹی بات ہے، کہ کوئی کسی سبب سے پلتا ہے، بلکہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پال رہے ہیں۔اب رہی بات کہ کیسے پال رہے ہیں؟ تو میری بات سنو، میں تمہیں بتاتاہوں کہ تم دکان سے نہیں پل رہے ہو، بلکہ اللہ پال رہے ہیں۔

دیکھو! مثال کے طور پر جب تم کبھی دکان جارہے ہوگے،تو راستے میں تمہارا ایک کار سے ایکسیڈنٹ ہوجائے ،لوگ تمہیں وہاں سے اٹھا کر قریب کے ایک نرسنگ ہوم لے جائیں گے، پر وہاں کے ڈاکٹر تمہاری حالت کو دیکھ کر تمہیں میڈیکل کالج بھیج دیں گے،میڈیکل کالج پہونچنے پر وہاں کے ڈاکٹر تمہاری حالت دیکھ کر تمہارے گھر والوں سے کہیں گے، کہ ان کے ہاتھ پیر نیلے پڑ گئے ہیں اوران کے سارے جسم میں زہر پھیل رہاہے۔لہٰذا ان کے دونوں ہاتھ اور دونوں پیر آپریشن کرکے کاٹنے پڑیں گے،تبھی ان کی جان بچا پائیں گے۔تو اب بتاؤ تمارے گھر والے ڈاکٹر سے کیا جواب دیں گے؟

کیا یہ جواب دیں گے، کہ ان کے ہاتھ، پیر نہ کاٹیے۔ہم لوگ ان کو اسی حال میں گھر واپس لے جارہے ہیں؟!!

تو اس نے جواب دیا، کہ نہیں، بلکہ میرے گھر والے کہیں گے، کہ ڈاکٹر صاحب! ان کا آپریشن کردیجئے۔

تشکیل کرنے والے نے کہا، پھر آپریشن ہوجانے کے بعد جب آپریشن تھیٹر سے تمہیں

باہر لایا گیا، تو تمہارا پانچ فٹ کا جسم اب ڈھائی فٹ بچا۔ پھر تین مہینے تک تمہیں اسپتال میں ہی رہنا پڑا، جب تمہارے زخم وغیرہ سوکھ گئے تو تمہارے گھر والے تمہیں اسپتال سے گھر واپس لے آئے، تو گھر آنے پر نہ اب تم دکان کے قابل رہے اور نہ دکان تمہارے قابل رہی۔ چونکہ تم دکان سے پل رہے تھے، اور اپنی محنت سے پل رہے تھے، تو دو چار دن کے بعد ہی تمہاری موت ہو جائے گی، کیوں کہ اب دکان پر کمانے تو جا نہیں پاؤ گے اور تمہاری موت کے دو چار دن کے بعد تمہارے گھر والے بھی مر جائیں گے، کیوں کہ ان سب کو تم پالتے تھے!!!

یہ سن کر وہ بولا، نہیں میں مروں گا نہیں۔

تشکیل کرنے والے نے پوچھا، کیوں نہیں مرو گے؟ کیوں کہ تم تو دکان سے پلتے تھے؟

اس نے کہا، کہ اللہ کوئی اور راستہ کھول دیں گے۔

تشکیل کرنے والے نے کہا، کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم دکان سے نہیں پل رہے تھے؟ پر تم تو یہ کہہ رہے تھے، کہ پالنے والے تو اللہ ہیں، پر اگر میں دکان نہیں جاؤنگا تو کیسے پلونگا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارے اندر دکان سے پلنے کا جو یقین تھا، وہ غلط تھا؟ اچھا اب بتاؤ، کہ اللہ تعالیٰ تمہیں کیسے پالیں گے؟

اس نے تشکیل کرنے والے کے اس سوال کا جب کوئی جواب نہ دیا۔ تو تشکیل کرنے والے نے اس سے کہا، کہ میں بتاؤں تم کیسے پلو گے؟!

اس نے کہا کہ ہاں بتاؤ۔

تشکیل کرنے والے نے کہا، کہ اب تمہارے سسر دبئی سے تمہیں ہر مہینے پانچ ہزار (۵۰۰۰) روپیہ بھیجیں گے، کہ اب تم تو اپاہج ہو گئے۔ تو اپنی بیٹی اور نواسے کی محبت میں وہ پیسے بھیجیں گے۔ اب جب وہاں سے پیسہ آئے گا، تو تمہارے اندر سسر سے پلنے کا یقین بنے گا اور دکان سے پلنے کا یقین نکلے گا۔ پر اب تم یہ کہو گے، کہ پالنے والے تو اللہ ہیں، مگر سسر کے بغیر کیسے پلیں گے؟ جب کہ بیس (۲۰) سال سے تم اپنے اندر دکان سے پلنے کے یقین کے ساتھ زندگی

گزار رہے تھے، اگر اسی حال پر تمہاری موت آجاتی تو اللہ کی ربوبیت میں تم دکان کو شریک کر کے مرتے، کہ جس طرح پہلے تم دکان سے نہیں پل رہے تھے جو بات آج خود تمہارے سامنے ہے۔اسی طرح یہ بات بھی سچی ہے، کہ تم سسر سے نہیں پلو گے، بلکہ اللہ پالیں گے۔ چونکہ انسان کا، ہر پل اس دنیا میں امتحان لیا جا رہا ہے۔اس لیے دنیا میں انسان کو چیزوں سے، سامان سے، مال سے اور لوگوں سے اپنا پلنا نظر آئے گا۔ پر خدا کی قسم! سچی بات یہ ہے، کہ ہر ایک کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے پال رہے ہیں۔اب سسر کے پیسے سے پلو گے، تو دکان سے پلنے کا یقین نکل کر سسر سے پلنے کا یقین پیدا ہوگا۔

تشکیل کرنے والے نے اس سے پھر پوچھا! کہ اچھا اب یہ بتاؤ اگر تمہارے سسر کا دبئ میں انتقال ہو جائے اور وہاں سے پیسے آنا بند ہو جائے، پھر تم لوگ کیسے پلو گے؟

اس بار اس نے جواب دیا، کہ اللہ تعالیٰ کسی اور راستے سے پالیں گے۔

تشکیل کرنے والے نے پھر اس سے سوال کیا کہ اچھا یہ بتاؤ اگر زمین تانبے کی ہو جائے آسمان لوہے کا ہو جائے، دنیا میں کوئی سامان اور انسان بھی نہ ہوں، زمین پر صرف تم تمہارے بیوی بچے اور تمہارے ماں باپ یعنی کل پانچ (۵) لوگ رہ جاؤ تم سب کی موت ہو جائے گی؟!!! اس لیے کہ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: انسان کے دل میں ایک خیال فرشتہ ڈالتا ہے اور ایک خیال شیطان ڈالتا ہے۔شیطان کی طرف سے آنے والا خیال یہ ہوتا ہے، کہ وہ اللہ کے غیر سے ہونے کو اور اللہ کے کرنے سے جو سب کچھ ہو رہا ہے، اس کے جھٹلانے پر ابھارتا ہے۔

فرشتے کی طرف سے آنے والا خیال یہ ہے، کہ وہ اللہ کا کہنا مان لینے اور اللہ ہی کریں گے کی تصدیق پر ابھارتا ہے۔لہٰذا جو شخص اپنے اندر فرشتے کا خیال پائے، تو اسے اللہ کا شکر کرتے ہوئے اس خیال پر جمنا چاہیے اور اگر اپنے اندر شیطان کا لایا ہوا خیال پائے، تو اس کو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگنا چاہیے۔

(ترمذی)

مرغی کے انڈے سے رب کی پہچان

اس لیے اس وقت جب شیطان تمہارے دل میں یہ خیال ڈالے، تو مرغی کے انڈے کو سوچ کر اپنے آپ کو سمجھانا، کہ اللہ تعالیٰ کس طرح سے اس چھلکے کے اندر بچے کو بناتے اور اس کی پرورش کرتے ہیں، کہ مرغی کا انڈا چاروطرف سے بند ہوتا ہے اور چھلکے کے نیچے ایک واٹر پروف جھلّی ہوتی ہے جو چھلکا پھوڑنے پر ہمیں نظر آتی ہے۔ مرغی کا انڈا جسے پانی میں ابال کر، یا پھر اسے پھوڑ کر، پھینٹ کر جس کا آملیٹ بنا کر کھایا جاتا ہے۔ کہ اسے ابال کر، یا آملیٹ بنا کر کھانے میں، نہ تو مرغی کے رنگ برنگے پر ہمیں نظر آتے ہیں اور نہ ہی آنکھ، پیر، خون وغیرہ ہی نظر آتے ہیں۔ لیکن اللہ رب العزت اپنی قدرت سے اس چھلکے کے اندر مرغی کی شکل بناتے ہیں اور شکل بنا کر پھر اس کے اندر وہاں روح اور رزق پہونچاتے ہیں۔ تو جب یہ مرغی کا بچہ اللہ سے ملی طاقت کا استعمال کر کے چھلکے کو پھوڑ کر باہر آتا ہے، اگر اسی وقت اس بچے کو چاقو سے ذبح کر کے دیکھا جائے تو س کے جسم سے خون ٹپکتا ہوا نظر آئے گا۔

یہ بات یہاں پر اس وجہ سے لکھ رہا ہوں کیوں کہ آج ساری دنیا کے اندر اس بات کو بولا جارہا ہے کہ پھل اور میووں سے، غلوں اور سبزیوں کے کھانے اور پینے سے، جسم کے اندر خون بنتا اور بڑھتا ہے اور اس سے بھی دو قدم آگے یہ بات چل رہی ہے کہ انجکشن، ٹیبلیٹ، سیرپ، یا ٹانک اور حکیم کے معجون، یا ویدھ کی پھنکی اور جڑی بوٹیوں اور بھسم سے بھی، انسان کے جسم کے اندر خون بنتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ تو بھلا انڈے سے نکلنے والے مرغی کے بچے کے اندر یہ خون کہاں سے آگیا؟!! جب کہ چھلکا تو چاروں طرف سے بند تھا پھر یہ کھانے پینے کی چیزیں بھلا اس کے اندر کیسے پہونچ گئیں؟ تو یہ لوگ جواب دیتے ہیں، کہ انڈے کے اندر اللہ پاک اپنی قدرت سے خون بناتے اور بڑھاتے ہیں، لیکن انسان کے جسم میں ان کھانے پینے کی چیزوں سے بھی خون بنتا اور بڑھتا ہے اور اللہ رب العزت اپنی قدرت سے بھی خون بناتے اور بڑھاتے ہیں۔

میرے دوستو! یہ بول زبان سے نکالنا، یہ تو دور کی بات ہے، بلکہ ایسا سوچنا بھی شرک

ہے، کہ اللہ پاک کی قدرت میں ہم نے ان چیزوں کو شریک بنایا ہوا ہے۔ ایمان کو نہ سیکھنے کی وجہ سے اس طرح کے بول، آج دنیا میں بولے جارہے ہیں۔ اسی بے بنیاد بولوں کی وجہ سے امت کا کمایا ہوا مال ان چیزوں کے خریدنے پر خرچ ہو رہا ہے۔ جب کہ گوشت اور خون سے تعلق رکھنے والی حدیث قدسی پر بھی ذرا غور کرلیا جائے، جس میں اللہ پاک کا یہ ارشاد ہے کہ:

''جب میں اپنے مومن بندے کو کسی بیماری میں مبتلا کرتا ہوں، پھر یہ اپنی عیادت کرنے والوں سے میری شکایت نہیں کرتا، تو میں اسے اپنی قید سے آزاد کردیتا ہوں، یعنی اس کے گناہوں کو معاف کردیتا ہوں، پھر اسے اس کے گوشت سے بہتر گوشت دیتا ہوں اور اسے اس کے خون سے بہتر خون دیتا ہوں''

ناف کے گندے خون سے پرورش

اسی طرح میرے دوستو! آج دنیا میں یہ بولا جارہا ہے، کہ ماں کے پیٹ کے اندر رہ رہے بچے کی پرورش، اللہ پاک ناف کے گندے خون سے کرتے ہیں۔ اب یہاں ذرا اس بات پر بھی غور کرلیا جائے کہ انسان، جو ساری مخلوق میں سب سے زیادہ اشرف ہے اور فرشتوں سے بھی جس انسان کو سجدہ کرایا جاچکا ہو، تو اس انسان کی پرورش ناف کے گندے خون سے کی جائے اور جس مرغی کو ہمیں پکا کر کھانے کی اجازت ہے اس مرغی کے بچے کو انڈے کے چھلکے میں بغیر ناف کے پرورش کی جائے۔ کہ انسان کو تو نعوذ باللہ ماں کے پیٹ میں گندے خون سے روزی پہونچائی جائے اور مرغی کے بچے کو انڈے کے چھلکوں کے اندر بغیر ناف کے براہِ راست اللہ کی آنے والی روزی حاصل ہو۔ تو اس طرح روزی کے حاصل کرنے میں مرغی کا بچہ انسان سے افضل ہوگیا۔ اصل بات یہ ہے کہ ماں کے پیٹ میں جب چار مہینے میں بچے کا جسم بن جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ عالمِ ارواح سے اس جسم میں روح بھیجتے ہیں۔ جسم کے اندر روح آنے کے بعد جسم کو غذا کی ضرورت پڑتی ہے۔ دیکھو! جب کسی کے جسم سے روح نکل جاتی ہے، تو پھر اس جسم کو کسی چیز کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ لیکن جب جسم میں روح ہوتی ہے، تو جسم کو غذا کی ضرورت پڑتی

ہے۔ ماں کے پیٹ میں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے بچے کو غذا پہونچاتے ہیں، جسم کو غذا مل جانے کے بعد اسے پیشاب پاخانہ کے مقام سے، پیشاب پاخانہ کرتا ہے۔ یہاں پر یہ بات بالکل صاف ہوگئی کہ بچے کو ماں کے پیٹ میں غذا پہونچائی جاتی ہے۔ ورنہ انسان اگر کچھ کھائے پیئے گا نہیں، تو اسے پیشاب پاخانہ نہیں ہوگا۔

میرے دوستو! روزی کا تعلق براہِ راست اللہ کی ذات سے ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: کہ بندے کے اور اس کی روزی کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔ اگر بندہ صبر سے کام لیتا ہے، تو اس کی روزی خود اس کے پاس آجاتی ہے اور اگر وہ بے سوچے سمجھے روزی کمانے میں گھس جاتا ہے، تو وہ اس پردے کو پھاڑ لیتا ہے۔ لیکن اپنے مقدر سے زیادہ نہیں پاتا ہے۔

(کنز العمال: ۸۔۲۱۰)

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں، انسان کی روزی کا حاصل ہونا، یہ انسان کے گمان پر رکھا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ

''میرا بندہ مجھ سے جیسا گمان کرے گا میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرونگا'' اب اگر انسان کے اندر مال سے ہونے کا گمان ہے، تو اس کا کام مال سے ہوگا اور اگر دنیا میں پھیلی ہوئی چیزوں اور سامان سے کام ہونے کا گمان ہے، تو اس راستے سے ہوگا۔ اس گمان کا نقصان یہ ہیو کہ آدمی کے اندر جس چیز سے ہونے کا گمان ہوگا، وہ اسی چیز کا محتاج ہوگا۔

شیر کا کان مروڑ دیا

حضرت ابن عمرؓ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے، راستے میں انھیں ایک جگہ پر کچھ لوگ کھڑے ہوئے ملے، انھوں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ تم لوگ راستے میں کیوں کھڑے ہو؟ لوگوں نے بتایا کہ آگے راستے میں ایک شیر کھڑا ہے، جس کے ڈر کی وجہ سے ہم لوگ یہاں رُکے ہوئے ہیں، یہ سن کر حضرت ابن عمرؓ اپنی سواری سے نیچے اترے اور چل کر شیر کے پاس پہونچے اور اس کے کان کو پکڑ کر مروڑا، پھر اس کی گردن پر ایک تھپڑ مار کر اسے وہاں سے بھگا دیا، پھر واپس آتے

ہوئے اپنے آپ سے فرمایا: اے ابن عمر!

''حضور ﷺ نے سچ کہا تھا، کہ ابنِ آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے، ابنِ آدم جس چیز سے ڈرتا ہے۔ اگر ابنِ آدم اللہ کے سوا کسی اور چیز سے نہ ڈرے، تو اللہ تعالیٰ اس پر اور کوئی چیز مسلط نہ ہونے دیں۔ ابنِ آدم اسی چیز کے حوالے کر دیا جاتا ہے، جس چیز سے اسے نفع یا نقصان ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ اگر ابنِ آدم اللہ کے سوا کسی اور چیز سے نفع یا نقصان کا یقین نہ رکھے، تو اللہ تعالیٰ اسے کسی اور چیز کے حوالے نہ کریں۔''

(کنز العمال: ۷۔۵۹)

اس طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے اندر صرف اللہ ہی سے ہونے کا گمان پیدا کرایا تھا، جس کی وجہ سے صحابہؓ کے اندر اللہ کی محتاجگی تھی، کہ ہر وقت ہر آن ہر لمحہ وہ اپنے آپ کو اللہ کا محتاج سمجھتے تھے اور جب کسی کے ساتھ کوئی معاملہ ہو جاتا تھا، تو وہ اللہ ہی سے کہتا تھا۔ اپنی ہر ضرورت کو وہ لوگ اللہ ہی کے سامنے پیش کرتے تھے۔ وہ اپنی روزیاں اس راستے سے حاصل کرتے تھے، جس راستے کو حضور ﷺ نے انھیں بتلایا تھا۔ آج تو ہم صرف کھانے پینے کو ہی روزی سمجھتے ہیں۔ کسی سے اگر پوچھو کہ روزی کسے کہتے ہیں؟ تو وہ انھیں چیزوں کو گنا دے گا۔ حالانکہ انسان کے جسم کی ہر ضرورت کو روزی کہتے ہیں۔ دیکھو! اس جسم کے خالق اور مالک اللہ ہیں، اس وقت دنیا میں رہ رہے ہم سات (۷) ارب انسانوں میں سے دوسو (۲۰۰) سال پہلے کسی کا بھی جسم اس دنیا میں نہیں تھا۔ اس جسم کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے اس دنیا میں اس کا امتحان لینے کے لیے بنایا ہے۔ کیسے بنایا؟ اس کی خبر قرآن اور حدیث کے ذریعے ہمیں دے دی گئی ہے۔ کہ ماں کے پیٹ میں بغیر کسی ذریعے کے ہمارے جسم کی ضرورتوں کو پورا کیا۔ بچے دانی کے اندر خون، ہوا اور غذا کا انتظام کیا پھر جیسے ہی ہم ماں کے پیٹ سے باہر آئے، تو جسم میں طاقت، آنکھوں کو روشنی، منھ کو بول، کانوں کو آواز، دماغ کو سوچنے کی قوت وغیرہ، ان تمام ضرورتوں کو پورا کیا اور آج بھی ان ضرورتوں کو اللہ ہی پوری کر رہے ہیں۔ اگر ان تمام ضرورتوں کو

پیسے لے کر دیتے، کہ

ایک پیسہ سیکنڈ، لے کر آنکھوں کی روشنی دیتے،

ایک پیسہ سیکنڈ، لے کر زبان کی بول دیتے،

ایک پیسہ سیکنڈ، لے کر کانوں میں آواز دیتے،

جیسے موبائل پر ایک پیسہ سیکنڈ ہمارے بولنے اور سننے کا لیتے ہیں۔ اگر اللہ بھی اپنے بندوں سے اس کا چارج لیتے، تو انسان کیا کرتا؟!!! آنکھوں کی روشنی، زبان کے بول، کانوں میں آواز، جسم میں طاقت وغیرہ، یہ وہ چیزیں ہیں، جسے انسان کوئی قیمت دے کر حاصل کرنا چاہے گا، پر اللہ رب العزت ہیں، انھوں نے ساری مخلوق کی روزی کا ذمہ خود لے رکھا ہے، اس لیے ہر ایک کی روزی وہ خود پہونچا رہے ہیں۔ ہم ذرا اس بات پر غور کریں کہ ہمارے جسم کی وہ ضرورتیں کہ آنکھوں کی روشنی، زبان کے بول، کانوں میں آواز، جسم میں طاقت، جنہیں اللہ رب العزت کے سوا کوئی نہیں دے سکتا، وہ بغیر پیسے اور بغیر ہماری کسی محنت کے ہمیں مل رہی ہیں، تو روٹی، دال، یا بوٹی، کپڑے وغیرہ کیا یہ ہمیں پیسے سے یا ہماری محنت سے حاصل ہو رہی ہیں؟!!

نہیں میرے دوستو! یہ چیزیں بھی اللہ رب العزت ہی ہمیں دے رہے ہیں، پر دِکھ رہا ہے، چیزوں سے ملتے ہوئے۔ کیوں کہ یہی انسان کا امتحان ہے، کہ اللہ رب العزت نے اس دنیا کے اندر انسان کی روزی کا دارومدار انسان کے گمان پر رکھا ہے۔ اگر انسان کے اندر مال سے ہونے کا گمان ہے، تو اس کا کام مال سے ہوگا اور اگر دنیا میں پھیلی ہوئی چیزوں اور سامان سے کام ہونے کا گمان ہے، تو اس راستے سے ہوگا۔ اس گمان کا نقصان یہ ہے، کہ آدمی کے اندر جس چیز سے ہونے کا گمان ہوگا، وہ اسی چیز کا محتاج ہوگا۔

صحابہ والی بات اور صحابہ والا گمان، ہم مسلمانوں کے اندر پیدا ہو جائے، اس کے لیے ہم مسلمانوں کو سب سے پہلے ایمان سیکھنا پڑے گا۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت نے قیامت تک آنے والے انسانوں کے لیے صحابہ والا ایمان اور صحابہ والے اعمال کو نمونہ بنایا ہے۔

میرے دوستو! آج ایمان کو نہ سیکھنے کی وجہ سے، انسان امتحان کی چیزوں سے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ جب کہ اطمینان کا حاصل ہونا، اللہ تعالیٰ نے جسم کے صحیح استعمال پر رکھا ہے۔ ہمارے جسم کے اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی پر، ان کے حکموں پر استعمال ہونے لگیں، کہ آنکھ، کان، زبان، دماغ، ہاتھ، پیر اور شرمگاہ، حرام سے بچ جائیں۔ اس کے لیے مسجدوں میں ایمان کے حلقے لگا کر، ایمان کو سیکھنا ہے اور اتنا ایمان سیکھنا ہے، کہ ہمارے جسم کے اعضاء حرام سے بچ جائیں۔ ورنہ آج مسلمان حلال کمانے کے باوجود حلال کھانے کے باوجود اور حلال پہننے کے باوجود۔

حرام بول رہا ہے۔

حرام دیکھ رہا ہے۔

حرام سن رہا ہے، اور

حرام سوچ رہا ہے۔

ایمان کو نہ سیکھنے کی وجہ سے ہی آج مسلمان اپنے ایمان سے بے پرواہ ہے۔ اگر اسے اپنے ایمان کی پرواہ ہوتی تو یہ حرام سے بچ رہا ہوتا۔

ایمان کا نور دل سے نکل کر سر پر

مسلم شریف کی حدیث ہے ”کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب کسی مومن سے گناہِ کبیرہ ہو جاتا ہے تو ایمان کا نور اس کے دل سے نکل کر اس کے سر پر سایہ کر لیتا ہے، جب تک وہ توبہ نہیں کرتا، وہ نور اس کے جسم میں واپس نہیں آتا، سوچو ذرا! ہمیں اپنے ایمان کی کتنی فکر ہے؟!! کہ کیا ہم نے کبھی علماء کرام سے یہ جاننے کی ضرورت محسوس کی ہے، کہ گناہِ کبیرہ کیا کیا ہیں؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ میرے دوستو! ایمان کو نہ سیکھنے کی وجہ سے آج امت نے علم کو ایمان سمجھ لیا ہے اور نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو اسلام سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ اسلام کی بنیاد ہیں، اسلام نہیں ہیں۔ دعوت کی اس مبارک محنت سے یہی بات چاہی جارہی ہے، کہ مسلمان اپنے ایمان کو لے کر فکرمند ہو جائیں۔ اسی کے لیے حضرت مولانا سعد صاحب دامت برکاتہم، اپنی اپنی مسجدوں میں

ایمان کے حلقے قائم کرنے کے لیے، بار بار کہہ رہے ہیں۔

اب ایمان کے سیکھنے میں سب سے پہلے اللہ رب العزت کی ذات کا یقین اپنے دل میں پیدا کرنا ہے، وہ اللہ جس کے نام کے بول سے یہ ساری کائنات قائم ہے۔ حدیث میں آتا ہے، کہ جب تک اس دنیا میں اللہ کے نام کا بول زبان سے بولنے والا رہے گا، اس وقت تک یہ دنیا اسی طرح قائم رہے گی اور جس دن کسی کے منھ سے لفظ ''اللہ'' نہیں نکلے گا اس وقت چاہے زمین پر دس ارب انسان آباد ہوں۔

ان میں سے ایک ارب انسان، اس وقت انجینئر ہوں۔

ایک ارب انسان، ڈاکٹر ہوں۔

ایک ارب انسان، پروفیسر ہوں۔

ایک ارب انسان، سائنٹسٹ ہوں۔

ہر انسان، ارب پتی ہو۔

ہر انسان کے پاس دس دس کلو سونا ہو۔

غرض یہ کہ اس دنیا میں اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود، جس دن اس زمین پر کسی ایک انسان کے بھی منھ سے اگر لفظ اللہ نہیں نکلے گا، تو اسی دن یہ آسمان پھٹ جائے گا، زمین ریزہ ریزہ ہو جائے گی، سب کچھ ختم کر دیا جائے گا۔ اب بیٹھ کر سوچو! اس دنیا کے بارے میں، جس کو پانے کے لیے ہم کیا کچھ نہیں کر رہے ہیں، جب کہ ہر انسان کے لیے یہ دنیا مقدر ہو چکی ہے، انسان اپنے مقدر سے لڑائی لڑ کر کیا حاصل کر لے گا؟!!

جو دنیا، اللہ کے نام کے بول کی وجہ سے قائم ہے، جی ہاں! صرف منھ سے نکلے ہوئے بول، کہ آپ نے امریکہ میں رہنے والے اپنے بھائی کو فون کیا، اس نے آپ کے فون کو ریسیو کیا، تو آپ یہاں سے بولے ''ہیلو'' تو آپ کے منھ سے نکلے ہوئے بول ''ہیلو'' یہاں سے تیرہ ہزار پانچ سو چوّن (۱۳۵۵۴) کلومیٹر دور، ایک سیکنڈ میں ہوا میں ہوتے ہوئے ہندوستان سے امریکہ

پہونچ گیا، اگر منھ سے نکلے ہوئے ان بولوں کو کوئی آدمی پکڑنا چاہے، تو ٹیپ ریکارڈر میں کیسٹ لگا کر پکڑ سکتا ہے، یا موبائل سے ٹیپ کر کے پکڑ سکتا ہے۔

لفظ ''اللہ'' کی طاقت

میرے دوستو! ایمان کو نہ سیکھنے کی وجہ سے ہمیں لفظ ''اللہ'' کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے۔ ایک چور سے لفظ ''پولیس'' کی طاقت کے بارے میں پوچھو، کہ کوئی چور کے سامنے ''پولیس'' کہہ دے، تو اس کا کیا حال ہوتا ہے، کہ اس کا جسم کانپ اٹھتا ہے۔ ذرا سوچو! کہ جس اللہ کے بول پر ساری کائنات قائم ہے۔ اگر اس اللہ کا یقین کوئی اپنے دل میں پیدا کر لے تو آپ خود یہ بتلاؤ کہ یہ تمام کائنات کیا اس کے پیچھے پیچھے نہ چلے گی؟!۔ دیکھو! چور کے دل میں پولیس کی ذات اور اس کی طاقت کا یقین ہوتا ہے، اسی طرح مسلمان کے اندر اللہ کی ذات اور اس کی طاقت کا یقین ہونا چاہیے، جس کو ہم مسلمانوں نے اپنے اندر پیدا نہیں کیا، اگر پیدا کیا ہوتا، اللہ کا نام سن کر ہمارا بھی جسم کانپ اٹھتا، اللہ کا نام سن اگر ہمارا دل نہ ڈرے، یہ تو ہمارے لیے رونے والی بات ہے۔ کہ ایمان ہو اور دل نہ ڈرے ایسے کیسے ہوسکتا ہے۔ ہاں! یہ قرآن کی بات ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایمان کی نشانی بیان فرمائی،

﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾

''کہ ایمان والے تو وہی ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی خبریں انھیں سنائی جاتی ہیں، تو ان خبروں کو سن کر ان کے یقین بڑھ جاتے ہیں اور وہ لوگ صرف اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ (انفال:۲)

اب اگر کسی شخص نے اپنے دل کے اندر اللہ کی ذات کا، صفاتِ ربوبیت کے ساتھ یقین پیدا کر لیا ہے۔ تو جیسے ہی اس شخص کی زبان سے کوئی بول نکلیں گے، وہ بول، براہِ راست آسمانوں کو پار کرتے ہوئے عرش پر پہونچ جائیں گے۔ پھر براہِ راست اللہ رب العزت اپنی قدرت سے اس کا

کام بنائیں گے، جس طرح آج موبائل کے سامنے بول کر کام بنائے جارہے ہیں، صحابہؓ نے اس سے بڑے بڑے کام اللہ رب العزت سے آسمانوں کے اوپر سے بنوائے ہیں۔

ایک مرتبہ ابوریحانہؓ ناؤ پر جارہے تھے، اس پر بیٹھے ہوئے وہ سوئی سے اپنی کاپی کو سِل رہے تھے، اچانک ہوا کے جھونکے سے ان کے ہاتھ سے سوئی چھوٹ کر سمندر میں گر گئی، انھوں نے آسمان کی طرف دیکھ کر دعا کی، اے اللہ! تجھے تیری قسم میری سوئی واپس کردے! اتنا کہہ کر انھوں نے پانی میں دیکھا تو ان کی سوئی پانی کے اوپر پڑی ہوئی تھی، انھوں نے اپنی سوئی اٹھالی اور کاپی سلنے لگے۔

(اصابہ:۲۔۱۵۷)

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی باندی زنیرہؓ کو آزاد کیا، تو ان کی آنکھوں کی روشنی چلی گئی، اس پر قریش کے سردار نے کہا: تمہیں لات وعزّیٰ نے اندھا کردیا، یہ سن کر حضرت زنیرہؓ نے کہا: کہ تم لوگ غلط کہتے ہو، بیت اللہ کی قسم! لات وعزّیٰ کسی کے کام نہیں آسکتے، نہ ہی یہ کسی کو نفع پہونچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی کو نقصان پہونچا سکتے ہیں، اتنا کہنا تھا، کہ اللہ نے ان کی آنکھوں کی روشنی واپس کردی۔

(اصابہ:۴۔۳۱۴)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عمرؓ نے ہم لوگوں سے کہا کہ چلو ہم لوگ اپنی قوم کی زمین پر چلتے ہیں، چنانچہ ہم لوگ چل پڑے میں اور ابی بن کعبؓ جماعت سے کچھ پیچھے رہ گئے تھے اتنے میں ایک بادل تیزی سے آیا اور برسنے لگا تو ابی بن کعبؓ نے کہا اے اللہ! اس بارش کی تکلیف کو ہم سے دور کردے۔ چنانچہ ہم بارش میں چلتے رہے لیکن ہماری کوئی چیز بارش سے نہ بھیگی۔ جب ہم دونوں حضرت عمرؓ اور ان کے ساتھیوں کے پاس پہونچے تو ان لوگوں کے جانور کجاوے اور سارا سامان بھیگا ہوا تھا۔ ہم لوگوں کو بھیگا نہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے ہم سے پوچھا کہ کیا تم لوگ کسی دوسرے راستے سے آئے ہو؟ جس کی وجہ سے بارش سے نہیں بھیگے۔ میں نے ان سے بتلایا کہ ابی بن کعبؓ نے یہ دعا کردی تھی، کہ اے اللہ! ہم سے اس بارش کی تکلیف کو دور کردے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے اپنے ساتھ ہمارے لیے بھی دعا کیوں نہ کی؟۔

(منتخب الکنز:۴۔۱۳۲)

حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس سے ایک آدمی مشک لے کر گزرا، انھوں نے اس سے پوچھا کہ اس مشک میں کیا ہے؟ اس نے کہا، شہد ہے۔ حضرت خالدؓ نے دعا کی کہ اے اللہ! اسے سرکہ بنادے، جب وہ آدمی اپنے ساتھ والوں کے پاس پہونچا تو ان لوگوں سے کہا کہ آج میں جو شراب لایا ہوں، ویسی شراب عرب والوں نے کبھی پی نہ ہوگی، یہ کہہ کر اس نے مشک کا منھ کھول کر شراب انڈیلی ،تو شراب کی جگہ اس میں سے سرکہ نکلتا دیکھ کر اس نے کہا کہ اللہ کی قسم خالد کی دعا لگ گئی۔

(بدایہ والنہایہ: ۷۔۱۱۴)

حضرت ابن عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ زیاد حجاز مقدس کا بھی والی بننا چاہتا ہے، انھیں اس کی بادشاہت میں رہنا پسند نہ آیا، تو انھوں نے یہ دعا کی، اے اللہ! تو اپنی مخلوق میں سے جس کے بارے میں چاہتا ہے اسے قتل کروا کر اس کے گناہوں کے کفارے کی صورت بنا دیتا ہے۔ (زیاد) ابن سمیہ اپنی موت مرے، قتل نہ ہو، چنانچہ زیاد کے انگوٹھے میں اسی وقت طاعون کی گلٹی نکل آئی اور جمعہ آنے سے پہلے ہی مر گیا۔

(ابن عساکر، منتخب الکنز: ۵۔۲۳۱)

(کربلا میں) ایک آدمی نے کھڑے ہوکر پوچھا، کیا آپ لوگوں میں حسین (رضی اللہ عنہ) ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں ہیں۔ اس آدمی نے حضرت حسینؓ کو گستاخی کے انداز میں کہا، آپ کو جہنم کی بشارت ہو! حضرت حسینؓ نے فرمایا، مجھے بشارتیں حاصل ہیں، ایک تو نہایت مہربان رب وہاں ہوں گے، دوسرے وہ نبی ﷺ وہاں ہوں گے، جو سفارش کریں گے اور ان کی سفارش قبول کی جائے گی ،لوگوں نے پوچھا تو کون ہے؟ اس نے کہا، میں ابنِ جویریہ یا ابنِ جویزہ ہوں۔ حضرت حسینؓ نے یہ دعا کی ''اے اللہ! اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اسے جہنم میں ڈال دے۔ چنانچہ اس کی سواری زور سے بدکی جس سے وہ سواری سے اس طرح نیچے گرا، کہ اس کا پاؤں رکاب میں پھنسا رہ گیا اور وہ سواری تیز بھاگتی رہی اور اس کا جسم اور سر زمین پر گھسٹتا رہا، جس سے اس کے جسم کے ٹکڑے گرتے رہے۔ اللہ کی قسم! آخر میں صرف اس کی ٹانگ رکاب میں لٹکی رہ گئی۔

(ہیثمی: ۹۔۱۹۳)

آسمان سے انگور کے ٹوکرے کے ساتھ دو چادریں بھی

حضرت لیث بن سعدؒ کہتے ہیں کہ میں حج کو گیا، مکہ پہونچ کر میں عصر کی نماز کے وقت جبلِ ابوقبیس پر چڑھ گیا۔ وہاں میں نے ایک صاحب کو دعا مانگتے ہوئے دیکھا کہ وہ

''یَارَبِّ یَارَبِّ'' پھر

''یَارَبَّاهُ یَارَبَّاهُ'' پھر

''یَااَللّٰهُ یَااَللّٰهُ'' پھر

''یَاحَیُّ یَاحَیُّ'' پھر

''یَاقَیُّوْمُ یَاقَیُّوْمُ'' کہتے رہے پھر

پھر سات مرتبہ ''یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' کہا اور کہنے لگے، اے اللہ! انگور کھانے کو جی چاہ رہا ہے، انگور دے دے اور میری چادریں پرانی ہوگئی ہیں وہ بھی دے دے۔

لیثؒ کہتے ہیں، خدا کی قسم! ان کی زبان سے یہ لفظ پورے نکلے بھی نہیں تھے کہ ایک ٹوکرا انگوروں سے بھرا ہوا ان کے سامنے آسمان سے اترا، اس میں دو چادریں بھی رکھی ہوئی تھیں۔ حالانکہ اس وقت سارے عرب میں کہیں انگور کا نام ونشان نہیں تھا۔ انھوں نے انگور کا ایک گچھا ٹوکرے سے کھانے کے لیے نکالا تو میں نے آواز دے کر کہا کہ ان انگوروں میں میرا بھی حصہ ہے۔ انھوں نے پیچھے پلٹ کر دیکھا تو ان کی نظر مجھ پر پڑی، مجھ سے کہا کہ اس میں تمہارا حصہ کیسے ہے؟ میں نے کہا کہ جب آپ دعا کر رہے تھے تو میں آپ کی دعا پر آمین کہہ رہا تھا۔ یہ سن کر انھوں نے وہ گچھا مجھے پکڑا دیا اور کہنے لگے کہ اسے یہیں بیٹھ کر کھاؤ، میں نے اسے یہیں پر کھانے کے لیے مانگا ہے۔ گھر لے جانے کے لیے نہیں۔ میں نے وہ انگور لے کر کھائے تو بغیر بیج کے ان انگوروں کا میں عمر بھر مزہ نہ بھولا۔

(روض الریاحین)

ایک مرتبہ ابراہیم خواصؒ جنگل سے ہو کر جارہے تھے انھیں راستے میں ایک عیسائی ملا، اس نے

ان سے کہا کہ اے محمدی! مجھے بھی اپنے ساتھ لیتے چلو، انھوں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی، کہ ٹھیک ہے چلو، سات دن تک ہم دونوں بھوکے پیاسے چلتے رہے، ساتویں دن اس عیسائی نے مجھ سے کہا کہ اے محمدی! آج کچھ کھانے پینے کا انتظام کرو، تو میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کہ اے اللہ! اس کافر کے سامنے آج مجھے ذلیل نہ کیجئے گا، ہم لوگوں کے کھانے پینے کا انتظام کردیجئے، اسی وقت آسمان سے ایک خوان اترا، جس میں روٹیاں بھنا ہوا گوشت، تازی کھجوریں اور ساتھ میں پانی بھرا ہوا لوٹا بھی رکھا تھا۔ ہم دونوں نے اسے کھایا پیا اور چل دئے۔

سات دن تک ہم لوگ پھر بھوکے پیاسے چلتے رہے۔ ساتویں دن میں نے اس عیسائی سے کہا کہ آج تم کھانے پینے کا انتظام کرو۔ یہ سن کر وہ لکڑی کا سہارا لگا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر اس نے اپنی زبان سے کچھ کہا، بس اسی وقت آسمان سے دو خوان اترے، جن سے ہر چیز میرے خوان سے دوگنی تھی۔ یہ دیکھ کر میں حیران ہوگیا اور رنج کی وجہ سے میں نے کھانا کھانے سے انکار کردیا۔ اس عیسائی مجھ سے کہا کہ آپ کھانا کھالیجئے، پھر میں آپ کو دو خوشخبریاں سناؤں گا میں نے اس سے کہا کہ پہلے خوشخبری سناؤ، پھر میں کھانا کھاؤں گا، اس نے مجھ سے بتایا کہ تمہارے لیے پہلی خوشخبری یہ ہے، کہ میں مسلمان ہوگیا ہوں اور دوسری خوشخبری یہ ہے، کہ یہ جو آسمان سے کھانا آیا ہے، یہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے صدقۂ طفیل میں مانگا ہے۔

(فضائل صدقات)

حضرت عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ میں قافلے کے ساتھ جارہا تھا راستے میں میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ قافلے سے آگے آگے جارہی تھی میں نے خیال کیا کہ یہ ضعیفہ اس لیے آگے آگے جارہی ہے، کہ کہیں قافلے سے چھوٹ نہ جائے، میرے پاس چند درہم تھے، جنہیں میں اپنے جیب سے نکال کر اس کو دینے لگا اور میں نے کہا کہ جب قافلہ منزل پر ٹھہرے، تو مجھے تلاش کرکے مل لینا میں قافلے والوں سے کچھ چندہ کرکے تجھ کو دے دوں گا، جس سے تم اپنے لیے کرائے پر سواری لے لینا۔ اس نے میری بات سن کر اپنا ہاتھ اوپر کو اٹھایا تو اس کی مٹھی کسی چیز

سے بھر گئی، جب اس نے اپنا ہاتھ کھولا تو وہ درہم سے بھرا ہوا تھا۔ وہ درہم اس نے مجھے دئے اور مجھ سے بولی کہ تو نے جیب سے نکالے اور میں نے غیب سے لیے۔

(فضائل صدقات)

جسم کے سات اعضاء کی حرکتوں کا نام ''عمل'' ہے

میرے دوستو! اللہ رب العزت نے دنیا کا نظام انسان کے عمل کے ساتھ جوڑا ہے کہ انسان کے جسم سے جیسا عمل ہوگا، اللہ کی طرف سے اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ ہوگا۔ کیوں کہ غیبی نظام کا تعلق عمل سے ہے سبب سے نہیں ہے۔ اب یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ

عمل کسے کہتے ہیں؟

جسم سے نکلنے والی حرکت کو عمل کہتے ہیں۔

لوگ تو بیچارے روزہ، نماز، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کو ہی عمل سمجھتے ہیں۔ دیکھو! جسم کے سات اعضاء (آنکھ، کان، زبان، دماغ، ہاتھ، پیر اور شرمگاہ) سے جو بھی حرکت ہوگی، اس حرکت کا نام عمل ہے۔ انسان کے جسم کے یہ اعضاء اگر اللہ کے حکم پر اس کی مرضی پر استعمال ہوں گے، تو آسمانوں کے اوپر سے اسے کامیابی دلانے والے فیصلے نازل ہوں گے اور غیبی نظام اس کی حمایت میں آجائیں گے اور اگر ہم نے اپنے جسم کا استعمال اپنی مرضی پر کیا، تو ذلت، تکلیف، پریشانیوں اور بیماریوں سے ہمیں کوئی بچا نہیں پائے گا۔ یہ اللہ رب العزت کی طرف سے طے شدہ بات ہے، دنیا کی چیزیں اور مال وسامان ہمارے پاس چاہے جتنا ہو، فرشتوں کے ذریعہ چلایا جارہا غیبی نظام ہمارے خلاف ہوجائے گا، دیکھو ایک آدمی نے اپنی زبان سے صرف دو بول جھوٹ کے بولے کہ اس کے گھر پر ایک آدمی نے آکر اس کے بیٹے کو پوچھا، اس کا بیٹا گھر پر ہی تھا، لیکن اس نے اپنی زبان سے صرف دو بول نکالے کہ وہ گھر پر نہیں ہے، تو اس کی زبان سے نکلے ہوئے ان بول کی وجہ سے وہ فرشتہ جو اس کی طرف آنے والی بلاؤں اور مصیبتوں کو اس کے جسم سے دور کرتا تھا، اس کے اس عمل کی وجہ سے اس کے جسم سے ایک میل دور چلا جاتا ہے،

حضرت علیؓ نے فرمایا: ہر انسان پر دو ایسے فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں جو بلاؤں اور مصیبتوں کو اس کی طرف آنے سے روکتے ہیں، لیکن جب مقدر میں لکھا ہوا فیصلہ سامنے آجاتا ہے تو یہ دونوں فرشتے اس کے پاس سے ہٹ جاتے ہیں۔

(ابوداؤد)

کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ جب انسان جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

(ترمذی)

اس طرح حضرت بلال مزنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے اپنی زبان سے کوئی ایسا بول نکال دیتا ہے، جن بولوں کو وہ زیادہ اہم نہیں سمجھتا، لیکن ان بولوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک کے لیے اس سے راضی ہونے کا فیصلہ فرمادیتے ہیں۔

(ترمذی)

اللہ کرے ہم سب کو اپنی زبان سے نکلنے والے بولوں کی حقیقت کا علم ہوجائے۔ جی! صرف زبان سے نکلنے والے بولوں کی طاقت کا پتہ ہوجائے کہ حضرت ہشام بن عاص امویؓ فرماتے ہیں کہ جب ہم روم کے بادشاہ ہرقل کے محل میں پہونچے اور وہاں پہونچ کر اپنے منھ سے "لا الٰہ اِلّا اللہ، اللہ اَکبر" کے بول نکالے تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کے محل کا بالا خانہ ایسے ہلنے لگا جس طرح پیڑ کی ٹہنی کو ہوا ہلاتی ہے۔

(البدایہ والنہایہ)

اگر اپنی زبان سے نکلنے والے بولوں کی طاقت کی بات ابھی نہ سمجھ میں آرہی ہو تو اس حدیث سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی شخص ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے لا الٰہ اِلّا اللہ کے بول نکالے اور ان بولوں

کے لیے آسمانوں کے دروازے نہ کھل جائیں یہاں تک کہ یہ بول سیدھا عرش پر پہونچتا ہے بشرطیکہ وہ گناہِ کبیرہ سے بچتا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اگر تمام آسمان وزمین کا ایک گھیرا ہو جائے تو بھی لا الٰہ اِلّا اللہ کے بول اس گھیرے کو توڑ کر اللہ تعالیٰ تک پہونچ کر رہے گا۔ (بزاز)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ جب کوئی شخص لا الٰہ اِلّا اللہ کے بول بولتا ہے، تو ان بولوں کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، کہ یہ بول سیدھے عرش تک پہونچتے ہیں، عرش کے اوپر نور کا ایک ستون ہے، جو اِن بولوں کی وجہ سے ہلنے لگتا ہے، اللہ تعالیٰ سب کچھ جاننے کے باوجود ستون سے پوچھتے ہیں، کہ تو کیوں ہل رہا ہے؟ ستون عرض کرتا ہے کہ اِن بولوں کے بولنے والے کی ابھی مغفرت نہیں ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ ستون سے کہتے ہیں، تو ٹھہر جا! میں نے اس کی مغفرت کر دی۔

دیکھو! اس بات کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ آپ نے یہاں ہندوستان سے امریکہ میں رہنے والے کسی آدمی کو فون ملایا، اس کا فون وائبریٹ پر لگا ہوا میز پر رکھا ہے وہ سو (۱۰۰) گرام کا موبائل آپ کے فون ملانے پر وہاں امریکہ میں میز پر ہلنے لگتا ہے، اگر اس کے موبائل پر آپ کا نام فیڈ ہے، تو اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس شخص کو میری ضرورت ہے، کون مجھے فون کر رہا ہے۔

میرے دوستو! یہ تو صرف زبان سے نکلے ہوئے بول کی بات ہے، آنکھ، کان، دماغ، ہاتھ، پیر اور شرمگاہ سے ہونے والی حرکتوں کی طاقت کا بھی ابھی ہمیں اندازہ نہیں ہے۔ اسی کے لیے فضائل کی تعلیم ہے، کہ ہمیں پتہ تو چلے کہ ہمارے جسم کے صحیح استعمال پر آسمانوں کے اوپر سے کیا فیصلہ آئے گا اور اگر ہم نے اپنے جسم کو اپنی مرضی پر استعمال کیا تو آسمانوں کے اوپر سے کیا فیصلہ آئے گا۔ اس زمانے میں اس بات کو موبائل یا کمپیوٹر سے سمجھا جاسکتا ہے کہ موبائل یا کمپیوٹر کا ''کی بورڈ'' (Key bord) کہ اس کے جس بٹن پر ہاتھ رکھا جائے گا، اس کا نتیجہ اسکرین پر

ظاہر ہو جائے گا، ایسا نہیں ہے کہ کوئی امیر آدمی اس بٹن کو دبائے، تو کچھ اور نظر آئے اور غریب دبائے تو کچھ اور، موبائل یا کمپیوٹر کے کس بٹن سے اسکرین پر کیا ظاہر ہوگا۔ یہ بات موبائل یا کمپیوٹر بنانے والے نے پہلے ہی بتادی تھی، اگر اس طریقے سے ہٹ کر کوئی آدمی موبائل یا کمپیوٹر کا استعمال اپنی مرضی سے کرے گا، تو پریشانی میں پھنسے گا۔ ہاں یہ پکی بات ہے، اب اس کا استعمال کرنے والا چاہے

امیر ہو، یا غریب

پڑھا لکھا ہو یا اَن پڑھ

شہری ہو، یا دیہاتی

مرد ہو یا عورت

ٹھیک اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی انسان کے جسم کو بنا کر نبیوں کے ذریعہ سے استعمال کرنے کا طریقہ بتایا ہے، جو اس طریقے پر استعمال ہوگا، دنیا و آخرت میں وہی کامیاب ہوگا۔

انسان کی روزی روٹی

کپڑا اور مکان

صحت اور بیماری

عزت اور ذلت

کامیابی اور ناکامی

ان ساری چیزوں کا تعلق اللہ تعالیٰ نے انسان کے جسم سے ظاہر ہونے والے حرکتوں سے جوڑا ہے، جسم کی انھیں حرکتوں کو عمل کہتے ہیں، انسان جب ایمان کو نہیں سیکھتا ہے، تو یہ اپنی حاجتوں اور ضرورتوں کو کائنات میں پھیلی ہوئی چیزوں سے جوڑ لیتا ہے، حالانکہ جبرئیل سے لے کر چیونٹی تک کے ساری مخلوق کی ہر حاجت اور ہر ضرورت کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے پیدا کرتے ہیں اور وہی پوری کرتے ہیں۔

﴿اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا قَالَ اَنّٰى يُحْيِ هٰذِهِ اللّٰهُ

بَعْدَمَوْتِهَافَأَمَاتَهُ اللّٰهُ مِأَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْبَعْضَ يَوْمٍ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِأَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَالَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ﴾ (البقرة:۲۵۹)

دیکھو! عزیزؑ کی روح کو ان کے جسم سے سو (۱۰۰) سال تک نکالے رکھا تو عزیزؑ کو سو (۱۰۰) سال تک نہ کھانے پینے کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوئی، کیوں؟ کیوں کہ جسم سے روح نکال لی ہے۔

﴿فَضَرَبْنَاعَلٰى آذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا، ثُمَّ بَعَثْنَا هُمْ لِنَعْلَمَ اَىُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْا اَمَدًا﴾ (الکھف:۱۲-۱۳)

اسی طرح اصحابِ کہف کے چند لوگ جنہوں نے ایک غار میں پناہ لی تھی، اللہ تعالیٰ نے تین سو نو (۳۰۹) تک ان کی روح کو ان کے جسم سے نکالے رکھا انھیں بھی نہ کھانے پینے کی ضرورت پڑی اور نہ ہی پیشاب پاخانہ کی حاجت ہوئی۔

میرے دوستو! اللہ تعالیٰ ہر روز انسان کے جسم سے اس کی روح کو نکالتے ہیں اور مقدر میں لکھی جاچکی زندگی پوری کرنے کے لیے پھر واپس بھیج دیتے ہیں۔ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان گہری نیند میں سو جاتا ہے تو اس کی روح کو عرش پر چڑھایا جاتا ہے، جو روح عرش پر پہونچ کر جاگتی ہے، اس کا خواب سچا ہوتا ہے اور جیسے پہلے ہی جاگ جاتی ہے اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے۔

(ہیثمی)

کائنات والا راستہ، امتحان والا راستہ ہے

انسان کی روح جب اس کے جسم میں رہتی ہے تو اللہ تعالیٰ امتحان کے لیے اس کے جسم میں حاجتیں بھیجتے رہتے ہیں اور دیکھنا یہ چاہتے ہیں کہ میرا بندہ ان حاجتوں کو کس راستے سے

پوری کرتا ہے۔شرک والے راستے سے، یا توحید والے راستے سے۔شرک والا راستہ یہ ہے کہ انسان اپنے پلنے میں چیزوں کو شریک کر لیتا ہے کہ پالنے والے تو اللہ ہیں مگر سبب بغیر سبب کے کیسے پالے گا؟! توحید والا راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے پال رہے ہیں اور وہی اپنی قدرت سے پالیں گے ہاں ان کی قدرت سے پلنے کے لیے ان کے احکامات ہیں اور نمونے کے طور پر رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ ﷺ کا طریقہ ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے اندر انسان کے پلنے کے لیے دو راستے عطا فرمائے ہیں۔ ایک راستہ کائنات والا اور ایک راستہ احکامات والا۔کائنات والا راستہ امتحان والا راستہ ہے اور احکامات والا راستہ انعامات دلانے والا راستہ ہے۔اس زمانہ میں اگر کوئی انسان چاہے تو موبائل یا کمپیوٹر سے سمجھ سکتا ہے۔ دیکھو اگر آپ کو اپنے کمپیوٹر پر اردو میں کچھ لکھنا ہے تو اس کے لیے آپ کو اپنے کمپیوٹر میں اردو کا سافٹ ویئر ڈالنا پڑے گا اب اس سافٹ ویئر کو حاصل کرنے کے لیے دو راستے ہیں، ایک راستہ یہ ہے کہ آپ اسے بازار سے خرید کر لاؤ یعنی اپنی جان، مال اور وقت لگاؤ، دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ انٹرنیٹ کے ذریعہ براہِ راست اپنے کمپیوٹر میں ڈاؤن لوڈ کرو، تو براہِ راست فائدہ حاصل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ نے کمپیوٹر کا استعمال کرنا سیکھا ہو۔تو ایک طرف دوکان سے خرید کر لانا اور دوسری طرف ہوا کے راستے سے آنا۔صحابہ کرامؓ نے اللہ کے حکموں پر اپنے جسم کو استعمال کرنا سیکھا تھا۔جس کے وجہ سے وہ براہِ راست آسمانوں کے اوپر سے اپنی ضرورتوں کو پورا کراتے تھے۔ جیسے حجیر بن ابی اِہاب کی باندی حضرت ماویہؓ فرماتی ہیں کہ حضرت خُبَیبؓ کو میرے گھر کی ایک کوٹھری میں قید کر کے رکھا گیا تھا، ایک بار میں نے دروازے کے دراز سے جھانکا تو ان کے ہاتھ میں انسان کے سر کے برابر انگور کا ایک خوشہ تھا، جس میں سے وہ انگور توڑ توڑ کر کھا رہے تھے جب کہ اس وقت پورے عرب میں کہیں انگور نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا زنار کاٹ ڈالا اور مسلمان ہو گیا۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ ضرورتوں کے پورا کرنے میں کسی کے محتاج نہیں ہیں۔

(اصابہ:۱۔۴۱۹)

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ کا آخری خطاب

ان راستوں اور ان باتوں کو حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے اپنے انتقال سے بیس دن پہلے پاکستان کے سفر میں بیان فرمایا تھا جسے نیچے لکھا جا رہا ہے۔

حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے فرمایا: بھائیو دوستو! اپنی زندگی میں حضور ﷺ کے وہ طریقے لاؤ جو اللہ رب العزت نے اپنی ذات سے پلنے کے لیے دئے ہیں کیوں کہ نبوت ملنے کے بعد حضور ﷺ نے انسانوں سے لینے کا کوئی راستہ اختیار نہیں فرمایا ہے، اپنے طائف، تبوک، یمن، حضرموت، اور نجد والوں کو نماز بتلائی کہ جو کلمہ پڑھے نماز بنانے کی محنت کرے۔ جب یہ یقین بنے کہ اللہ رب ہے اور راستہ نماز ہے اور اسی بات کی دعوت بھی دی جا رہی ہو۔ تو دنیا کی ترتیب بدلے گی۔ اس لیے نماز کو اندر سے بناؤ۔ کیوں کہ مسئلہ کا تعلق اندر سے ہے، جب یہ بنا لو، تو نماز کی بنیاد پر تین لائن ٹھیک کرو،

گھر،

کاروبار،

اور معاشرت،

حضور ﷺ کے راستے میں بھی کمائی اور گھر ہے اور انسانوں کے راستے میں بھی کمائی اور گھر کے نقشے ہیں۔ کمائی سے پرورش نہیں ہوتی، بلکہ اللہ سے پرورش تو اللہ کا حکم مان کر لیں گے۔ جب یہ بات ہے کہ کمائی سے پرورش نہیں ہو رہی ہے، تو پھر کیوں کمایا جائے، تو پہلے نماز سے پرورش لو۔ لیکن نماز کے بعد دو راستے ہیں

کمانا

اور نہ کمانا

اگر کوئی نہ کمائے اور صرف نماز پڑھ کر اللہ سے لے، تو بھی ٹھیک ہے۔ پر اس میں شرط صرف یہ ہے، کہ اگر نہ کماؤ، تو

کسی مخلوق کا مال نہ دبانا،

کسی کے سامنے اپنے حال کا اظہار نہ کرنا،
کسی سے سوال نہ کرنا،
اشراف نہ کرنا،
تکلیف پہونچے تو جزع فزع نہ کرنا،
ہر حال میں اللہ سے راضی رہنا،
اگر یہ باتیں اندر پیدا ہو جائیں، تو کمائی کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی مثال کے لیے
چاروں سلسلے کے اولیاء اللہ ہیں،
حضور ﷺ ہیں،
حضرت عیسیٰؑ ہیں،
اصحابِ صفہ ہیں
اور اسی طرح لاکھوں مثالیں ہیں جنہوں نے صرف نماز سے اپنی پرورش کا کام چلایا ہے۔ اس لیے اگر نہ کمانا ہو تو غصب، اشراف، سوال، جزع فزع اور گھبراہٹ نہ ہو ہاں اگر کماتے ہو تو اس کی بنیاد یہ ہے کہ کمائی سے پرورش نہیں ہوگی۔ اللہ سب کچھ نماز سے دیں گے۔ میں پرورش کے لیے نہیں کماؤں گا بلکہ حضور ﷺ کے طریقہ کمائی میں چلانا ہے۔ ہم کمائی کے شعبوں میں اللہ کے حکموں کو پورا کرنے جارہے ہیں، ہمیں یہ یقین سیکھنا ہے کہ اللہ پال رہے ہیں اس لیے اللہ کے حکموں کو توڑ کر نہیں کمانا ہے، اب جو چیزیں حلال ہیں ان سے کمانے کے دو طریقے ہیں ان میں ایک طریقہ حلال ہے اور ایک طریقہ حرام ہے۔ کہ سور، کتا، بلی، وغیرہ کا کھانا حرام ہے اور بکری، گائے، مرغی اور ہرن حلال ہے۔ ان حلال میں بھی حلال اور حرام بنے گا۔ اگر " بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰه اَكْبَرُ " کہہ کر ذبح کیا ہے، تو یہ حلال ہے اور اگر " بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰه اَكْبَرُ " نہیں کہا ہے تو پھر یہ حرام ہے، اگر " بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰه اَكْبَرُ " کہا پر بجائے گردن پر چھری پھیرنے کے پیٹ سے کاٹا تو حرام، کیونکہ طریقہ غلط تھا، اس لیے اگر کمانا ہے تو مسائل کی پابندی کے ساتھ کماؤ، اس لیے کہ جو بات نماز میں کہی، وہی کمائی میں کہو کہ " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ " کہ جب اس طرح سے ہماری

کمائی ہوگی، تو دنیا میں چمکنا اور پھلنا پھولنا ہوگا۔ زلزلہ، سیلاب یا بمباری ہو، پر ہماری دوکان اور گھر کا بال بیکا نہ ہوگا، کیونکہ اللہ کے محبوب کا طریقہ ہے۔ چاہے دوکان مٹی کی ہو، اگر حضور ﷺ کا طریقہ ہے، تو ایٹم بم سے زیادہ طاقتور ہے۔

(حضرت جی کی یادگار تقریریں)

''بلال پارک لاہور'' سے صدائے ایمان

اسی طریقہ اپنے انتقال سے اٹھارہ گھنٹے پہلے یعنی ۱؍اپریل ۱۹۶۵ء ''بلال پارک لاہور'' میں مغرب کی نماز کے بعد حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے جو بیان فرمایا، اسے بھی نیچے لکھا جارہا ہے تاکہ کسی طرح یہ باتیں ہماری سمجھ میں آجائے۔ حضرت نے فرمایا:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّۃِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَشْتَھِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْھَا مَا تَدَّعُوْنَ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ﴾ (حم سجدہ: ۳۰۔۳۲)

اللہ رب ہے یہ لفظ نہیں، بلکہ ایک محنت ہے، جس طرح کوئی شخص اگر یہ کہے، کہ میں دوکان سے پلتا ہوں، یا کھیتی سے، یا ملازمت، یا حکومت سے پلتا ہوں، تو یہ کہنا، لفظ نہیں ہے بلکہ محنت ہے، اتنا کہنے کے بعد محنت شروع ہوجاتی ہے، کہ زمین خریدتا ہے ہل چلاتا ہے، بیج ڈالتا ہے، پانی لگاتا ہے۔ غرض اس لفظ کے پیچھے ایک لمبی چوڑی محنت کی زندگی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب کوئی یہ کہے کہ ہمارے رب اللہ ہیں، تو صرف یہ کہہ کر بات ختم نہیں ہوئی، بلکہ شروع ہوئی کہ جب اللہ پالنے والے ہیں تو غیروں سے پلنے کا یقین دل سے نکالیں، یہ پہلی محنت ہوئی کہ میں زمین و آسمان اور اس کے اندر کی چیزوں سے نہیں پلتا، بلکہ اللہ سے پلتا ہوں۔ ان کو محنت کرکے دل کا یقین بناؤ۔ اس یقین کو رگ و ریشہ میں اتارنے کے لیے محمد ﷺ کی زندگی اور اپنا طریقہ ہے۔

''اللہ سے پلتا ہوں'' اس بول کی حقیقت دل میں اتارنے کے لیے ملک و مال، تجارت و کھیتی کی محنت نہیں ہے، بلکہ اس لفظ پر نبیوں والی محنت اور حضور ﷺ والی محنت کرنی ہوگی، یعنی محنت کرکے

اس حقیقت تک پہنچو، کہ ہمیں سیدھے سیدھے اللہ سے پلنا ہے، اللہ کو پالنے میں کھیتی اور دوکان کی ضرورت نہیں ہے، وہ اپنے حکموں سے پالتے ہیں۔ اگر یہ حقیقت دل میں پیدا ہو جائے، تو امریکہ اور روس بھی تمہاری جوتیوں میں ہوگا۔ بس شرط اتنی ہے کہ یہ صرف زبان کے بول نہ ہوں، بلکہ دل کے اندر کی حقیقت ہوں، اس کے لیے حضور ﷺ کے طریقے پر محنت کرو۔ اللہ تربیت کرنے والے ہیں اللہ کو معبود بنا کر اللہ کی عبادت کر کے پلنا ہے۔ اگر عبادت سے پلنے پر محنت کرو گے تب دل میں اترے گا، عبادت نماز ہے نماز تمہارے استعمال کا اپنا طریقہ ہے۔ زمین یا موٹر یا جانوروں کے طریقے کا نام نماز نہیں ہے۔ بلکہ اپنی آنکھ، زبان، کان، ہاتھ، پیر اور دماغ کو اس طرح استعمال کرنا سیکھو، جس طرح حضور ﷺ نے استعمال کیا ہے۔ نماز کیا ہے؟ نماز کائنات سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے دونوں دنیا میں لینے کے واسطے ہمارے اپنے جسم کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ نماز ہے ہم کو صرف اللہ پالے گا، بس ہمارے اپنے جسم کا استعمال حضور ﷺ کے طریقے پر ہو جائے۔

(حضرت جی کی یادگار تقریریں)

ایک موقعہ پر حضرت مولانا یوسف صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا: کہ لوگو کو یہ دھوکہ لگا ہے، کہ میں چیزوں سے پلتا ہوں، اللہ رب العزت چیزوں سے نہیں پالتے بلکہ ہر ایک کو اپنی قدرت سے پال رہے ہیں۔ اللہ کی قدرت سے فائدہ اٹھانے کے لیے عبادت ہے۔ حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو ظاہر کے خلاف، عمل کر کے دعا مانگ کر اللہ کی قدرت کے ذریعہ اپنے سارے مسئلوں کو حل کرنا سکھلایا تھا۔ اللہ کی قدرت سے فائدہ حاصل کرنے کے لیے اللہ کی ذات اور صفات کا یقین، اللہ کی عبادت اور اللہ کے بندوں سے ہمدردی خدمتِ خلق اور اخلاصِ عمل کے ذریعہ صحابہؓ کو دعا کی قوت حاصل ہوگئی تھی۔ دعا ایک ایسی بنیاد ہے کہ مال سے تو تم ناکام ہو سکتے ہو، لیکن تم

مالدار ہو یا مفلس

امیر ہو یا فقیر

حاکم ہو یا محکوم

بیمار ہو یا تندرست

ہر صورت میں اللہ تعالیٰ تم کو دعا کے ذریعہ ضرور کامیاب کرے گا۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہؓ کو دعا کے راستے اپنی ضرورتوں کا پورا کرانا خوب اچھی طرح سکھلایا تھا۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں مسئلوں میں ان کی دعائیں خوب چلا کرتی تھیں۔

(حضرت جی کی یادگار تقریریں)

میرے دوستو! آج ہمیں ایمان کے سیکھنے کی ضرورت اس لیے نہیں ہے اور ہم ایمان کو اس لیے نہیں سیکھ رہے ہیں کیوں کہ ہمارے سارے کام پیسے سے ہو رہے ہیں۔ اس لیے مال کو کمانا سیکھنا اور پھر مال کا کمانا، یہی ہماری زندگی کا مقصد بن گیا ہے۔

بخاری شریف کی حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ خدا کی قسم! مجھے تمہارے اوپر فقر اور فاقے کا خوف نہیں ہے، بلکہ اس کا خوف ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہو جائے، جیسا کہ تم سے پہلی امتوں پر ہو چکی ہے، پھر تمہارا بھی اس میں دل لگنے لگے جیسا کہ ان کا لگنے لگا تھا، پس یہ چیز تمہیں بھی ہلاک کر دے گی، جیسا کہ پہلی امتوں کو کر چکی ہے۔

بڑے شرم کی بات ہے، کہ جس چیز کو ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ نے اس امت کا فتنہ بتلایا ہو، اسی چیز کو آج ہم مسلمانوں نے اپنا رب اور معبود بنایا ہوا ہے۔ اب ہمیں کیسے پتہ چلے کہ ہم نے مال کو معبود بنایا ہوا ہے؟ تو اس بات کو جاننا بہت آسان ہے۔ کیسے؟ تو وہ اس طرح سے کہ جب تم اپنے گھر میں داخل ہو اور تمہارے گھر والے تم سے کہیں کہ گھر میں آٹا ختم ہو گیا، جاؤ آٹا لے کر آؤ۔ تم تمہیں فوراً پیسہ کا خیال آئے گا، جس جیب میں ہیں اس جیب کا خیال آئے گا، جیب میں نہیں ہیں الماری میں ہیں تو الماری کا خیال آئے گا، اگر الماری میں نہیں ہیں، بینک میں ہیں تو بینک کا خیال آئے گا۔ غرض یہ کہ ہر چیز کا تو خیال آئے گا۔ پر رب کا خیال نہ آئے گا۔ اب فیصلہ کرو ہم نے کسے اپنا رب بنایا ہوا ہے؟!! تو پتہ یہ چلے گا کہ حضور ﷺ کی بات سچی، کہ ہم نے مال ہی کو اپنا رب بنایا ہوا ہے اور اسی کو حاصل کرنے کے لیے ہمارا جینا اور مرنا ہے ہم اپنی زبانوں سے تو یہ کہتے ہیں کہ

چیونٹی سے لے کر جبرئیل تک
زمین سے لے کر آسمان تک
ذرے سے لے کر پہاڑ تک
قطرے سے لے کر سمندر تک

کسی سے کچھ نہیں ہوتا، پر دلوں کے اندر مال کا یقین بیٹھا ہوا ہے، کہ کرنے والی ذات تو اللہ ہی ہے، پر مال کے بغیر کچھ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ مال سے چیزیں اور سامان ملے گا اور چیزوں اور سامان سے کام بنے گا۔ حالانکہ یہ ساری دنیا مردار ہے تو بھلا مردے سے کیا ہوگا؟ یہ سوچنے والی بات ہے کہ خبر حضور ﷺ نے دی ہے کہ یہ ساری دنیا مردار ہے اور

اس کو چاہنے والے
اس کو پانے والے
اس کو حاصل کرنے والے
اور اس کی طلب رکھنے والے

کتے ہیں۔ اس لیے کہ مردار کو کتوں کے علاوہ اور کوئی پسند نہیں کرتا۔

میرے دوستو! جس کائنات کو بنانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے پھر دوبارہ اسے دیکھا نہ ہو، آج ایمان نہ سیکھنے کی وجہ سے ہم نے اسی سے اپنے مسئلوں کو جوڑ لیا۔

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: کہ کوئی بندہ اللہ کے یہاں چاہے جتنی عزت وشرف والا ہو، لیکن جب دنیا کی کوئی چیز یا سامان اسے ملتا ہے تو اس چیز کے لینے کی وجہ سے اللہ کے یہاں اس کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔

(حلیہ:۱۔۳۰۶)

تمہارے ساتھ وہ ہوگا جو انبیاء اور صحابہ کے ساتھ ہوا

میرے دوستو! جب ہم ایمان کو سیکھتے ہوئے دعوت کے عالمی تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، اپنے جسم کے اعضاء کو اللہ کی مرضی پر استعمال کریں گے، جس طرح حضور ﷺ نے استعمال کر کے دکھلایا ہے، تو پھر وہ ہوگا، جو انبیاء اور صحابہ کے ساتھ ہوا ہے۔ کہ

بنی اسرائیل کو چالیس (۴۰) سال تک منّ اور سلویٰ آسمان سے اتار کر دکھلایا۔

مریم بن عمرانؑ کو ان کے کمرے میں آسمان سے پھل اتار کر کھلایا۔

بنی اسرائیل کو پتھر سے بارہ چشمے نکال کر پانی پلایا۔

موسیٰؑ کو جب ان کی ماں نے لکڑی کے صندوق میں بند کر کے دریائے نیل میں بہادیا تو تین دن اور تین رات تک انھیں کے ہاتھوں کے انگوٹھوں سے دودھ اور شہد نکال کر پلایا۔

عیسیٰؑ کے حواریین کو تھال میں رکھ کر آسمان سے پکا ہوا کھانا اتار کر کھلایا۔

ابراہیمؑ کو جب نمرود نے آگ میں پھینکا تو آگ کو باغ بنا کر چالیس (۴۰) دن تک باہر سے نظر آنے والی اس آگ کے اندر ہی آسمان سے کھانا اتار کر کھلایا۔

ابراہیمؑ کے مقابلے پر آئے ہوئے نمرود اور اس کی فوج کو مچھروں سے ہلاک کرایا۔

ابرہہ کے لشکر کو چڑیوں سے کنکریاں پھنکوا کر تباہ کر کے دکھلایا۔

بنی اسرائیل کو دریائے نیل میں راستہ بنا کر نکالا۔

یوسفؑ کو غلام سے بادشاہ بنایا۔

اسماعیلؑ کے لیے زمزم کو نکالا۔

ایوبؑ کے سڑے ہوئے جسم کو صحیح سالم بنایا۔

عیسیٰؑ کو دشمن سے بچا کر آسمان پر اٹھایا۔

صالحؑ کی قوم کے لیے پہاڑ سے اونٹنی نکالا۔

یونسؑ چالیس (۴۰) دن مچھلی کے پیٹ میں رکھ کر باہر نکالا۔

داؤدؑ کے ہاتھوں میں لوہے کو موم بنایا۔

سلیمانؑ کو تمام مخلوق پر بادشاہ بنایا

زکریاؑ کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرمایا۔

موسیٰؑ کی لاٹھی کو جادوگروں کے سامنے سانپ بنایا۔

ابراہیمؑ کی بیوی سارہؓ کی عزت بچانے کے واسطے فرعون کے جسم کو پتھر کا بنایا۔
بنی اسرائیل کے چہروں کو سور اور بندر بنایا۔
نوحؑ کی قوم کو سیلاب میں غرق کر کے دکھلایا۔
میرے دوستو! اگر ہم لوگ بھی اللہ کے حکموں کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو اللہ رب العزت ظاہر کے خلاف اپنی قدرت سے ہماری تمہاری ضرورتوں کو بھی پورا کرے گا۔ کہ
کبھی تمہاری ضرورت کی چیزوں کو دوسروں سے ہدیہ دلا کر پورا کرائے گا۔
کبھی حضرت مقدادؓ کی طرح چوہے سے سونا (اشرفی) بھجوائے گا۔
کبھی امِ ایمنؓ کی طرح آسمان سے پانی کا بھرا ڈول اتارے گا۔
کبھی حضرت خبیبؓ کی طرح بند کمرے میں آسمانوں سے اتار کر انگور کھلائے گا۔
کبھی تمہاری چکی سے آٹا نکال کر کھلائے گا۔
کبھی امِ سائبؓ کی طرح تمہارے مردہ بچے کو زندہ کرے گا۔
کبھی عبداللہ بن جحشؓ کی طرح ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹہنی کو تلوار بنائے گا۔
کبھی طفیل بن عمرو دوسیؓ کی طرح تمہارے کوڑے میں روشنی داخل کرے گا۔
کبھی سعد بن وقاصؓ کی طرح تمہارے لیے دریا کو مسخر کرے گا۔
کبھی تمیم داریؓ کی طرح تمہارے لیے آگ کو مسخر کرے گا۔
کبھی حضرت عمرؓ کی طرح تمہاری بھی آواز تین (۳۰۰) سو میل دور پہونچائے گا۔
کبھی علاء حضرمیؓ کی طرح تمہارے لیے سمندر کو مسخر کرے گا۔
کبھی حمزہ بن عمرو اسلمی کی طرح تمہارے ہاتھ کی انگلیوں سے ٹارچ کی طرح روشنی نکالے گا۔
کبھی حضرت سفینہؓ کی طرح شیر سے رہبری کرائے گا۔
کبھی صحابہ کی سمندر سے عنبر مچھلی بھیجے گا۔
کبھی حضرت ابو معلّق کی طرح تمہارے دشمن کو ہلاک کرنے کے لیے چوتھے آسمان کے

فرشتے کو بھیجے گا۔

کبھی زید بن حارثہؓ کی طرح تمہارے لیے بھی ساتویں آسمان سے فرشتے کو اتار کر تمہاری مدد کے لیے بھیجے گا۔

کبھی حضرت امامہؓ کی طرح تمہارے کمرے میں تین سو (۳۰۰) اشرفی اتارے گا۔

کبھی بدر اور احد کی طرح تمہارے لیے بھی آسمانوں سے فرشتوں کو اتارے گا۔

کبھی ابو ہریرہؓ کی طرح تمہارے بھی توشہ دان سے پچیس (۲۵) سال تک کھجوریں نکال کر کھلائے گا۔

کبھی عکاشہ بن محصنؓ کی طرح تمہاری بھی لکڑی کو تلوار بنادے گا۔

کبھی رات کے اندھیرے میں میں ایک صحابی کی طرح تمہاری لاٹھی سے روشنی نکال کر ٹارچ کی کمی کو پورا کرے گا۔

کبھی ابی بن کعبؓ کی طرح بارش کے پانی سے سفر کے دوران بھیگنے سے بچائے گا۔

کبھی خالد بن ولیدؓ کی طرح تمہارے کہنے پر شراب کو سرکہ بنائے گا۔

کبھی حضرت عوفؓ کی طرح تمہیں دشمن کی قید سے رسی کو کھول کر آزاد کرائے گا۔

کبھی ہشام بن عاصؓ کی طرح دشمن کے حملہ میں ""لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ"" کے کہنے پر اس کا بالا خانہ ٹوٹ کر گر جائے گا۔

غیبی نظام

﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ، وَمَاهِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ﴾
""تمہارے رب کے لشکروں (فرشتوں) کو تمہارے رب کے سوا کوئی نہیں جانتا"" (مدثر:۳۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے جو فرشتے پیدا

فرمائے ہیں، ان میں غور وفکر کرو۔

(تفسیر کشاف۔حدیث:۱۱۹۳)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ساتوں آسمانوں میں ایک بالشت کے برابر بھی کوئی ایسی جگہ نہیں ہے، جہاں پر فرشتے نہ ہوں۔ کوئی قیام میں، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدے میں ہے۔ پس جب قیامت کا دن ہوگا، تو سب مل کر عرض کریں گے (اے اللہ!) آپ کی ذات پاک ہے، ہم نے آپ کی عبادت اس طرح نہیں کی، جس طرح آپ کی عبادت کرنے کا حق تھا۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ ہم نے آپ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرایا۔

(ابن ابی حاتم)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی مخلوق میں فرشتوں سے زیادہ کوئی مخلوق نہیں ہے۔ زمین پر کوئی بھی ایسی چیز نہیں اگتی، جس کے ساتھ ایک موکّل فرشتہ نہ ہوتا ہو۔

(ابوشیخ)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو نور سے پیدا کیا، پھر اس میں روح ڈالی۔ پس فرشتے پیدائش کے اعتبار سے مکھی سے بھی چھوٹے ہیں، پر ان کی تعداد گنتی کے اعتبار سے ہر چیز سے زیادہ ہے۔

(مسند بزاز)

حضرت ابوسعیدؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: معراج میں جب میں اور جبرئیل پہلے آسمان پر پہونچے تو وہاں اسماعیل نام کا ایک فرشتہ ملا، جو پہلے آسمان کے فرشتوں کا سردار ہے۔ اس کے سامنے ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے ہیں۔ ان میں سے ایک کے ساتھ میں ایک ایک لاکھ فرشتوں کی جماعت ہے۔

(ابن ابی حاتم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:
فرشتوں کو نور سے پیدا کیا گیا۔

جنات کو بھڑکتی آگ سے پیدا کیا گیا۔
آدم کو اس چیز سے پیدا کیا گیا ہے، جس کی صفت اللہ تعالیٰ نے تم سے بیان فرمائی ہے۔ (یعنی مٹی سے)

(مسلم: کتاب الزھد)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''ملک الموت'' کو انسانوں کی روح نکالنے کا کام سونپا گیا ہے۔ جنات کے لیے اور فرشتے مقرر ہیں۔ شیطانوں، پرندوں، مچھلیوں اور چیونٹیوں کی روح نکالنے کے لیے دوسرے فرشتے مقرر ہیں۔

(زدیبر فی تفسیر یہ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک بار ہم لوگوں پر) بادل نے سایہ کیا، تو ہم نے اس سے (بارش کی) امید کی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو فرشتہ بادلوں کو چلاتا ہے وہ ابھی حاضر ہوا تھا، اس نے مجھے سلام کیا اور بتلایا کہ وہ اس بادل کو وادیِ یمن کی طرف لے جا رہا ہوں، اس جگہ کا نام زرعہ ہے۔ جہاں اس کا پانی برسے گا۔

(ابوعوانہ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہودی لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے اے محمد! ہمیں بتلائیے یہ ''رعد'' کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''رعد'' اللہ کے فرشتوں میں ایک فرشتہ ہے، جو بادلوں کا نگراں ہے۔ اس کے ہاتھ میں آگ کا کوڑا ہے، جس سے بادلوں کو تنبیہ کرتا ہے۔ اور جہاں کا اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتے ہیں، وہاں (بادلوں کو) لے جاتا ہے۔ ''برق'' اس فرشتے کا بادل کو کوڑا مارنا ہے۔ یہودیوں نے کہا، آپ نے سچ فرمایا۔

(احمد، ترمذی)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ''رعد'' وہ فرشتہ ہے، جو بادلوں کو تسبیح سے چلاتا ہے، جس طرح اونٹوں کو گا کر ہانکنے والا ہکاتا ہے۔ اسی طرح وہ بادلوں کو ڈانٹتا ہے، جس طرح چرواہا اپنی بکریوں کو ڈانٹتا ہے۔

(ابن منذر، ابن ابی الدنیا)

حضرت ابن عمرؓ سے "رعد" کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے "رعد" کو بادلوں کے چلانے کی ذمہ داری سپرد کی ہے۔ پس جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتے ہیں کہ کسی بادل کو کسی جگہ بھیجیں تو رعد کو حکم فرماتے ہیں اور وہ بادلوں کو چلا کر وہاں لیجاتا ہے اور جب بادل بکھرتا ہے تو اپنی آواز سے ڈانٹا ہے، یہاں تک کہ وہ پھر مل جاتا ہے، جس طرح تم میں سے کوئی آدمی اپنی رکابوں کو جمع کرتا ہے۔

(ابوشیخ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ملک الموت جو سارے زندہ انسانوں کی روح نکالتا ہے وہ ساری زمین والوں پر اس طرح مسلَّط ہے، جس طرح سے تم میں سے ہر ایک آدمی اپنی ہتھیلی پر مسلط ہوتا ہے، ملک الموت کے ساتھ رحمت اور عذاب دونوں قسم کے فرشتے ہوتے ہیں، جب کسی پاکیزہ نفس کو وفات دیتا ہے تو اس کے پاس رحمت والے فرشتے بھیجتا ہے اور نافرمان کی روح نکالنے کے لیے اس کی طرف عذاب کے فرشتے بھیجتا ہے۔

(زوبیر)

حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ انسان اس وقت تک نہیں روتا، جب تک کہ اس کے پاس ایک فرشتہ نہیں بھیجا جاتا۔ وہ فرشتہ آکر اس کے جگر پر اپنا پر رگڑتا ہے، اس کے پر رگڑنے سے انسان رونے لگتا ہے۔

(ابنِ عساکر)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کچھ فرشتے ایسے بھی ہیں، جو پیڑوں سے گرنے والے پتے تک کو لکھتے رہتے ہیں۔ سو! تم میں سے جب کوئی کسی علاقے میں راستہ بھٹک جائے اور کوئی مددگار نہ ملے تو اسے چاہیے کہ بلند آواز سے یہ کہے:

"اے اللہ کے بندو! ہماری مدد کرو۔!

اللہ تم پر رحم فرمائے"

تو اس کی مدد کی جائے گی۔

(طبرانی)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، کہ سمندر ایک فرشتے کی گرفت میں ہیں۔ اگر وہ اس سے غافل ہو جائے، تو اس کی موجیں زمین پر ٹوٹ پڑیں۔

(ابن ابی حاتم)

حضرت زمرہ بن حبیبؒ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں، کہ کسی بندے کے عمل کو لے کر فرشتے جب آسمان پر پہونچتے ہیں، جسے وہ بڑا اور پاکیزہ سمجھتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی فرماتے ہیں کہ تم میرے بندوں کے عمل کے نگراں ہو، لیکن ان کے دلوں میں کیا ہے، یہ صرف میں جانتا ہوں۔ میرے بندے نے یہ عمل میرے لیے نہیں کیا ہے۔ اس لیے یہ عمل سجّین (ساتویں زمین کے نیچے ایک عالم ہے) میں پھینک دو۔ اسی طرح کسی اور بندے کا عمل لے کر جب فرشتے آسمان پر پہونچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی فرماتے۔ کہ تم عمل کے نگراں ہو، لیکن اسکے دل میں کیا ہے؟ یہ میں جانتا ہوں۔ اس عمل کو کئی گنا کر دو اور اسے علیّین میں اس کے لیے رکھ دو۔

(درِ منثور: ۶۔ ۳۲۵)

حضرت حنظلہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت حنظلہؓ سے فرمایا: اگر تمہارا حال ویسا رہے، جیسا میرے پاس رہنے پر ہوتا ہے، یا ہر وقت تم اللہ کے ذکر میں مشغول رہو، تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تمہارے پاس جا کر تم سے مصافحہ کرنے لگیں، لیکن ''اے حنظلہ!'' یہ کیفیت دھیرے دھیرے پیدا ہوتی ہے۔

(مسلم)

حضرت امِ عِصمہ اوشیہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان جب گناہ کرتا ہے، تو گناہ لکھنے والا فرشتہ جو اس کے کندھے پر موجود ہے، وہ گناہ کو لکھنے سے تین گھڑی ٹھہر جاتا ہے، تاکہ گناہ کرنے والا شاید اس درمیان توبہ کر لے۔

(مستدرک حاکم)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم مرغے کی آواز سنو تو اللہ

تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو، کیوں کہ مرغے فرشتوں کو دیکھ کر آواز دیتے ہیں اور جب تم گدھوں کی آواز سنو تو شیطان سے اللہ کی پناہ مانگو، کیونکہ گدھے شیطان کو دیکھ کر بولتے ہیں۔

(بخاری)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی سونے کے لیے بستر پر جاتا ہے تو ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کے پاس آتا ہے۔ شیطان کہتا ہے کہ اپنے جاگنے کے وقت کو برائی پر ختم کر، اور فرشتہ کہتا ہے کہ اسے بھلائی پر ختم کر۔

اب اگر وہ اللہ کا ذکر کر کے سویا ہے، تو شیطان اس کے پاس سے چلا جاتا ہے اور ایک فرشتہ رات بھر اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔

پھر جب وہ سو کر اٹھتا ہے، تو پھر سے ایک فرشتہ اور ایک شیطان اس کے پاس آتے ہیں۔ شیطان اس سے کہتا ہے کہ اپنے جاگنے کو برائی سے شروع کر اور فرشتہ کہتا ہے کہ اپنے دن کو بھلائی سے شروع کر۔

(مسند احمد)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''صور'' پھونکنے والا فرشتہ اسرافیلؑ ''صور'' کو اپنے منہ میں رکھے ہوئے پیشانی جھکا کر اس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ کب اسے صور کے پھونکنے کا حکم ملے اور وہ صور کو پھونک دے۔

(کنز العمال: ۷۔۲۷۰)

حضرت علیؓ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے پانی کے خزانے پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے۔ اس فرشتے کے ہاتھوں میں ایک پیمانہ ہے، اس پیمانے سے گزر کر ہی پانی کی ہر بوند زمین پر آتی ہے۔ لیکن حضرت نوحؑ کے طوفان والے دن ایسا نہ ہوا بلکہ اللہ نے سیدھے پانی کو حکم دیا اور پانی کو سنبھالنے والے فرشتے کو حکم نہ دیا۔ جس پر وہ فرشتے پانی کو روکتے رہ گئے، لیکن پانی نہ رکا۔

(کنز العمال: ۱۔۲۷۳)

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا شب قدر کی رات کو اللہ تعالیٰ جبرئیلؑ کو حکم فرماتے ہیں کہ زمین پر جاؤ!

جبرئیلؑ فرشتوں کی ایک بہت بڑی جماعت کے ساتھ زمین پر اترتے ہیں۔ ان کے ساتھ ایک ہرے رنگ کا جھنڈا ہوتا ہے، جس کو یہ کعبہ شریف کے اوپر لگاتے ہیں۔ پھر اپنے ساتھ آئے ہوئے فرشتوں سے کہتے ہیں، کہ تم لوگ ساری دنیا میں پھیل جاؤ اور جہاں پر بھی جو مسلمان آج کی رات میں کھڑا ہو یا بیٹھا، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، تو اس کو سلام کرو اور مصافحہ کرو اور ان کی دعاؤں پر آمین کہو۔ صبح تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پھر جب صبح ہو جاتی ہے تو جبرئیلؑ آواز دیتے ہیں ''اے فرشتوں کی جماعت اب واپس آسمان کی طرف چلو، تو سارے فرشتے جبرئیلؑ کے ساتھ آسمان پر واپس چلے جاتے ہیں۔

(مشکوٰۃ شریف۔۲۰۶)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جمعہ کے دن فرشتے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہو کر، مسجد میں آنے والوں کا نام لکھتے رہتے ہیں۔ لیکن جب خطبہ شروع ہوتا ہے، تب فرشتے نام لکھنا بند کر کے خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

(بخاری)

حضرت معاویہؓ نے فرمایا جب نماز کی صفیں کھڑی ہوتی ہیں، تو آسمانوں کے، جنت کے اور جہنم کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ جنت کی سجی حوریں زمین پر جھانکتی ہیں۔

(ہیثمی: ۵۔۲۸۴)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز کے انتظار میں رہتا ہے، فرشتے اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔

(بخاری)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب نماز کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت ایک فرشتہ اعلان کرتا ہے کہ ''اے آدم کی اولاد! اٹھو اور جہنم کی جس آگ کو تم نے اپنے گناہوں کی وجہ سے جلا رکھا ہے اسے بجھا لو۔''

(طبرانی)

حضرت عثمان غنیؓ نے فرمایا، جو شخص نماز کی حفاظت کرے اور اوقات کی پابندی کے ساتھ

اس کا اہتمام کرے۔ تو فرشتے اس شخص کی حفاظت کرتے ہیں۔

(منبہات)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپانے فرمایا جب بندہ مسواک کر کے نماز کے لئے کھڑا ہوتا ہے، تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے آ کر کھڑا ہو جاتا ہے، اور اسکی قرأت خوب دھیان سے سنتا ہے، پھر اس کے بہت قریب آ جاتا ہے، یہاں تک اس کے منہ پر اپنا منہ رکھ دیتا ہے۔ قرآن کا جو بھی لفظ اس نمازی کے منہ سے نکلتا ہے، سیدھا فرشتے کے پیٹ میں پہنچتا ہے۔

(بزار)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب نماز کے لئے اذان دی جاتی ہے، تو شیطان اونچی آواز میں ریح خارج کرتے ہوئے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے۔ اذان کے ختم ہونے پر واپس آ جاتا ہے، جب اقامت کہی جاتی ہے ہو پھر بھاگ جاتا ہے۔ اقامت ہو جانے پر پھر واپس آ جاتا ہے، تا کہ نمازی کے دل میں وسوسہ ڈالے۔ نمازی کو کبھی کوئی بات یاد کراتا ہے، تو کبھی کوئی بات، ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے، جو باتیں نمازی کے نماز سے پہلے یاد نہ تھیں، یہاں تک کہ نمازی کو یہ بھی خیال نہیں رہتا، کہ کتنی رکعتیں ہوئی ہیں۔

(مسلم)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نماز کی صفوں کو سیدھا رکھا کرو، کاندھو کو کاندھو کی سیدھ میں رکھا کرو، صفوں کو سیدھا رکھنے میں اپنے بھائیوں کیلئے نرم بن جایا کرو اور صفوں کے بیچ میں خالی پڑی جگہ کو بھر لیا کرو، کیوں کہ شیطان صفوں میں خالی جگہ دیکھ کر بھیڑ کے بچے کی طرح بیچ میں گُس آتا ہے۔

(طبرانی)

حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا، جس گاؤں یا جنگل میں تین آدمی ہوں اور وہاں جماعت سے نماز نہ ہوتی ہو، تو ان لوگوں پر شیطان غالب ہو جاتا ہے، اسلئے جماعت سے نماز پڑھنے کو ضروری سمجھو، بھیڑیا اکیلے بکری کو کھا جاتا ہے۔ (اور آدمیوں کا بھیڑیا شیطان ہے)۔

(ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے جب کوئی شخص سوتا ہے، تو شیطان اس کی گدّی پر تین گرہیں لگا دیتا ہے اور ہر گرہ پر یہ پھونک دیتا ہے ''سوتے رہو،'' ابھی رات بہت پڑی ہے۔ اگر انسان جاگ کر اللہ کا نام لیتا ہے۔ تو ایک گرہ کھل جاتی ہے۔ اگر وضو کر لیتا ہے، تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے پھر اگر تہجد پڑھ لیتا ہے، تو تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔

(ابوداؤد)

حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟ ارشاد فرمایا یہ شیطان کا آدمی کو نماز سے اچک لینا ہے۔

(ترمذی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی سورہ فاتحہ کے آخر میں آمین کہتا ہے تو اسی وقت فرشتے آسمان پر آمین کہتے ہیں جس شخص کی آمین فرشتوں کی آمین کے ساتھ مل جاتی ہے تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

(بخاری)

حضرت اویس انصاریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کی عید کی صبح اللہ تعالیٰ فرشتوں کو دنیا کے تمام شہروں میں بھیجتے ہیں۔ وہ زمین پر اتر کر تمام گلیوں اور راستوں میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور آواز دے کر کہتے ہیں، جسے انسان اور جنات کے علاوہ ساری مخلوق سنتی ہے کہ ''اے محمد ﷺ کی امت اس کریم رب کی بارگاہ کی طرف چلو، جو زیادہ عطا کرنے والا ہے۔ پھر لوگ عیدگاہ کی طرف جانے لگتے ہیں۔

(طبرانی)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا نماز پڑھنے والے کے دائیں اور بائیں ایک ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ پس اگر وہ (نمازی) اپنی نماز ایمان اور احتساب کے ساتھ ادا کیا تو یہ فرشتے نماز کو لیکر آسمانوں کے اوپر چلے جاتے ہیں اور اگر نامکمل ادا کیا، تو نماز کو اس کے منہ پر مار دیتے ہیں۔

(ترغیب وترہیب: ۳۳۸-۱)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تمہارے پاس رات

کے فرشتے اور دن کے فرشتے آتے رہتے ہیں۔ یہ فجر اور عصر کی نماز کے وقت جمع ہوتے ہیں۔ پھر جنہوں نے تمہارے ساتھ رات گزاری تھی، وہ اوپر چلے جاتے ہیں۔

(بخاری شریف)

حضرت ابو ایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: بارک ہو، وضو میں خلال کرنے والے کو، مبارک ہو کھانے میں خلال کرنے والے کو۔

وضو میں خلال، کلی کرنا، ناک میں پانی چڑھانا اور (ہاتھ پاؤں کی) انگلیوں کے درمیان خلال کرنا۔ اور کھانے میں خلال یہ ہے، کہ کوئی چیز کھانے کی دانتوں میں رہ جائے، تو اسکو صاف کرنا، کیوں کہ یہ ان دونوں فرشتوں کے لئے زیادہ تکلیف دہ ہے، کہ وہ اپنے ساتھی کے دانتوں میں کھانے کی کوئی چیز دیکھیں، جب وہ نماز پڑھ رہا ہو۔

(مصنف عبدالرزّاق)

حضرت ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ دن کے کراماً کاتبین الگ ہیں اور رات کے الگ۔ چونکہ دن کے فرشتے مغرب کی نماز کو انسان کو کامل طور پر ادا کرنے کے بعد ہی آسمان پر واپس جاتے ہیں۔ اس لئے اگر مغرب کی دو رکعت سنت میں دیر کی گئی، تو یہ ان فرشتوں پر بھاری ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مغرب کی فرض ادا کرنے کے بعد ان سنتوں کی ادائیگی میں دیر نہ کیا کرو۔

(دیلمی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جو آدمی بغیر علم کے فتوے دیتا ہے۔ اس پر آسمان اور زمین کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

(ابنِ عساکر)

حضرت صفوانؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: علم سیکھنے والے کو مبارک باد دو، کیوں کہ علم سیکھنے والے کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اوپر تلے جمع ہوتے ہوتے آسمانوں تک پہنچ جاتے ہیں۔

(طبرانی)

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو

سارے انسانوں کی روح نکالنے لئے مقرر فرمایا ہے، سوائے سمندر میں شہید ہونے والوں کی روحوں کو اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے نکالتے ہیں۔

(ابن ماجہ:۲۶۶۸)

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے فرمایا: اگر تم موت اور اسکے فیصلے کو جان، لوتو امید اور اسکے دھوکے سے نفرت کرنے لگو، کسی بھی گھر کے لوگ ایسے نہیں ہیں، کہ جن پر ملک الموت روزانہ تنبیہ نہ کرتا ہو۔ جب کسی کی عمر پوری ہو چکی ہوتی ہے، تو ملک الموت اس کی روح نکال لیتے ہیں، جب اس کے رشتہ دار، روتے ہیں، تو وہ کہتا ہے تم لوگ کیوں رو رہے ہو؟

اللہ کی قسم نہ تو میں نے اس کی عمر میں سے کچھ کم کیا ہے، اور نہ ہی رزق میں سے میرا کوئی قصور نہیں ہے، مجھے تو تم لوگوں کے پاس بھی آنا ہے یہاں تک کہ تم میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔

(دیلمی)

حضرت زبیر ابن العوامؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر صبح جب لوگ سو کر اٹھتے ہیں اس وقت ایک فرشتہ آواز دیتا ہے، کہ اے مخلوقات! تم سب اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرنا شروع کرو۔

(مسند ابو یعلیٰ)

حضرت ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں، کہ میرے فلاں بندے کے پاس جاؤ اور اس پر یہ سخت مصیبت پلٹ دو، تو اس کے پاس آتے ہیں اور اس پر مصیبت ڈال دیتے ہیں۔ وہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کرتا ہے، تو یہ فرشتے لوٹ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے ہیں کہ ہم نے اس پر مصیبت ڈال دی تھی، جس طرح آپ نے ہمیں حکم دیا تھا۔

تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں، واپس لوٹ جاؤ اور اس سے مصیبت ہٹا دو، کیوں کہ میں پسند کرتا تھا کہ اس کی آواز سنوں، کہ وہ اس مصیبت کے حال میں مجھے کس طرح یاد کرتا ہے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتے ہیں، کہ وہ میری تعریف ہی کرے گا، لیکن اس حالت میں اس

کی زبان سے شکر کا کلمہ کہلانا اور اس کا سننا مقصود ہے۔

(طبرانی)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: رات کے آخری حصہ میں قرآن کی تلاوت کرنے پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔

(ترمذی)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: سورہ بقر کی تلاوت کرنے پر اس کی ہر آیت کے ساتھ اسّی فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔

(مسند احمد)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتوں کی ایک ایسی جماعت ہے، جو صرف ذکر کے حلقوں کی تلاش میں رہتی ہے، جب وہ ذکر کے حلقوں کو پالیتی ہے، تو انھیں اپنے پروں سے ڈھانپ کر اپنا ایک قاصد آسمان پر اللہ تعالیٰ کے پاس بھیجتے ہیں۔ وہ فرشتہ ان سب کی طرف سے عرض کرتا ہے۔ اے ہمارے رب! ہم آپ کے ان بندوں کے پاس آئے ہیں، جو آپ کی نعمتوں کی بڑائی کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، ان کو میری رحمت سے ڈھانپ دو فرشتہ کہتا ہے اے ہمارے رب ان کے ساتھ ایک گنہگار بندہ بھی بیٹھا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اسکو بھی میری رحمت سے ڈھانپ دو، کیوں کہ یہ ایسی مجلس ہے کہ ان میں بیٹھنے والا کوئی بھی ہو، وہ محروم نہیں ہوتا۔

(بزار)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے گھر سے نکلتے وقت،

"بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"

کہہ کر نکلتا ہے، تو فرشتے اس سے کہتے ہیں، کہ تمہارے کام بنا دئے گئے اور ہر شر سے تمہاری حفاظت کی گئی۔ پھر شیطان اس سے دور ہو جاتا ہے۔

(ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص اپنے بستر پر پہنچ کر آیت الکرسی پڑھ کر سو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ

اس کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں جو رات بھر اسکی حفاظت کرتا رہتا ہے۔

(بخاری)

حضرت معقل بن یسارؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح کو تین بار، "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھ کر سورہ حشر کی آخری تین آیت پڑھ لے،

تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے مقرر کر دیتے ہیں، جو شام تک رحمت بھیجتے رہتے ہیں۔

(ترمذی)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: کسی گھر میں جیسے ہی آیت الکرسی پڑھی جاتی ہے، فوراً اس گھر سے شیطان نکل جاتا ہے۔

(ترغیب)

آپ ﷺ نے نے فرمایا: جو شخص گھر سے نکل کر،
"بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ"
کہہ لے، تو شیطان ان بول کو سنکر اس کے پاس سے چلا جاتا ہے۔

(ترمذی)

آپ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے کھانا کھانے پر "بسم اللہ" نہ کہا تو شیطان کو اس کے ساتھ کھانے کا موقع مل جاتا ہے۔

(مشکوۃ شریف)

حضرت ابو ایوبؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص صبح دس مرتبہ چوتھا کلمہ پڑھ لیتا ہے، تو شام تک شیطان سے اس کی حفاظت ہوتی ہے اور اگر شام کو پڑھ لیتا ہے، تو صبح تک شیطان سے حفاظت ہوتی ہے۔

(ابن حبان)

حضور ﷺ نے فرمایا: جولوگ اللہ کے ذکر کے لئے کسی جگہ پر جمع ہوں اور ان کے جمع ہونے کی غرض اللہ کو خوش کرنا ہے، تو ایک فرشتہ آسمان سے پکار کر کہتا ہے، کہ تم لوگ بخش دیئے گئے اور تمہارے گناہوں کو نیکیوں میں بدل دیا گیا ہے۔

(طبرانی)

آپ ﷺ نے فرمایا: رمضان کی ہر رات کو ایک فرشتہ آواز دے کر کہتا ہے، کہ ''اے خیر کی تلاش کرنے والوں! متوجہ ہو اور آگے بڑھو اور اے برائی کے طلب گار! بس کرو اور آنکھیں کھولو''

اسکے بعد وہ فرشتہ کہتا ہے، کہ ہے کوئی معافی مانگنے والا، جسکو معاف کیا جائے اور ہے کوئی مانگنے والا جس کا سوال پورا کیا جائے؟

(ترغیب)

آپ ﷺ نے فرمایا: جب کوئی اپنی بیوی کے پاس آئے اور '' اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَارَزَقْتَنَا '' پڑھ کر ہمبستری کرے، تو اگر اس رات کی صحبت سے بچہ پیدا ہوا، تو شیطان کبھی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

(بخاری)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی چھنکتا ہے اور چھینک کر '' اَلْحَمْدُلِلّٰہِ '' کہتا ہے تو فرشتے '' رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' کہتے ہیں۔ لیکن جب چھینکنے والا (اَلْحَمْد) کو '' رَبِّ الْعَالَمِیْنَ '' سمیت کہتا ہے، تو فرشتے کہتے ہیں '' یَرْحَمُكَ اللّٰہ '' یعنی اللہ تعالیٰ تجھ پر رحمت فرمائے۔

(بخاری شریف)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب بندہ قرآن مجید ختم کرتا ہے، تو ختم کے وقت اس کے لئے ساٹھ ہزار فرشتے رحمت وہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(دیلمی)

حضرت ابو درداؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جمعہ کے دن خوب کثرت سے

درود پڑھا کرو، کیوں کہ یہ حاضری کا دن ہے، اس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں، لہٰذا جو کوئی مجھ پر درود بھیجتا ہے، اس کا درود مجھ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

(ابن ماجہ شریف)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا: صبح کو وقت ایک فرشتہ ساری مخلوق سے جب تسبیح پڑھنے کو کہتا ہے، تو پرندے اسکی آواز سنکر اپنے پروں کو پھڑ پھڑانے لگتے ہیں۔

(ابو شیخ حدیث:۵۶۹)

حضرت لوط بن عزیٰ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: رات کے وقت گھر میں پیشاب کو کسی چیز میں کر کے نہ رکھا جائے، کیوں کہ رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے، جس گھر میں پیشاب رکھا ہو۔

(معجم اوسط طبرانی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اس قوم میں فرشتے نازل نہیں ہوتے، جس قوم میں کوئی قطع رحمی کرنے والا ہو۔

(طبرانی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس گھر میں ناپاکی کی حالت والا انسان ہو، وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

(ابوداود)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تک تم میں سے کسی کا دسترخوان مہمان کے آنے جانے کہ وجہ سے سامنے رکھا رہتا ہے۔ تو تم پر فرشتے اس وقت تک لگاتار رحمت اور برکت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔

(جامع صغیر ۲۹۲۸)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جس نے لہسن پیاز کھایا ہو، وہ ہماری مسجد میں ہرگز نہ آئے، کیوں کہ فرشتوں کو بھی اس چیز کی بو سے تکلیف ہوتی ہے، جس سے انسان

کو تکلیف ہوتی ہے۔

(بخاری شریف)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر انسان کے سر پر پوشیدہ طور پر ایک لگام ہے، جس لگام کو ایک فرشتے نے پکڑا ہوا ہے جب انسان تواضع کرتا ہے، تو فرشتہ اس لگام کو بلند کر دیتا ہے اور جب انسان تکبر کرتا ہے، تو فرشتہ اس لگام کو پست کر دیتا ہے۔

(طبرانی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب لڑکی پیدا ہوتی ہے، تو اللہ تعالیٰ اس لڑکی کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے، جو اس پر بہت زیادہ برکت اتارتا ہے اور کہتا ہے، تو کمزور ہے، کیوں کہ کمزور سے پیدا ہوئی ہے۔ اس لڑکی کفالت کرنے والے کی قیامت تک مدد کی جاتی ہے اور جب لڑکا پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس بھی ایک فرشتہ بھیجتے ہیں جو اسکی آنکھوں کے بیچ بوسہ لیتا ہے اور کہتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ تجھے سلام کہتے ہیں''۔

(معجم اوسط طبرانی)

حضرت عمران بن حصینؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ہر مسلمان قاضی کے ساتھ دو ایسے فرشتے ہوتے ہیں، جو اس قاضی کو حق کی رہنمائی کرتے ہیں، جب تک وہ خلافِ حق کا ارادہ نہ کرے۔ اگر اس نے جان بوجھ کر خلافِ حق کا ارادہ کیا اور ظلم و زیادتی کی، تو وہ دونوں فرشتے اس قاضی کو اس کے نفس کے سپرد کر کے اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

(طبرانی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: جب کوئی عورت اپنے شوہر کا بستر چھوڑ کر نافرمانی کرتے ہوئے الگ سوتی ہے، تو اس پر اس وقت تک لعنت کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ واپس شوہر کے بستر پر نہ آجائے۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا: اپنے جوتے اپنے پاؤں کے درمیان رکھو، یا اپنے سامنے رکھو، اپنے داہنے نہ رکھو، کیوں کہ ایک فرشتہ تمہارے داہنے ہے اور اپنے بائیں بھی نہ رکھو، کیوں کہ وہ جوتے، تیرے بھائی مسلمان کے دائیں ہوں گے۔

(سعید بن منصور)

حضرت ابن عمرؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ جب مسلمان کے جسم میں کوئی بیماری بھیجی جاتی ہے، تو اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کو حکم فرماتے ہیں کہ میرے بندے کیلئے ہر دن اور ہر رات اتنے نیک عمل لکھو، جتنا وہ بیماری سے پہلے کیا کرتا تھا۔ جب تک یہ میری گرہ میں بندھا ہوا ہے۔

(ابن ابی شیبہ)

حضرت مکحولؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی انسان بیمار ہوتا ہے، تو بائیں طرف کے گناہ لکھنے والے فرشتہ کو اللہ تعالیٰ یہ حکم دیتا ہے، کہ اپنا قلم اٹھا لے اور داہنے طرف والے فرشتے سے یہ کہا جاتا ہے، کہ اس بندے کے اچھے اعمال لکھتے رہو، جو یہ تندرستی کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ کیوں کہ اس کی آنے والی حالت کو میں جانتا ہوں میں نے ہی اسے اس حال میں مبتلا کیا ہے۔

(ابن عساکر)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جب کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے، تو اسے چاہیئے کہ پردہ کرلے اگر وہ ہمبستری کے وقت پردہ نہیں کرے گا، تو فرشتے حیا کرتے ہیں اور گھر سے نکل جاتے ہیں، پھر شیطان آجاتا ہے، پس اگر ان دونوں کے لئے اس دن کی صحبت سے کوئی اولاد لکھی ہے تو اس میں شیطان کا بھی حصّہ ہو جاتا ہے۔

(شعب الایمان)

حضرت زید بن ثابتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا میں نے تم لوگوں سے کپڑے ہٹانے کو منع نہیں کیا ہے؟ تمہارے ساتھ یہ دونوں فرشتے جو تم سے الگ نہیں ہوتے ہیں

، نہ نیند میں نہ بیداری میں۔ یاد رکھو! جب بھی تم میں سے کوئی اپنی بیوی کے پاس جائے یا پیشاب پاخانہ جائے تو ان دونوں سے شرم کرے۔ خبردار!! ان دونوں کی عزت کرو۔

(بیہقی)

حضرت ابن عبّاسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں کپڑے اتار دینے سے منع فرماتے ہیں۔ تم اللہ کے ان فرشتوں سے حیا کرو، جو کراماً کاتبین تمہارے ساتھ رہتے ہیں۔ وہ تم سے الگ نہیں ہوتے، سوائے تین وقتوں کے، جو تمہاری ضرورت ہیں،

ا:۔ پیشاب، پاخانہ کے وقت۔

۲:۔ بیوی سے صحبت کے وقت۔

۳:۔ غسل کرتے وقت۔

(مسند بزاز)

حضرت علی بن ابی طالبؓ فرماتے ہیں کہ جس نے اپنا شرم کا حصّہ کھولا، اس سے فرشتے الگ ہو جاتا ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ)

حضرانسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو آدمی غسل خانہ میں بغیر تہبند کے داخل ہوتا ہے تو کراماً کاتبین اس پر لعنت کرتے ہے۔

(دیلمی)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک فرشتہ قرآن کے سپرد ہے، پس جو شخص قرآن کی تلاوت تو کرتا ہے، لیکن صحیح طریقہ سے تلاوت نہیں کرسکتا۔ اس کو یہ فرشتہ درست کر کے اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے۔

(فیض الکبیر حدیث)

حضرت ابوامامہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا: ایک فرشتہ ''یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ''

کہنے والے آدمی کے سپرد کیا گیا ہے، جب یہ آدمی اس کلمہ کو تین بار کہتا ہے، تو فرشتہ اس سے کہتا ہے، اے انسان! ''اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ'' یعنی اللہ تعالیٰ تیری طرف متوجہ ہے، تو جو چاہے اس سے مانگ، تیری دعا قبول ہوگی۔

(مستدرک حاکم)

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی تجارت یا سرداری کا معاملہ طلب کرتا ہے، پھر اس پر قادر ہو جاتا ہے، تو اللہ تعالیٰ ساتوں آسمانوں کے اوپر اس کا ذکر کرتے ہیں اور اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتے ہیں، کہ میرے بندے کے پاس جاؤ اور اسے اس کام سے روکو، اگر میں نے اس کے لئے اسے عطا کر دیا، تو اس کی وجہ سے جہنم میں ڈال دونگا۔ تو وہ اسے اس سے الگ کر دیتا ہے۔

(شعب الایمان، بیہقی)

حضرت کعبؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا: جب روزہ دار کے سامنے کھانا کھایا جاتا ہے، تو کھانے سے فارغ ہونے تک، اس روزہ دار کے لئے فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔

(ترمذی)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کو عیادت کرتا ہے، تو شام تک ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے، اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح جو شام کو عیادت کرتا ہے، تو صبح تک ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتے اس کے لئے دعا کرتے ہیں۔

(ترمذی)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مسلمان کی دعا، اپنے مسلمان بھائی کے لئے پیٹھ پیچھے قبول ہوتی ہے۔ دعا کرنے والے کے سر کے پاس ایک فرشتہ مقرر ہے، جب بھی یہ دعا کرنے والا اپنے بھائی کے لئے دعا کرتا ہے، تو فرشتہ اس کی دعا پر آمین کہتا ہے۔

(مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان اللہ کو خوش کرنے کی نیت سے کسی مسلمان سے ملاقات کرنے جاتا ہے، تو آسمان سے ایک فرشتہ پکار کر کہتا ہے، کہ تم خوشحالی کی زندگی بسر کرو اور تمہیں جنت مبارک ہو اور اللہ تعالیٰ عرش والے فرشتوں سے فرماتے ہیں، میرے بندے نے میری خاطر ملاقات کی، اس لئے میرے ذمہ ہے، کہ میں اسکی مہمانی کروں۔

(ابویعلیٰ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان دوسرے مسلمان کی طرف ہتھیار سے اشارہ کرتا ہے، تو اس پر اس وقت تک فرشتے لعنت کرتے رہتے ہیں، جب تک وہ اپنا ہتھیار نیچے نہیں کر لیتا۔

(مسلم)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: دو فرشتے روزآنہ صبح کے وقت آسمان سے اترتے ہیں، ان میں سے ایک فرشتہ یہ دعا کرتا ہے کہ ''اے اللہ!'' خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا فرشتہ یہ دعا کرتا ہے کہ ''اے اللہ!'' روک کر رکھنے والے کا مال برباد کر۔

(مشکوٰۃ)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جب مسلمان گھر میں داخل ہو کر، اللہ کا ذکر کرتا ہے، پھر دعا پڑھ کر کھانا کھاتا ہے، تو شیطان اپنے ساتھ والوں سے کہتا ہے، کہ اب نہ تو وہاں ٹھہرا جا سکتا ہے اور نہ تو کھانا ہی مل سکتا ہے۔ لیکن جب مسلمان گھر میں داخل ہو کر اللہ کا ذکر نہیں کرتا، تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے، کہ تمہیں یہاں رات میں رہنے کا موقع مل گیا۔

(مشکوٰۃ)

آپ ﷺ نے فرمایا: جب کپڑے اتارو، تو ''بسم اللہ'' کہہ کر، اتارو۔ ایسا کرنے سے شیطان، تمہاری شرمگاہ نہ دیکھ سکے گا۔

(حصن حصین)

آپ ﷺ نے فرمایا: غصہ شیطان ہوتا ہے، کیوں کہ شیطان کی پیدائش آگ سے ہوئی ہے اور آگ پانی سے بجھائی جاتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے، تو اس کو چاہئے کہ وضو کرلے۔

(ابوداؤد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ چھینک کو پسند فرماتے ہیں اور جمائی کو ناپسند کرتے ہیں۔ کیوں کہ جمائی شیطان کی طرف سے ہوتی ہے، لہٰذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے، تو جتنا ہو سکے، اس کو روکے رکھو، کیوں کہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے، تو شیطان ہنستا ہے۔

(بخاری)

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جن لوگوں کے ساتھ کوئی یتیم ان کے برتن میں کھانے کے لئے بیٹھتا ہے۔ تو شیطان ان کے برتن کے قریب نہیں آتا۔

(طبرانی)

حضرت ایاز بن حمّامؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: آپس میں گالی گلوج کرنے والے دو شخص، اصل میں دو شیطان ہیں، جو فحش گوئی کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو جھوٹا کہتے ہیں۔

(ابن حبان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کی طرف ہتھیار سے اشارہ نہ کرے، اس لئے کہ اس کو معلوم نہیں ہے، کہ کہیں شیطان اس کے ہاتھ سے ہتھیار کھینچ نہ لے اور وہ ہتھیار اس مسلمان بھائی کو جا لگے، پھر اس کی سزا میں اسے جہنم میں ڈال دیا جائے۔

(بخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان، جب بیمار ہوتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ دو فرشتے لگا دیتے ہیں، جو اس وقت تک ساتھ میں رہتے ہیں، جب

تک اللہ تعالیٰ دو اچھائیوں میں سے ایک کا فیصلہ نہ کردیں ''موت'' کا، یا ''زندگی'' کا۔

(شعب الایمان بیہقی)

حضرت علیؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کراماً کاتبین کی طرف اپنا پیغام بھیجتے ہیں، کہ میرے بندے کے اعمال نامہ میں رنج وغم کے وقت کوئی عمل نہ لکھیں۔

(دیلمی)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رکن یمانی پر دو فرشتے مقرر ہیں، جو شخص وہاں سے گزرتا ہے، تو اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور حجرِ اسود پر اتنے فرشتے ہیں، جنکی گنتی نہیں کہ جاسکتی۔

(تاریخ مکہ امام ازرق)

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: مدینہ طیبہ کی شان یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے ہر گھر پر ایک ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو اپنی تلوار کو لہراتے رہتے ہیں۔ اس لئے مدینہ طیبہ میں دجّال داخل نہ ہو سکے گا۔

(طبرانی)

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ مومن فقراء پر، جو سردی کی تکلیف ہوتی ہے، فرشتے ان پر ترس کھاتے ہیں اور جب سردی چلی جاتی ہے، تو فرشتے سردی کے جانے پر خوش ہوتے ہیں۔

(طبرانی)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں، جو رات کے وقت زمین پر اترتے ہیں اور جہاد کے جانوروں اور سواریوں کی تھکاوٹ دور کرتے ہیں، مگر ان جانوروں کی تھکاوٹ دور نہیں کرتے، جن کی گردن میں گھنٹی بندھی ہوتی ہے۔

(طبرانی)

حضرت ابن عمرؓ نقل فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ وہ

ہے، جو روزانہ رات دن یہ پکارتا رہتا ہے:

''اے چالیس سال کی عمر والے!'' تم عمل کی کھیتی تیار کر چکے ہو، جسکی کٹائی کا وقت قریب آ گیا ہے۔

''اے ساٹھ سال والو!'' حساب کی طرف متوجہ ہو جاؤ! تم نے اپنے لئے کیا آگے بھیجا اور کون سے عمل کئے؟۔

''اے سترّ سال کی عمر والو!'' کاش مخلوقات پیدا نہ کی جاتی اور کاش جب یہ پیدا کر دی گئی ،تو یہ بھی جان لیتی، کہ کس لئے پیدا کی گئی ہے؟۔

(دیلمی)

حضرابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنازہ کے ساتھ چلتے ہوئے فرشتے یہ کہتے ہیں، کہ پاک ہے وہ ذات، جو نظر نہیں آتی اور اپنے بندوں پر موت کے ذریعہ قہار ہے۔

(تاریخ رفائی)

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے، کہ آپ ﷺ نے فرمایا: سفر میں جو شخص دنیاوی باتوں سے اپنا دل ہٹا کر، اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا دھیان رکھتا ہے، تو ایک فرشتہ اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

(طبرانی)

حضرت یزید بن شجرہؓ نے فرمایا: جب کوئی شخص اللہ کے راستے میں شہید کیا جاتا ہے، تو خون کا پہلا قطرہ زمین پر گرتے ہی، دو موٹی آنکھوں والی سجی ہوئی حوریں آسمان سے اتر کر، اس کے پاس آتی ہیں اور اس کے چہرے سے گرد وغبار صاف کرتی ہیں۔

(حاکم:۳-۴۹۴)

آپ ﷺ نے فرمایا: جو مسافر، سفر میں فضول باتوں اور فضول کاموں میں لگا رہتا ہے، تو شیطان بھی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

(حصنِ حصین)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی خاص مدد، جماعت کے ساتھ ہوتی ہے لہٰذا جو شخص جماعت سے الگ ہو جاتا ہے، شیطان اس کے ساتھ رہ کر اسے اکساتا ہے۔

(نسائی)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: شیطان اکیلے آدمی اور دو ہو جانے پر بھی نقصان پہنچاتا ہے لیکن تین آدمیوں کے نقصان نہیں پہنچا پاتا ہے کیوں کہ تین کی جماعت ہوتی ہے۔

(بجار)

حضرت عبداللہ بن عمرو عاصؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مسجد میں داخل ہو کر
"اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَوَجْهِهِ الْكَرِيْمِ وَسُلْطَانِهِ الْقَدِيْمِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ"
جب کوئی دعا پڑھتا ہے، تو شیطان کہتا کہ یہ شخص مجھ سے پورے دن کے لئے محفوظ ہو گیا۔

(ابوداؤد)

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بکریوں کے بھیڑ کی طرح، شیطان انسان کا بھیڑیا ہے۔ بھیڑیا، ہر اس بکری کو پکڑ لیتا ہے، جو ریوڑ سے الگ تھلگ ہو۔ اس لئے الگ الگ ٹھہرنے سے بچو، اجتماعیت کو اور عام لوگوں کے بیچ رہنے کو اور مسجد کو لازم پکڑو۔

(مسند احمد)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انسان تک اسکی روزی پہنچانے کیلئے فرشتے متعین ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انکو حکم فرمایا رکھا ہے، کہ جس آدمی کو تم اس حالت میں پاؤ، جس نے (اسلام) کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے، تو تم اس کو آسمانوں اور زمین سے رزق مہیا کر دو اور دیگر انسانوں کو بھی روزی پہنچا دو۔ یہ دیگر لوگ اپنے مقدر سے زیادہ روزی نہ پا سکیں گے۔

(ابو عوانہ)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: فرشتوں کی ایک ایسی جماعت

ہے، جو راستوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گھومتی رہتی ہیں، جب وہ کسی ایسی جماعت کو پالیتی ہے، جو اللہ کے ذکر میں مصروف ہوتی ہے۔ تو وہ ایک دوسروں کو پکار کر کہتے کہ آؤ! یہاں پر تمہاری مطلوبہ چیز ہے۔ اس کے بعد وہ سب فرشتے ملکر، آسمان تک اپنے پروں سے ان کو گھیر لیتے ہیں۔

(بخاری)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے رمی جمرات پر ایک فرشتہ مقرر کر رکھا ہے، جو کنکری مقبول ہو جاتی ہے، اس کو اٹھالیتا ہے۔

(تاریخ مکہ امام ازرقی)

دنیاں کی مشقتوں سے راحت

حضرت تمیم داریؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتے ہیں: کہ میرے فلاں ایمان والے بندے کے پاس جاؤ اور اسکی روح لے آؤ! میں نے خوشی اور غم کے حالات میں اس کا امتحان لے لیا ہے، وہ ایسا ہی نکلا جیسا کی میں چاہتا تھا۔ اس کو لے آؤ! تاکہ دنیاں کی مشقتوں سے اسے راحت مل جائے۔

ملک الموت پانچ سو (۵۰۰) فرشتوں کی جماعت کے ساتھ اس کے پاس جاتے ہیں، ان سب کے پاس جنت کے کفن ہوتے ہیں، ان کے ہاتھوں میں ریحان کے گلدستے ہوتے ہیں، جس میں بیس بیس رنگ کے پھول ہوتے ہیں اور ہر پھول کی خوشبو الگ الگ ہوتی ہے اور ایک ریشمی رومال میں مہکتا ہوا مشک ہوتا ہے۔

ملک الموت اس کے سر کے پاس اور باقی فرشتے اس کے چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں، پھر مشک والا رومال، اس کی ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہیں، جنت کا دروازہ اسکے سامنے کھول دیا جاتا ہے۔ کبھی سجی ہوئی حوریں اس کے سامنے آتی ہیں، تو کبھی وہاں کہ نہریں اور باغات۔

ان سب کو دیکھ کر اس کی روح خوشی سے جسم سے باہر نکلنے کے لئے بیقرار ہو جاتی ہے،

ملک الموت اس سے کہتے ہیں، کہ اے مبارک روح! چل ایسی بیریوں کی طرف جسمیں کانٹا نہیں ہے اور ایسے کیلوں کی طرف، جو تلے اوپر لگے ہوئے ہیں ملک الموت اس سے ایسی نرمی سے بات کرتے ہیں جس طرح ماں اپنے چھوٹے بچے کرتی ہے۔

پھر اسکی روح بدن میں سے ایسے نکالتی ہے، جیسے کہ آٹے میں سے بال۔ جب روح بدن سے نکلتی ہے، تو سب فرشتے اس کو سلام کرتے ہیں اور جنت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ پس جس وقت روح، بدن سے نکلتی ہے، تو وہ بدن سے کہتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر عطا فرمائے، کہ تو محتاجگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کہنا مان لینے میں جلدی کرتا تھا، اس کی نافرمانی کرنے میں سستی کرنے والا تھا، تجھے آج کا دن مبارک ہو! تم نے خود بھی عذاب سے نجات پائی اور مجھے بھی نجات دلا دی اور یہی بات، بدن، روح سے کہتا ہے۔

اس کی جدائی پر زمین کے وہ حصّے روتے ہیں، جس زمین کے حصوں پر وہ اللہ کا کہنا مانتے ہوئے چلتا تھا، آسمان کے وہ دروازے روتے ہیں، جن سے اسکے عمل اوپر جایا کرتے تھے اور جن سے اس کا رزق اترا کرتا تھا۔

جب ملک الموت اس کی روح کو لیکر آسمان پر جاتے ہیں، تو وہاں جبرئیلؑ ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) فرشتوں کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہیں، یہ فرشتے اللہ کی طرف سے اسے خوشخبری سناتے ہیں، پھر آسمانوں پر ہوتے ہوئے جب اسے لیکر عرش تک پہنچتے ہیں، تو وہ عرش پر پہنچ کر سجدے میں گر جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اسے علّیّین میں پہنچا دو اور یہاں زمین پر پانچ سو فرشتے اس کے جسم کے پاس جمع ہو جاتے ہیں، جب نہلانے والے اس کے جسم کو کروٹ دیتے ہیں، تو یہ فرشتے بھی اسے کروٹ دینے لگتے ہیں اور جب وہ کفن پہنانے لگتے ہیں، تو فرشتے ان کے کفن سے پہلے اپنے ساتھ لئے ہوئے کفن کو پہنا دیتے ہیں اسی طرح جب خوشبو لگاتے ہیں، تو ان سے پہلے ہی فرشتے اپنے ساتھ لائی ہوئی خوشبو اس کے بدن پر مل دیتے ہیں۔

پھر جب جنازہ گھر سے باہر لایا جاتا ہے، تو اسکے گھر کے دروازے سے لیکر قبرستان تک

راستے کیدونوں طرف فرشتے قطار لگا کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے جنازے کو، دعا واستغفار کے ساتھ استقبال کرتے ہیں،

یہ سارے منظر دیکھ کر، شیطان اتنی زور زور سے رونے لگتا ہے، کہ اسکی ہڈیاں ٹوٹنے لگتی ہیں اور اپنے لشکروں سے کہتا ہے، کہ تمہارا ناس ہو جائے، آخر یہ تم سے کس طرح چھوٹ گیا؟ وہ کہتے ہیں، کہ معصوم تھا۔ادھر برزخ میں جب اس کی روح جسم میں ڈالی جاتی ہے، تو

نماز اس کے داہنی طرف

روزہ اس کے بائیں طرف

ذکر اور تلاوت سر کی طرف

اور باقی اعمال پاؤں کی طرف

آکر کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر عذاب اس کی قبر میں اپنی گردن نکال کر اس تک پہنچنا چاہتا ہے، لیکن ہر طرف سے اسے گھرا ہوا پا کر عذاب واپس چلا جاتا ہے۔

اس کے بعد اسکی قبر میں دو فرشتے آتے ہیں، جنکی آنکھیں بجلی کی طرح چمک رہی ہوتی ہیں اور ان کی آواز بادلوں کی گرج کی طرح ہوتی ہے، ان کے منھ سے نکلنے والی سانسوں کے ساتھ آگ کی لپٹ نکلتی ہے، بالوں کی لمبائی ان کے پیر تک ہوتی ہے، مہربانی اور نرمی یہ دونوں جانتے ہی نہیں، ان کو ''منکر نکیر'' کہا جاتا ہے، ان دونوں کے ہاتھ میں ایک اتنا بڑا اور وزن دار ہتھوڑا ہوتا ہے، کہ انھیں سارے منیٰ کے رہنے والے مل کر اٹھانا چاہیں، تب بھی نہیں اٹھا سکتے۔ پھر وہ اس انسان سے کہتے ہیں، کہ بیٹھ جا! تو وہ فوراً اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے، پھر وہ اس سے پوچھتے ہیں، کہ

ا:۔مَنْ رَبُّکَ؟ (ضرورتوں کو پورا کرنے والا کون ہے؟)

۲:۔مَادِیْنُکَ؟ (ضرورتوں کو پورا کرنے کا طریقہ کیا ہے؟)

۳:۔مَنْ نَبِیُّکَ؟ (انکی خبریں کس نے دی تھی؟)

تو یہ تینوں سوالوں کے جواب میں کہتا ہے، کہ

ا:۔میرے رب اللہ ہیں۔

۲:۔میرا دین اسلام ہے۔

۳:۔میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔

جواب سن کر یہ دونوں فرشتے کہتے ہیں، تم نے سچ کہا۔اس کے بعد وہ قبر کی دیواروں کوسب طرف سے ہٹادیتے ہیں، جس سے وہ قبر چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔

اسکے بعدوہ کہتے ہیں، کہ اوپر سر اٹھاؤ! جب یہ انسان اپنا سر اٹھاتا ہے، تو اس کو ایک کھلا ہوا دروازہ نظر آتا ہے، جس میں سے جنت کے اندر کا نظارہ نظر آتا ہے۔وہ کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دوست! وہ جگہ تمہارے رہنے کی ہے، اس وجہ سے کہ، تم نے اللہ کا کہنا مانا ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کہ اس کو اس وقت اتنی خوشی ہوتی ہے، کہ جو اسے کبھی نہ لوٹے گی۔اس کے بعد وہ فرشتے کہتے ہیں کہ اپنے پاؤں کی طرف دیکھو، وہ جب اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا ہے، تو اسے جہنم کا ایک دروازہ نظر آتا ہے، وہ فرشتے کہتے ہیں، کہ اے اللہ کے دوست! تم نے اس دروازے سے نجات پالی، اس وقت بھی اسے اتنی خوشی ہوتی ہے، جو اس نے کبھی نہ لوٹے گی۔

اسکے بعد اس کی قبر میں ستّر (۷۰) دروازے جنت کی طرف کھل جاتے ہیں، جن میں سے وہاں کی ٹھنڈی ہوائیں اور خوشبویں آتی رہتی ہیں اور قیامت تک ایسی ہی ہوتا رہے گا۔

بے ایمان کی موت کے وقت کا منظر

اسی طرح جب کسی بے ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ ملک الموت سے فرماتے ہیں، کہ میرے دشمن کے پاس جاؤ اور اس کی روح نکال لاؤ، میں نے اس پر ہر قسم کی فراخی کی، اپنی نعمتیں اس پر لاددی، مگر وہ میری نافرمانی سے باز نہیں آیا، لاؤ آج اس کو سزا دوں۔

تو ملک الموت نہایت تکلیف دہ صورت میں اسکے پاس آتے ہیں۔ان چہرے پر بارہ آنکھیں ہوتی ہیں، ان کے پاس جہنم کی آگ کا ایک گُرج (ڈنڈا) ہوتا ہے، جس میں کانٹے ہوتے ہیں، ان کے ساتھ پانچ سو (۵۰۰) فرشتوں کی جماعت ہوتی ہے، جن کے ہاتھ میں آگ کے انگارے اور آگ کے کوڑے ہوتے ہیں، ملک الموت آتے ہی اسے گُرج سے

مارتے ہیں، جس کی وجہ سے گرج کے کانٹے اس کی رگ رگ میں گھس جاتے ہیں، باقی فرشتے اس کے منہ اور سرین پر کوڑے مارنا شروع کرتے ہیں۔

پھر اسکی روح کو پاؤں کی انگلیوں سے نکالنا شروع کرتے ہیں۔ روک روک کر اس کی روح نکالی جاتی ہے، تاکہ تکلیف پر تکلیف ہو، پھر جہنم کی آگ کے انگارے اس کی پیٹھ کے نیچے رکھتے ہیں اور ملک الموت اس سے کہتے ہیں کہ "اے ملعون روح نکل! اور اس جہنم کی طرف چل، جس کے بارے میں اللہ نے خبریں بھجوائی تھیں

پھر جب اسکی روح، بدن سے رخصت ہوتی ہے، تو وہ بدن سے کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے برا بدلہ دے، تو مجھے اللہ کی نافرمانی میں جلدی سے لے جاتا تھا اور اس کا کہنا ماننے میں آنا کانی کرتا تھا، آج تو خود بھی ہلاک ہوا اور مجھے بھی ہلاک کیا اور یہی مضمون بدن، روح سے کہتا ہے۔

زمین کے وہ حصے، جن پر اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے یہ چلتا تھا۔ وہ اس پر لعنت کرتے ہیں اور شیطان کے لشکر دوڑے دوڑے اپنے سردار ابلیس کے پاس پہونچ کر اسے خوشخبری سناتے ہیں، کہ ایک آدمی کو جہنم پہنچا دیا۔

پھر جب برزخ میں پہنچتا ہے، تو وہاں کی زمین اس پر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں گھس جاتی ہیں، اور اس پر کالے سانپ مسلط ہو جاتے ہیں، جو اس کی ناک اور پاؤں کے انگوٹھے سے کاٹنا شروع کرتے ہیں اور درمیان میں دونوں سانپ آکر ملتے ہیں۔ پھر اس کے پاس منکر نکیر آتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں، کہ

تیرا رب کون ہے؟

تیرا دین کون ہے؟

تیرے نبی کون ہیں؟

وہ ہر سوال کے جواب میں لاعلمی ظاہر کرتا ہے، اس کے جواب نہ دینے پر اتنی زور سے اسے گرج سے مارا جاتا ہے، کہ اس گرج کی چنگاریاں قبر میں پھیل جاتی ہیں۔ اس بعد اس سے کہا

جاتا ہے کہ اوپر دیکھ، تو وہ اوپر کی طرف جنت کا دروازہ کھلا ہوا دیکھتا ہے، وہ فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اے اللہ کے دشمن! اگر تو اللہ کا فرمانبردار بنکر رہتا، تو تیرا یہ ٹھکانہ ہوتا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اسکو وقت ایسی حسرت ہوتی ہے، کہ ایسی حسرت کبھی نہ ہوگی، پھر جہنم کا دروازہ کھولا جاتا ہے اور وہ فرشتے کہتے ہیں، کہ اللہ کے دشمن! اب تیرا یہ ٹھکانہ ہے۔ اس لئے کہ تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اس کے بعد جہنم کے ستّر (۷۰) دروازے اس کی قبر میں کھول دیئے جاتے ہیں، جن میں سے قیامت تک گرم ہوائیں اور دھواں وغیرہ آتا رہتا ہے۔

(کتاب الجنائز)

انبیاء علیہم السلام کی غیبی مددوں کے واقعات

(نوٹ: قرآن کی آیتوں کے ترجمے بالکل لفظ بہ لفظ نہیں ہیں)

ایک مرتبہ حضور ﷺ سے ایک آدمی نے آکر پوچھا، کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا کبھی آپ کے لئے آسمان سے کھانا آیا ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: کہ ہاں، ایک مرتبہ ایک ڈیگچی میں گرم گرم کھانا آسمان سے اترا تھا۔

اس نے پوچھا کہ کیا آپ نے اس میں سے کھایا تھا؟

آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، میں نے کھایا تھا۔

اس نے پوچھا، کیا آپ کے کھانے کے بعد اس میں کچھ کھانا بچا بھی تھا؟

آپ نے ﷺ فرمایا: کہ ہاں، ہمارے کھانے کے بعد اس میں کچھ کھانا بچ بھی گیا تھا۔

اس نے پوچھا کہ پھر اس بچے ہوئے کھانے کا کیا ہوا؟

آپ نے فرمایا: کہ پھر وہ ڈیگچی آسمان کی طرف اوپر چلی گئی۔ لیکن جب وہ ڈیگچی اوپر جا رہی تھی، تو اس میں سے یہ آواز آرہی تھی کہ میں آپ لوگوں میں تھوڑا عرصہ ہی رہوں گی۔ کیونکہ لوگ الگ الگ جماعتیں بنائیں گے اور پھر ایک دوسرے کو قتل کریں گے اور قیامت سے

پہلے بہت زیادہ موتیں ہونے لگیں گی۔ پھر زمین پر خوب زیادہ زلزلے آئیں گے۔

(حاکم:۴۔۱۴۴۷۔اصابہ:۲۔۶۔۸)

﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا، كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا، قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا، قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

حضرت مریمؑ کے لئے حضرت زکریاؑ نے مسجد اقصیٰ میں ایک حجرہ بنوایا تھا، جس میں دن بھر یہ رہتی تھیں اور ہر روز شام کو ان کے خالو حضرت زکریاؑ انھیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاتے تھے، جہاں یہ اپنی خالہ کے ساتھ رات گزارتی تھیں۔ صبح پھر زکریاؑ انہیں حجرے میں چھوڑ دیتے تھے۔ اس حجرے کے قریب کسی مرد یا عورت کا آنا منع تھا۔ خود حضرت زکریاؑ بھی شام کو انہیں باہر سے آواز دیتے تو یہ باہر آجاتی تھیں۔ ایک دن حضرت زکریاؑ حجرے کے اندر چلے گئے، تو اندر جا کر دیکھا کہ حجرے میں ہر قسم کے بے موسم پھل رکھے تھے۔

تو بڑے تعجب سے مریمؑ سے پوچھا کہ اے مریم! یہ پھل کہاں سے آئے؟! مریمؑ نے فرمایا: کہ اے میرے خالو جان! یہ پھل تو روز میرے اللہ مجھے آسمانوں سے بھیج کر کھلاتے ہیں۔

(آل عمران،۳۷)

﴿هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

اس پر زکریاؑ نے یہ دعا کی، اے اللہ! جب آپ بغیر درخت کے اور بغیر موسم کے پھل دے سکتے ہیں، تو کیا مجھے اس عمر میں ایک اولاد نہیں دے سکتے؟! اے اللہ! مجھے ایک اولاد عطا فرما۔ اسی وقت ان کو یہ بشارت ہوئی کہ تمہیں اولاد ملے گی اور اس کا نام یحیٰ رکھنا۔

(سورہ آل عمران:۳۸۔۳۹)

﴿وَاِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ، قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشَّاهِدِيْنَ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِّنَ السَّمَاءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْ اُعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا اُعَذِّبُهُ اَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِيْنَ﴾

حضرت عیسیٰؑ کے لئے چالیس دن تک آسمان سے ایک خوان اترتا تھا۔ جس میں روٹی اور مچھلی کا سالن ہوتا تھا، یہ کھانا ''مائدہ'' کے نام سے مشہور رہا۔

(سورہ مائدہ ۱۱۲، ۱۱۵)

﴿وَقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾

اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو اسی انسانی جسم کے ساتھ آج سے تقریباً دو ہزار (۲۰۰۰) سال پہلے زندہ آسمانوں کے اوپر اٹھالیا۔

(سورہ نساء: ۱۵۷۔۱۵۸)

اور قیامت آنے سے پہلے دجال کو قتل کرنے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کو پھر زمین پر اتارا جائے گا، کہ سرخ جوڑے میں دو فرشتوں کے پروں پر ہاتھ رکھے ہوئے دمشق کی جامع مسجد کے مینار پر صبح فجر کی نماز کے وقت ان کا اترنا ہوگا۔

(بخاری۔ مسلم)

﴿وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا، قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ، كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي

الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ﴾

حضرت موسیٰؑ جب اپنی قوم بنی اسرائل کولیکر دریائے نیل کے پار پہنچ گئے تو میدانِ تِیہ میں ان کی قوم نے پینے کے پانی کی حاجت بتائی، تو اللہ نے حکم دیا کہ پتھر کی چٹان پر لاٹھی مارو۔ موسیٰؑ نے چٹان پر لاٹھی ماری، تو چٹان سے بارہ چشمے جاری ہوگئے، جس سے بنی اسرائل کے بارہ قبیلے، ایک ایک چشمے سے اپنی اپنی ضرورت کا پانی لینے لگے۔

(سورہ بقرہ ۶۰)

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی، کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَارَزَقْنٰکُمْ وَمَاظَلَمُوْنَا وَلٰکِنْ کَانُوْٓا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ﴾

پھر ان لوگوں نے موسیٰؑ کے سامنے بھوک کی حاجت پیش کی، تو اللہ تعالی نے انکے لئے بھنی ہوئی بٹیریں آسمان سے اتاری، اسے کھا کر یہ لوگ سو گئے۔ جب یہ لوگ صبح سو کر اٹھے تو گھاس اور جھاڑیوں کی پتّیوں پر انہیں سفید اولے کی طرح کوئی چیز بچھی ہوئی نظر آئی، جب اس کو کھایا تو انہیں پتہ چلا کہ یہ تو حلوا ہے۔

پھر دوپہر کے وقت جب سورج سر پر آیا تو سورج کہ گرمی سے بچنے کیلئے اس میدان میں انہیں کوئی پیڑ وغیرہ نظر نہ آیا، گرمی سے یہ پریشان ہوئے، تو موسیٰؑ سے اسکی شکایت کی۔ اسی وقت اللہ نے بادل کے ٹکڑے بھیجے، جو ہر قبیلوں کے سروں کے اوپر سورج کے درمیان آڑ بن گیا۔

اس طرح چالیس سال تک یہ لوگ اسی میدان میں رہے۔ ہر روز شام کے وقت بٹیر اور صبح کے وقت حلوا اور دوپہر کے وقت بادل سے یہ لوگ فائدہ اٹھاتے رہے۔ بغیر کمائے دھمائے اللہ نے انکی حاجت کو اپنی قدرت سے پورا کیا۔

(سورہ بقرہ ۵۷)

﴿وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی قَالَ ھِیَ عَصَایَ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْھَا وَاَھُشُّ بِھَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْھَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی قَالَ اَلْقِھَا یٰمُوْسٰی فَاَلْقٰھَا فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تَسْعٰی قَالَ

خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَىٰ﴾

حضرت موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے جب پوچھا کہ اے موسیٰ! تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ موسیٰؑ نے جواب دیا کہ لاٹھی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ یہ لاٹھی زمین پر ڈال دو، جب موسیٰؑ نے اس لاٹھی کو زمین پر ڈالا، تو اللہ تعالیٰ نے اسے سانپ میں بدل دیا۔

اب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کہا، کہ اسے پکڑ لو، جیسے ہی موسیٰؑ نے سانپ کو پکڑا، وہ پھر لاٹھی بن گیا۔

(سورہ طٰہٰ: ۲۹.۱۹)

﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ إِذْ أَبَقَ إِلَى الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ فَالْتَقَمَهُ الْحُوتُ وَهُوَ مُلِيمٌ فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ فَنَبَذْنَاهُ بِالْعَرَاءِ وَهُوَ سَقِيمٌ وَأَنْبَتْنَا عَلَيْهِ شَجَرَةً مِّن يَقْطِينٍ﴾

جب حضرت یونسؑ ناؤ پر بیٹھ کر ندی پار کر رہے تھے اور ناؤ بھنور میں پھنسی تو سارے لوگوں نے یہ بات طے کی، کہ آدمی زیادہ ہونے کہ وجہ سے ناؤ پھنسی ہوئی ہے، اگر اسمیں سے کوئی ایک آدمی ناؤ سے کود جائے، تو سارے آدمی ڈوبنے سے بچ جایں گے۔ اس بات پر یونسؑ بولے کہ میں اس کیلئے تیار ہوں۔ لوگوں نے کہا آپ رہنے دیجئے، پھر نام لکھ کر پرچی ڈالی گئی، کہ جس کا نام نکلے گا، وہ پانی میں کودے گا اور اگر وہ خوشی سے نہیں کودے گا، تو ہم لوگ اس کو پانی میں پھینک دیں گے، سب لوگ اس بات پر تیار ہو گئے۔ جب پرچی ڈالی گئی تو اس میں یونسؑ کا نام نکلا، تو یونسؑ نے اپنے اوپر کے کپڑے اتار کر ناؤ میں رکھے اور دریا میں کود گئے۔ جیسے ہی یہ کودے تو ایک بڑی مچھلی نے انکو اپنے پیٹ میں نگل لیا۔ چالیس دن تک یہ مچھلی کے پیٹ میں رہے۔ پھر وہیں سے انھوں نے دعا کی، تو مچھلی نے پانی کے اوپر آ کر ریت پر انھیں اگل دیا۔

(سورہ صٰفّٰت: ۱۳۹_۱۴۶)

قوم ثمود نے حضرت صالحؑ سے اللہ پر ایمان لانے کیلئے شرط رکھی، کہ اگر تمہارا رب پہاڑ

سے ایک حاملہ اونٹنی پیدا کردے، تو ہم لوگ تمہیں نبی مان لیں گے۔ جس پر حضرت صالحؑ نے اللہ سے دعا کی تو اللہ نے پہاڑ کو پھاڑ کر اس کے اندر سے ایک حاملہ اونٹنی پیدا کردی، پہاڑ سے باہر آتے ہی اس اونٹنی سے ایک بچہ پیدا ہوا۔

(قصص الانبیا)

﴿وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِيَادُ فَقَالَ إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ رُدُّوهَا عَلَيَّ فَطَفِقَ مَسْحًا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ﴾

ایک بار حضرت سلیمانؑ اپنے گھوڑوں کا معائنہ کر رہے تھے، ان کے معائنہ کر میں اتنا مشغول ہو گئے کہ عصر کی نماز قضا ہو گئی۔ ان کو جب نماز کا خیال آیا تو سورج غروب ہو چکا تھا، انھوں نے اللہ سے دعا کی، تو سورج واپس آ گیا، سورج کے واپس آنے پر انھیں عصر کی نماز پڑھی۔

(سورہ ص۔ ۳۰،۳۳)

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا دَاوُودَ مِنَّا فَضْلًا يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ عَنْ ذِكْرِي وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

حضرت داودؑ کو اللہ نے لوہے کی جرح بنانے کا حکم دیا، حضرت داودؑ جب لوہے کو اپنے ہاتھ سے پکڑتے تو لوہا ان کے ہاتھ میں آتے ہی موم ہو جاتا تھا۔

(سورہ سبا: ۱۰،۱۱)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ ہم لوگوں پر) بادل نے سایہ کیا، تو ہم نے اس سے (بارش کی) امید کی، جس پر حضور ﷺ نے فرمایا: جو فرشتہ بادلوں کو چلاتا ہے، وہ ابھی حاضر ہوا تھا، اس نے مجھے سلام کیا اور بتلایا کہ وہ اس بادل کو وادی یمن کی طرف لے جارہا ہے، جہاں ذرعہ نام کی جگہ پر اس کا پانی برسے گا۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضرت ایوبؑ کو اللہ تعالی نے جب بیماری سے شفاء دی،

تو یہ اپنی بیوی کے ساتھ اپنے گھر واپس ہونے لگے، تو ان کے ساتھ روزانہ کے کھانے کا جو سامان تھا، جس میں ایک بوری میں گیہوں تھا، اور ایک بوری میں جَو تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے گیہوں کو سونے کا اور جَو کو چاندی کا بنا دیا۔

(قصص الانبیاء)

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ حضرت ایوبؑ غسل فرما رہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے سونے کی ٹڈیاں ان پر برسائیں، تو حضرت ایوبؑ نے ان سونے کی ٹڈیوں کو دیکھا تو مٹھی بھر بھر کر کپڑے میں رکھنے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا: کہ کیا ہم نے تم کو غنی نہیں بنایا دیا ہے؟ جو تم ان کو اٹھا رہے ہو؟ جس پر حضرت ایوبؑ نے عرض کیا، کہ اے پروردگار، آپ کی نعمتوں اور برکتوں سے کب کوئی بے پرواہ ہو سکتا ہے ''وَلٰكِنْ لَا غِنىٰ عَنْ بَرَكَتِكَ''

(صحیح بخاری)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دن حضور ﷺ پیالے سے پانی لیکر وضو کر رہے تھے، کہ آپ ﷺ کی نگاہ پاس آئے ہوئے صحابہ پر پڑی، سب کے چہرے پر پریشانی نظر آ رہی تھی تو آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کیا بات ہو گئی ہے؟

صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! ہم لوگوں کے پاس نہ تو وضو کیلئے پانی ہے اور نہ پینے کے لئے۔ بس اسی پیالے میں پانی ہے جس سے آپ وضو کر رہے ہیں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے اس پیالہ میں اپنا ہاتھ رکھا، تو آپ ﷺ کی انگلیوں کے بیچ سے پانی نکل کر پیالے سے باہر گرانے لگے، تو ہم لوگوں نے اس پانی کو لیکر پیا اور وضو کیا۔ ہم پانی پینے اور وضو کرو الوں کی تعداد اس دن چودہ سو تھی۔

(بدایہ: ۶، ۹۶۔ ابن سعد: ۱۔ ۱۷۹)

حضرت عرباضؓ فرماتے ہیں، کہ جب ہم لوگوں کی جماعت تبوک میں تھی، تو ایک رات ہم حضور ﷺ کے پاس دیر سے پہنچے۔ اس وقت آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھ والے صحابہؓ رات کا کھانا کھا چکے تھے۔ اتنے میں حضرت جعال بن سراقہؓ اور عبداللہ بن معقل مزنیؓ بھی کہیں سے

آئے ۔ آپ ﷺ نے ہم تینوں کو کھانے کے لئے حضرت بلالؓ سے پوچھا، کچھ کھانے کو ہے؟ حضرت بلالؓ نے ایک تھیلہ کو جھاڑا جس میں سے سات کھجوریں نکل آئیں ۔ حضور ﷺ نے ان ساتوں کھجوروں کو ایک پیالہ میں رکھا اور پیالہ پر اللہ کا نام لیتے ہوئے ہاتھ پھیرا، پھر ہم لوگوں سے کہا اللہ کا نام لیکر کھاؤ، ہم لوگوں نے کھجوریں کھانا شروع کی، میں گنتا جارہا تھا اور گٹھلیوں کو دوسرے ہاتھ میں پکڑتا جارہا تھا ، میں نے چوّن (۵۴) کھجوریں کھائیں، میرے دونوں ساتھی بھی میری ہی طرح کرر ہے تھے، کہ وہ بھی کھجوریں گن رہے تھے، ان دونوں نے بھی پچاس (۵۰) پچاس (۵۰) کھجوریں کھائی تھیں ۔

جب ہم کھاچکے، تو اس پیالہ میں وہ سات کھجوریں ویسی کی ویسی ہی باقی تھیں، پھر حضور ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا، ان کھجوروں کو اپنے تھیلہ میں رکھ لو، دوسرے دن حضور ﷺ نے پھر وہ کھجوریں پیالہ میں ڈالیں اور فرمایا: اللہ کا نام لیکر کھاؤ، ہم دس (۱۰) آدمی پیٹ بھر کر کھجوریں کھاگئے، پر پیالہ میں اسی طرح سات کھجوریں بچی تھیں ۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا: اگر مجھے اپنے رب سے حیا نہ آتی، تو مدینہ پہنچنے تک یہ کھجوریں کھاتے رہتے، پھر مدینہ پہنچ کر آپ نے ان کھجوروں کو بچوں میں تقسیم کر دیا۔

(بدایہ:۶۔۱۱۸)

حضرت بشیر بن سعدؓ کی بیٹی نے بتلایا کہ ایک دن میری ماں نے مجھے مٹھی بھر کھجوریں تھیلی میں ڈال کر دیا اور کہا کہ انھیں اپنے ابّا (بشیر) اور ماموں (عبداللہ بن رواحہؓ) کو دوپہر میں کھانے کیلئے دے آؤ۔

میں وہ کھجوریں لیکر ماموں اور ابّا کو ڈھونڈتے ہوئے حضور ﷺ کے قریب سے گذری۔
حضور ﷺ نے مجھے اپنے پاس بلایا اور پوچھا اس تھیلی میں کیا ہے؟ میں نے کہا کہ کھجوریں ۔
حضور ﷺ نے وہ کھجوریں مجھ سے اپنے دونوں ہاتھوں میں لی، جس سے آپ کے دونوں ہاتھ بھی نہ بھر پائے ۔ آپ کے کہنے پر ایک کپڑا بچھایا گیا، جس پر آپ ﷺ نے وہ کھجوریں بکھیر دیں، پھر ایک صحابی سے کہا: جاؤ خندق والوں کو بلالاؤ کہ وہ لوگ آکر کھجوریں کھالیں، اعلان پر سارے

خندق والے جمع ہو گئے اور کھجوریں کھانے لگے، وہ کھجوریں بڑھتی چلی جا رہی تھی، جب وہ سارے لوگ کھا کر چلے گئے، تو کھجوریں کپڑے سے باہر تک گر رہی تھیں۔

(دلائل: ص ۱۸۰۔ بدایہ: ۶۔۱۱۶)

بدر کی لڑائی میں حضرت عکاشہ بن محصنؓ کی تلوار ٹوٹ گئی، یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے انہیں پیڑ کی ایک ٹہنی پکڑا دی حضرت عکاشہؓ کے ٹہنی پکڑتے ہی، اللہ تعالیٰ نے اس ٹہنی کو تلوار میں بدل دیا، جس کا لوہا بڑا صاف و مضبوط تھا۔

(ابن سعد: ۱۔ ۱۸۸)

حضرت سمرہ بن جندبؓ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، کہ استنے میں ثرید کا ایک پیالہ آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اس میں سے کھایا اور جو لوگ وہاں پر موجود تھے، ان سب نے بھی کھایا، ظہر تک لوگ باری باری آتے رہے اور اس میں سے کھاتے رہے۔

ایک آدمی نے حضرت سمرہؓ سے پوچھا، کہ کیا اس پیالہ میں کوئی آدمی اور ثرید ڈال جاتا تھا؟ حضرت سمرہؓ نے فرمایا زمین سے تو لا کر نہیں ڈالا جاتا تھا، البتہ آسمان سے ضرور ڈالا جا رہا تھا۔

(بدایہ: ۶۔۱۱۲۔ دلائل: ص ۱۵۳۔)

حضرت واثلہ بن اسقعؓ فرماتے ہیں میں اصحابہ صفہ میں سے تھا، ایک دن حضور ﷺ نے مجھ سے روٹی کا ٹکڑا منگوایا اور اس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے پیالہ میں ڈال دیا پھر اس پیالہ میں گرم پانی اور چربی ڈال کر اسے اچھی طرح ملایا۔

پھر اس کی ڈھیری بنا کر بیچ میں اونچا کر کے مجھ سے فرمایا: جاؤ اور اپنے سمیت دس آدمیوں میرے پاس بلا لاؤ۔ میں دس آدمیوں کو بلا لایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کھاؤ! لیکن اپنے آگے سے کھانا، بیچ سے نہ کھانا۔ کیوں کہ برکت اوپر سے بیچ میں اترتی ہے۔ چنانچہ ہم سب نے اس میں سے پیٹ بھر کر کھایا۔

(ہیثمی: ۸۔۳۰۵۔ دلائل: ص ۱۵۰)

حضرت عبّاس بن سہل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک صبح لوگوں کے پاس پانی بالکل نہیں تھا۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بات بتلائی۔ آپ ﷺ نے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل اسی وقت بھیجا، جو خوب زور سے برسا، لوگ سیراب ہو گئے۔ پھر سب نے اپنی ضرورتیں پوری کی اور برتنوں میں بھی بھرلیا۔

(دلائل۔ص:۱۹۰)

حضور ﷺ نے کسی کام کیلئے دو صحابی کو باہر بھیجا۔ جاتے وقت ان دونوں نے حضور ﷺ کو بتلایا، کہ ہم لوگوں کے پاس راستے کیلئے کچھ نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ایک مشک ڈھونڈ کر لاؤ۔ وہ ایک مشک لیکر آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا: اسے بھر دو! انھوں نے اسے پانی سے بھر دیا۔ حضور ﷺ نے اس مشک کا منہ رسّی سے باندھا اور انہیں دے کر فرمایا، جب تم لوگ چلتے چلتے فلاں جگہ پر پہنچو گے، تو وہاں اللہ تعالیٰ تمہیں غیب سے روزی دیں گے۔ چنانچہ وہ دونوں چل پڑے، جب چلتے چلتے یہ دونوں اس جگہ پہنچے، جہاں کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا، تو انکے مشک کا منہ اپنے آپ کھل گیا، انہوں نے دیکھا کہ مشک میں پانی کی جگہ دودھ اور مکھن بھرا ہوا ہے، پھر ان لوگوں نے پیٹ بھر کر مکھن کھایا اور دودھ پیا۔

(ابن سعد:۱۔۱۷۲)

جنت، دوزخ کی سیر

حضور ﷺ نے ایک صبح ارشاد فرمایا: پچھلی رات میرے اللہ نے مجھکو خاص عزت اور بزرگی سے نوازا، کہ پچھلی رات جب میں سو رہا تھا، رات کے ایک حصّہ میں جبرئیل علیہ السلام آئے اور مجھکو جگایا۔ میں پوری طرح سے جاگ بھی نہ پایا تھا، کہ مجھکو حرم کعبہ میں اٹھا لائے۔ وہاں جبرئیل علیہ السلام نے میری سواری کیلئے خچر سے کچھ چھوٹا جانور براق پیش کیا، جو سفید رنگ کا تھا۔

جب میں اس پر سوار ہو کر چلا، تو اس کی دھیری رفتار کا حال یہ تھا، کہ جہاں تک مجھے نظر آتا تھا، اس کا پہلا قدم وہاں پر پڑتا تھا، اچانک ہم لوگ بیت المقدس جا پہنچے، یہاں جبریل علیہ السلام کے

اشارے پر ہم نے براق کو اس جگہ کھڑا کر دیا، جس جگہ بنی اسرائل کے نبی اپنی سواریاں کھڑی کیا کرتے تھے۔

پھر میں مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا اور دو رکعت نماز پڑھی۔ پھر عرش پر جانے کی تیاری شروع ہوئی۔ اس کے بعد عرش کا سفر شروع اور جبرئیلؑ کے ساتھ براق نے آسمان کی طرف اڑان بھری، جب ہم پہلے آسمان تک پہنچ گئے تو جبرئیلؑ نے آسمان کا دروازہ کھولنے کیلئے فرشتے سے کہا۔ دروازہ پر مقرر فرشتے نے پوچھا، کون ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا، میں جبرئیل ہوں۔

فرشتے نے پوچھا۔ تمہارے ساتھ کون ہے؟

جبرئیلؑ نے جواب دیا، محمد ﷺ۔

فرشتے نے پوچھا، کیا انہیں اوپر بلایا گیا ہے؟

جبرئیلؑ نے کہا بیشک۔ پھر فرشتے نے دروازہ کھولا اور دروازہ کھولتے ہوئے مجھ سے کہا، کہ آپ جیسی ہستی کا یہاں آنا مبارک ہو۔ جب ہم اندر داخل ہوئے تو، حضرت آدمؑ سے ملاقات ہوئی۔ جبرئیلؑ نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا، یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں۔ آپ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے انکو سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''مرحباً صالح بیٹے اور صالح نبی''۔ اس کے بعد دوسرے آسمان پر پہنچے اور پہلے آسمان کی طرح سوالوں کا جواب دیکر دروازہ میں داخل ہوئے، تو وہاں یحییٰؑ اور عیسیٰؑ سے ملاقات ہوئی۔ جبرئیلؑ نے انکا تعارف کرایا اور ہم سے کہا کہ آپ سلام میں پہل کیجئے، میں نے سلام کیا اور ان دونوں نے جواب دیتے ہوئے فرمایا، مبارک ہو ''اے برگزیدہ نبی''۔

اسکے بعد چوتھے آسمان پر بھی انہی سوالوں کے بعد حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی اور پانچویں آسمان پر حضرت ہارونؑ سے اور

چھٹے آسمان پر موسیٰؑ سے اسی طرح ملاقات ہوئی،

لیکن جب میں وہاں سے ساتویں آسمان کی طرف جانے لگا تو حضرت موسیٰؑ رنجیدہ ہو گئے۔ جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا، مجھے یہ رشک ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی زوردار حکمت نے ایسی ہستی کو (جو میرے بعد دنیا میں بھیجی گئی) یہ شرف دے دیا، کہ اس کی امت میری امت کے مقابلے میں کئی گنا جنت کا فیض حاصل کرے گی۔

اس کے بعد پچھلے سوالوں اور جوابوں کا سلسلہ طے کر کے جب میں ساتویں آسمان پر پہنچا، تو حضرت ابراھیمؑ سے ملاقات ہوئی جو ''بیت المعمور'' سے پیٹھ لگائے بیٹھے ہوئے تھے، جس میں ہر دن ستّر ہزار (۷۰۰۰۰) نئے فرشتے (عبادت کیلئے) داخل ہوتے ہیں۔ حضرت ابراھیم نے میرے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ''مبارک میرے بیٹے اور برگزیدہ نبی'' یہاں سے پھر مجھے ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک پہنچایا گیا، جس کا پھل جھربیَر کے گٹھلیوں کے برابر ہے اور جس کے پتّے ہاتھی کے کان کی طرح چوڑے ہیں۔ اس پر اللہ کے لاتعداد فرشتے جگنو کی طرح چمک رہے تھے اور اللہ کی خاص تجلّی نے ان کو حیرتناک طور پر روشن اور کیف والا بنا دیا۔

(مسلم۔ بخاری)

صحابہؓ کے غیبی مددوں کے واقعات

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن، حضور ﷺ گھر میں تشریف لائے، میں آپ کے چہرے کے آثار دیکھ کر سمجھ گئی، کہ آج کوئی اہم بات پیش آئی ہے۔ آپ ﷺ نے گھر میں وضو فرمایا اور کسی سے کوئی بات کئے بغیر مسجد میں چلے گئے، میں حجرے کی دیوار سے کان لگا کر کھڑی ہو گئی، کہ سنوں، آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بیان فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو۔ (اللہ کی پہچان کراتے رہو اور اللہ کے غیر سے کچھ نہیں ہوتا ہے، اسے سمجھاتے رہو) اگر تم نے ایسا نہ کیا،

۱:- تو، میں تمہاری دعاؤں کو قبول نہیں کروں گا۔

۲:- تم مجھ سے سوال کرو گے، تو میں تمہارے سوالوں کو پورا نہیں کروں گا۔

۴:-تم اپنے دشمنوں کے خلاف مجھ سے مدد طلب کرو گے، تو میں تمہاری مدد نہ کروں گا۔
آپ ﷺ یہ بیان فرما کر منبر سے نیچے تشریف لے آئے۔

(ابن ماجہ)

امّ ایمنؓ فرماتی ہیں کہ میں ہجرت کر کے مدینہ جارہی تھی منصرف نام کی جگہ پر پہنچی تو شام ہوگئی تھی، روزہ سے تھی لیکن ہمارے پاس پانی نہیں تھا اور پیاس کے مارے براحال تھا، تو آسمان سے سفید رسّی میں پانی سے بھرا ہوا ڈول اترا، امّ ایمنؓ کہتی ہیں کہ میں نے اس ڈول سے خوب پانی پیا، پھر اس دن کے بعد سے مجھے کبھی پیاس نہیں لگی۔ حالانکہ میں تیز گرمیوں میں روزہ رکھتی تھی تا کہ مجھے پیاس لگے۔ لیکن مجھے پیاس نہیں لگتی تھی۔

(اصابہ:۴۔۴۳۲۔طبقات ابن سعد:۸۔۲۲۴)

حضرت علاء بن حضرمیؓ کی جماعت بحرین گئی ہوئی تھی سفر میں پانی نہیں تھا۔ جسکی وجہ سے اونٹ بھی پیاس کے مارے قافلہ سے بھاگ گئے اور ان پر جو سامان اور کھانا بندھا ہوا تھا، اس سے بھی صحابہؓ محروم ہوگئے۔ ساری جماعت پیاس سے پریشان ہوگئی، تو تیمّم کر کے سب نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر اللہ سے پانی کا انتظام کرنے کی دعا کی، یہ لوگ دعا کر ہی رہے تھے، کہ پیچھے سے پانی ابلنے کی آواز سنی۔ جب پیچھے پلٹ کر دیکھا، تو زمین سے ایک چشمہ پھوٹ کر پانی کی دھار بہہ رہی تھی اور جو جانور سامان لیکر چلے گئے تھے۔ وہ سب بھی ایک ساتھ واپس آرہے تھے، جیسے انہیں کوئی پکڑ کر لا رہا ہو۔

(بیہقی۔بخاری)

عبداللہ بن جعفرؓ کو دس لاکھ (۱۰۰۰۰۰۰) درہم کے بدلے میں ایک زمین ملی، جو بنجر تھی، انھوں نے اپنے غلام سے مصلیٰ لیکر اس زمین پر چلنے کو کہا۔ زمین پر پہنچ کر غلام سے مصلیٰ بچھانے کو کہا۔ پھر مصلیٰ پر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھی، سجدے میں بہت دیر تک پڑے رہے، پھر نماز سے فارغ ہو کر، غلام سے کہا، کہ مصلیٰ اٹھا کر یہاں کی زمین کھودو۔ جب غلام نے وہاں کی زمین

کھودی، تو پانی کا ایک چشمہ وہاں سے ابلنے لگا۔

(فضائل اعمال)

ایک مرتبہ حضرت انسؓ کے غلام نے حضرت انسؓ سے باغ اور کھیت میں پانی نہ ہونے کی شکایت کی۔ تو حضرت انسؓ نے اس سے پانی مانگا اور وضو کیا، پھر دو رکعت نماز پڑھی اور غلام سے کہا، کہ باہر جا کر دیکھو، کیا آسمان سے بادل آیا؟ اس نے باہر دیکھ کر بتایا کہ بادل تو نہیں ہے۔ جس پر حضرت انسؓ نے دوبارہ، تیسری، اور چوتھی مرتبہ نماز پڑھ کر پھر غلام سے کہا کہ اب جا کر دیکھو۔ اس بار غلام نے آکر بتایا، کہ ہاں چڑیا کے پر کے برابر ایک بادل نظر آرہا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے پھر نماز پڑھی اور خوب دیر تک دعا کرتے رہے، پھر غلام نے بتایا کہ خوب بارش ہو رہی ہے۔ تو آپ نے اسے اپنا گھوڑا دیکر کہا، کہ جا دیکھ کر آ، کہاں تک بارش ہوئی؟ وہ گیا اور واپس آکر اس نے بتایا، کہ اپنے باغ اور کھیت کے علاوہ کہیں بارش نہیں ہوئی ہے۔

(طبقات ابن سعد)

چوہے کے بل سے رزق

ایک دن حضرت مقدادؓ ضرورت پوری کرنے کے لئے اپنے گھر سے چلے اور ایک بے آباد جگہ پر ضرورت پوری کرنے کیلئے بیٹھ گئے، اتنے میں ایک بڑا سا چوہا ایک دینار اپنے منہ میں دبائے ہوئے آیا اور ان کے سامنے اسے ڈال کر واپس چلا گیا۔ ایک ایک کر کے اس چوہے نے ستّر (۷۰) دینار ان کے سامنے لا کر رکھے۔

حضرت مقدادؓ وہ دینار لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا واقعہ بتایا۔

حضور ﷺ نے ان سے پوچھا۔ کہ تم نے چوہے کے بل میں اپنا ہاتھ تو نہیں ڈالا تھا؟

حضرت مقدادؓ نے جواب دیا، یارسولَ اللہ ﷺ میں نے اس کے بل میں اپنا ہاتھ نہیں ڈالا تھا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اسے لے لو، یہ اللہ کی طرف سے تمہیں روزی بھیجی گئی ہے، جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، کہ تمہیں ایسی جگہ سے روزی دوں گا، جہاں سے تمہیں گمان بھی نہ ہوگا۔

ان کی بیوی حضرت ضباعہؓ کہتی ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے ان دیناروں میں بہت برکت فرمائی، یہ اس وقت تک ختم نہیں ہوئے، جب تک کہ ہمارے گھر میں چاندی کے درہم بوریوں میں بھر کر نہیں رکھے جانے لگے۔

(دلائل: ص ۱۶۵)

تین دینار کا سرمایہ، وہ بھی صدقہ کر دیا

حضرت ابوامامہؓ دوسروں پر خرچ کرنے کیلئے گھر پر پیسے رکھتے تھے۔ کبھی کسی مانگنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرتے تھے۔ اگر پیسے نہیں ہوتے، تو اسے ایک پیاز یا ایک کھجور ہی دے دیتے تھے۔ ایک دن ایک مانگنے والا ان کے پاس آیا، ان کے پاس صرف تین دینار تھے، ایک دینار اس کو دے دیا، کچھ دیر بعد دوسرا مانگنے والا آیا، ایک دینار اس کو دے دیا، پھر تھوڑی دیر بعد تیسرا آیا انھوں نے وہ بھی اٹھا کر اسے دے دیا۔

ان کی عیسائی باندی نے جب آکر دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا اور اس نے غصہ میں کہا کہ تم نے ہمارے کھانے کے لئے بھی کچھ نہیں چھوڑا، انھوں نے اسکی بات سنی اور آکر لیٹ گئے، جب ظہر کی اذان ہوئی، تو یہ اٹھے اور وضو کر کے مسجد چلے گئے، یہ روزہ سے تھے۔ اس وجہ سے انکی باندی کو ان پر ترس آگیا اور غصہ اتر گیا، وہ باندی کہتی ہے، کہ میں نے ادھار لے کر، ان کے لئے رات کا کھانا پکایا اور گھر میں چراغ جلانے کیلئے ان کے بستر کے پاس گئی، جب بستر اٹھایا، تو اسکے نیچے سونے کے دینار رکھے ہوئے تھے۔ میں نے انھیں گنا تو وہ پورے تین سو تھے۔ میں نے سوچا کہ اتنے دینار یہ اپنے پاس رکھے ہوئے تھے۔ اس لئے وہ دینار مانگنے والے کو دے دیا۔ جب عشاء کی نماز کے بعد وہ گھر واپس آئے تو چراغ کی روشنی میں دسترخوان لگا دیکھا، اسے دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے یہاں سے آیا ہے؟ یہ سن کر میں کچھ نہ بولی، ان کو کھانا کھلایا، پھر کھانا کھانے کے بعد میں نے ان سے کہا، اللہ آپ پر رحم فرمائے، آپ اگر جاتے وقت ان دیناروں کے بارے میں مجھے بتا دیتے، تو میں اس

دیناروں کو اٹھا کر رکھ لیتی۔

حضرت ابوامامہؓ نے پوچھا کون سے دینار؟ میرے پاس تو کچھ نہیں تھا جسے میں چھوڑ کر جاتا۔تو میں نے بستر اٹھا کر وہ دینار دکھائے۔ان دیناروں کو دیکھ کر وہ خوش بھی ہوئے اور حیران بھی ہوئے۔انکی اس خوشی اور حیرانی کو دیکھ کر مجھ پر بڑا اثر ہوا، میں نے اپنا زنار کاٹ ڈالا اور مسلمان ہوگئی۔

(حلیہ:۱۰۔۱۴۹)

حضرت سائب بن اقرعؓ کو حضرت عمرؓ نے مدائن کا گورنر بنایا۔ایک بار وہ کسریٰ کے دربار میں بیٹھے ہوئے تھے، جہاں ان کی نظر دیوار پر بنی ہوئی ایک تصویر پر پڑی، جو انگلی سے ایک طرف اشارہ کر رہی تھی۔

حضرت سائب بن اقرعؓ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ کسی خزانے کی طرف اشارہ کر رہی ہے، میں نے اس جگہ کھودا تو بہت بڑا خزانہ وہاں سے نکلا۔میں نے خط لکھ کر حضرت عمرؓ کو خزانہ ملنے کی خبر کی اور یہ بھی لکھا کہ یہ خزانہ اللہ نے مجھے بغیر کسی مسلمان کی مدد کے دیا ہے۔تو حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ بیشک یہ خزانہ تمہارا ہے، لیکن تم مسلمانوں کے امیر ہو اسلیئے اسے مسلمانوں میں بانٹ دو۔

(اصابہ:۲)

امّ سلمہؓ کے یہاں ایک دن ہدیہ میں ایک پیالہ گوشت آیا۔انھوں نے اس گوشت کے پیالہ کو حضور ﷺ کے کھانے کیلیئے، اپنی باندی سے رکھوا دیا۔اسی وقت باہر مانگنے والا آیا۔تو امّ سلمہؓ نے اسے آگے جانے کو کہا، تو وہ چلا گیا۔اتنے میں حضور ﷺ آگئے، تو امّ سلمہؓ نے اپنی باندی سے وہ گوشت کا پیالہ حضور ﷺ کے کھانے کیلیئے مانگا، باندی جب پیالہ لے کر آئی، تو انھوں نے دیکھا، کہ اس گوشت کو اللہ تعالیٰ نے پتھر میں بدل دیا تھا۔

(فضائل صدقات)

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ اللہ کے راستہ میں گئے، مجھ

سے حضور ﷺ نے پوچھا اے ابو ہریرہ تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟ میں نے کہا جی ہاں کچھ کھجوریں تھیلی میں ہیں۔ آپ ﷺ نے کہا انھیں لے آؤ میں نے وہ کھجور لے جا کر آپ کو دے دی۔ پھر فرمایا: دس آدمیوں کو بلالاؤ، میں دس آدمیوں کو بلالایا۔ ان سب نے پیٹ بھر کر کھجوریں کھائیں۔ اسی طرح دس دس آدمی آتے رہے اور کھاتے رہے۔ یہاں تک کہ ساری جماعت نے وہ کھجور کھائی۔ پھر بھی تھیلی میں کھجوریں بچی رہیں۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا، اے ابو ہریرہؓ! جب تم کھجوریں کھانا چاہو، تو تھیلی میں ہاتھ ڈال کر نکال لیا کرنا۔ پر اس تھیلی کو کبھی الٹنا نہیں۔ ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ساری زندگی اس تھیلی سے کھجوریں نکال کر کھاتا رہا۔ پھر ابو بکر صدیقؓ کی ساری زندگی اس تھیلی سے نکال کر کھاتا رہا، پھر حضرت عمرؓ کی ساری زندگی کھاتا رہا، آخر میں حضرت عثمانؓ کی ساری زندگی میں اسی تھیلی سے کھجوریں کھاتا رہا۔ جس دن حضرت عثمانؓ کو شہید کیا گیا اس دن کی بھگدڑ میں میری تھیلی کہیں گم ہوگئی۔ اپنے شاگردوں سے فرمایا، کہ تم لوگوں کو بتاؤں میں نے (لگ بھگ بیس سال میں) اس میں سے کتنی کھجوریں کھائی ہیں؟ لوگوں نے کہا بتلائیے، ابو ہریرہؓ نے فرمایا دو سو وسق یعنی ۱۰۵۰ من (لگ بھگ ۴۲۵ کنٹل)

(بدایہ: ۶۔۱۱۷۔ دلائل۔ ص ۱۵۵)

حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے آکر حضور ﷺ سے غلہ مانگا۔ آپ ﷺ نے آدھا وسق (لگ بھگ ایک کنٹل) جَو اسے دے دیا۔ وہ آدمی اس کی بیوی اور اس کا غلام، یہ تینوں بہت دنوں تک اس جو کو کھاتے رہے۔ لیکن ایک دن اس نے اس غلے کو تول لیا۔ جب حضور ﷺ کو اس کے جَو تولنے کا علم ہوا، تو آپ ﷺ نے اس آدمی کو بلا کر فرمایا: اگر تم لوگ اسے تولتے نہ، تو ہمیشہ کھاتے رہتے، وہ جَو کبھی ختم نہ ہوتا۔

(بدایہ: ۶۔۱۰۴)

حضرت امِ شُریق دوسیہؓ نے ہجرت کی، راستے میں ایک یہودی کا ساتھ ہو گیا، یہ روزے سے تھیں اور شام ہو چکی تھی، ان کے پاس کھانے پینے کو کچھ نہ تھا۔ اس یہودی نے اپنی بیوی سے کہا، کہ تم اس

مسلمان کو پانی نہ دینا، ورنہ تمہاری خیریت نہیں۔اِمِ شریکؓ پیاسی ہی سوگئیں۔تہجد کے وقت اللہ تعالیٰ نے ایک پانی سے بھراہواڈول اورتھیلا آسمان سے اتارا، جس ڈول سے انھوں نے خوب پانی پیا۔

(ابن سعد: ۸۔۱۵۷)

کُپّی سے گھی پلٹنے کے بعد بھی کپّی بھری رہی

ایک مرتبہ حضرت امّ شریکؓ نے اپنی باندی کو گھی دے کر حضور ﷺ کے یہاں بھیجا، حضور ﷺ نے اس کپّی سے اپنے برتن میں گھی پلٹ لیا اوراس خالی کپّی کو باندی کے حوالے کر کے فرمایا،اس کپّی کو گھر جا کر لٹکا دینا اوراس کا منھ بند نہ کرنا۔

کچھ دیر بعد امّ شریکؓ نے دیکھا، کہ کپّی اسی طرح گھی سے بھری ہوئی لٹک رہی ہے، انھوں نے باندی کو بلا کر ڈانٹا، کہ میں نے تجھ سے یہ کپّی حضور ﷺ کے یہاں لے جانے کو کہا تھا، اسے کیوں نہیں پہنچایا؟ باندی نے کہامیں اس کا گھی دے آئی تھی۔

یہ سن کرامّ شریکؓ حضور ﷺ کے پاس گئیں اور جا کر ساری بات بتائیں،انکی بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ نے تمہیں بہت جلد بدلہ دے دیا۔اے امّ شریک!اس کپّی کا منھ کبھی بند نہ کرنا۔

چنانچہ بہت دنوں تک انکے گھر والے اس کا گھی کھاتے رہے۔ایک بار بھول سے امّ شریکؓ نے اس کپّی کا منھ بند کردیا۔بس اسی روز سے اس کپّی کا گھی کم ہونے لگا اورایک دن ختم ہوگیا۔

(ابن سعد: ۸۔۱۵۷)

ایک مرتبہ حضور ﷺ حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے۔حضرت فاطمہؓ سے پوچھا کیا تمہارے یہاں کھانے کو کچھ ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے کہا، کہ میر یہاں کھانے کوتو کچھ نہیں ہے۔

یہ سن کرآپ ﷺ واپس چلے گئے، کچھ دیر بعد حضرت فاطمہؓ کی پڑوسن نے دوروٹیاں اورایک ٹکڑا بھناہوا گوشت بھیجا۔حضرت فاطمہؓ نے وہ لیکر رکھ دیا اوراپنے بیٹے سے حضور ﷺ کو بلالانے کو کہا۔

جب حضور ﷺ دوبارہ تشریف لائے ،تو حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا، کہ اللہ نے کھانے کو کچھ بھیج دیا ہے، اس لئے میں نے آپ کو بلایا ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: لے آؤ، حضرت فاطمہؓ فرماتی

ہیں، کہ جب میں اس پیالہ کو لائی اور کھول کر دیکھا، تو میں حیران رہ گئی، کیوں کہ سارا پیالہ گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا تھا۔ میں سمجھ گئی، کہ اللہ نے برکت دی، میں نے وہ سارا کھانا حضور ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ ﷺ نے کھانے کو دیکھ کر مجھ سے پوچھا اے بیٹی! تمہیں یہ کھانا کہاں سے ملا؟ میں نے کہا اے ابا جان یہ کھانا اوپر اللہ کے یہاں سے آیا ہے۔ یہ جواب سن کر حضور ﷺ نے فرمایا: اے بیٹی! تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہے، جس نے تمہیں مریم کے مشابہ بنایا ہے۔

کیوں کہ اللہ تعالیٰ جب انھیں آسمانوں سے روزی بھیجتے تھے، پھر ان سے جب اس روزی کے بارے میں پوچھا جاتا، تو وہ بھی یہی جواب دیتی تھیں، کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر سے بھیجا ہے۔

(تفسیر ابن کثیر: ۱-۳۶۰)

حضرت امّ مالک ؓ اپنی کپّی میں گھی رکھ کر حضور ﷺ کو ہدیہ میں بھیجا کرتی تھیں۔ ایک بار ان کے بیٹے نے سالن مانگا، اس وقت ان کے گھر میں کچھ نہیں تھا۔ وہ اپنی اس کپّی کے قریب گئیں، جس کپّی میں گھی رکھ کر حضور ﷺ کو بھیجواتی تھیں۔ اس کپّی میں انھیں گھی مل گیا۔ حالانکہ اسے خالی کر کے لٹکایا تھا۔ اپنے بیٹوں کو بہت عرصہ تک سالن کی جگہ اس کپّی سے گھی نکال کر کھلاتی رہیں۔

آخر ایک بار انھوں نے اس کپّی کو نچوڑ لیا پھر اس میں سے گھی نکلنا بند ہو گیا۔ انھوں نے حضور ﷺ کے پاس جا کر سارا واقعہ بتایا۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا تم نے اسے نچوڑا تھا؟ انھوں نے کہا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اگر تم اسے نہ نچوڑتی تو تمہیں ہمیشہ اس میں سے گھی ملتا رہتا۔

(بدایہ: ۶-۱۰۴)

حضرت امّ اوس ؓ نے گھی کو پکا کر ایک کپّی میں ڈالا اور حضور ﷺ کو ہدیہ میں دے دیا حضور ﷺ نے وہ گھی اپنے برتن میں ڈال کر، انھیں کپّی واپس کرتے ہوئے برکت کی دعا دی۔

انھوں نے گھر جا کر دیکھا کہ وہ کپّی گھی سے بھری ہوئی ہے، وہ سمجھیں کہ شاید حضور ﷺ نے میرا ہدیہ قبول نہیں کیا ہے۔ وہ حضور ﷺ کے پاس واپس آئیں اور عرض کیا آپ ﷺ نے میرا ہدیہ قبول کیوں نہیں کیا؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ میں نے تو ہدیہ قبول کر لیا تھا، یہ تو اللہ نے

برکت فرمائی ہے کہ تمہاری کپّی گھی سے بھر گئی۔
چنانچہ حضور ﷺ کی ساری زندگی وہ اس کپّی سے گھی نکال نکال کر کھاتی رہیں۔ پھر حضرت ابوبکر صدیقؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ کی خلافت تک وہ اس کپّی سے گھی کھاتی رہیں۔ پھر جب حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ میں اختلاف پیدا ہوا، تو اس وقت بھی وہ اسی سے گھی کھاتی تھیں۔ (لگ بھگ ۲۱ سال ہو چکے تھے پر گھی کپّی سے ختم نہیں ہوا)

(اصابہ:۴۔۴۳۱۔ ہیثمی:۸۔۳۱۰)

حضرت امّ سُلیمؓ نے اپنی منہ بولی بیٹی کے ہاتھ، حضور ﷺ کو گھی بھجوایا۔ وہ لڑکی دے کر آئی اور کپّی کو گھر میں لا کر لٹکا دیا۔ امّ سلیمؓ اس وقت گھر میں نہیں تھیں جب وہ گھر میں لوٹیں، تو کپّی سے گھی ٹپکتا دیکھ کر اپنی بیٹی سے کہا، میں نے تم سے حضور ﷺ کو گھی بھجوایا تھا، تو واپس کیوں لے آئی؟ لڑکی نے کہا، گھی تو میں دے آئی ہوں، اگر آپکو میری بات پر اطمینان نہ ہو، تو آپ خود جا کر حضور ﷺ سے پوچھ لیں۔ حضرت ام سلیمؓ اس لڑکی کو ساتھ لیکر حضور ﷺ کے پاس گئیں اور آپ ﷺ سے کہا، یا رسول اللہ میں نے اس کے ہاتھ آپکو گھی بھجوایا تھا، یہ کہہ رہی ہے، کہ اس نے آپ کو گھی دے دیا ہے، لیکن کپّی گھر میں گھی سے بھری ٹپک رہی ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا: کہ ہاں...... یہ میرے پاس آ کر مجھے گھی تو دے گئی ہے، اب تم تعجب اس بات پر کر رہی ہو، کہ وہ خالی کپّی گھی سے کیسے بھر گئی؟!!! ارے...... اللہ اب تمہیں کھلا رہے ہیں، تو اس میں سے اب تم بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھلاؤ۔

حضرت امّ سلیمؓ فرماتی ہیں، کہ میں گھر واپس آئی اور اس گھی کو تھوڑا سا اپنے پاس رکھ کر باقی کا سارا تقسیم کر دیا۔ ہم نے اپنے بچے ہوئے گھی کو سالن کی جگہ پر ایک یا دو مہینہ استعمال کیا۔

(بدایہ:۶۔۱۰۳۔ دلائل:ص۲۰۴۔ اصابہ:۴۔۳۲۰)

ایک دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا، کہ مجھے آپ کی وجہ سے لوگوں کو برا بھلا کہنا پڑتا ہے۔ جب تب آپ کوئی ایسی بات زبان سے نکال دیتے ہیں۔ کہ لوگوں کو بولنے کا

موقع مل جاتا ہے۔ جیسے آج آپ نے خطبہ دیتے ہوئے زور سے کہا، اے ساریہ! پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے کہا، اللہ کی قسم! میں اپنے آپکو قابو میں نہ رکھ سکا، میں نے دیکھا، کہ ساریہ کی جماعت ایک پہاڑ کے پاس لڑ رہی ہے اور ہر طرف سے ان پر حملہ ہو رہا ہے، اس پر میں اپنے آپکو نہ روک سکا اور بول پڑا کہ "اے ساریہ!" پہاڑ کی طرف ہو جاؤ۔ (تاکہ صرف سامنے سے لڑنا پڑے)

کچھ دن بعد حضرت ساریہؓ کا قاصد خط لیکر آیا، جسمیں لکھا تھا، کہ جمعہ کے دن ہم لوگوں کو جب دشمن نے گھیر لیا تھا، تو اسوقت مجھے یہ آواز سنائی پڑی کہ "ساریہ!" پہاڑ کی طرف ہو جاؤ! میں وہ آواز سن کر اپنے ساتھیوں سمیت پہاڑ کی طرف ہو گیا۔ پھر ہم لوگوں نے دشمن کو ہرا بھی دیا اور انھیں قتل بھی کیا (ساریہؓ کی جماعت مدینہ سے لگ بھگ ۵۰۰ کلومیٹر دور دشمن سے گھری تھی، جہاں یہ آواز پہنچی تھی)

(دلائل: ص ۲۱۰)

حضرت اُسید بن حضیرؓ اور ایک انصاری صحابیؓ ایک رات حضور ﷺ کے پاس تھے، یہ لوگ اپنی کسی ضرورت کے بارے میں باتیں کر رہے تھے، جب وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر آنے لگے، تو بہت رات ہو چکی تھی، باہر بہت سخت اندھیرا تھا۔

ان دونوں لوگوں کے ہاتھ میں ایک ایک چھوٹی لاٹھی تھی، تو ان میں سے ایک کی لاٹھی سے یکایک (ٹارچ کی طرح) روشنی نکلنے لگی، جس کی روشنی میں یہ دونوں چلتے ہوئے ایک دوراہے پر پہنچے، جہاں سے دونوں کو الگ ہونا تھا۔ تو دوسرے صحابی کی لاٹھی سے بھی روشنی نکلنے لگی اور یہ دونوں اپنی اپنی لاٹھی کی روشنی میں اپنے گھروں کا پہنچ گئے۔

(بدایہ: ۶۔ ۱۵۲۔ ابن سعد: ۳۔ ۶۰۶۔)

حضرت حمزہ بن عمرو اسلمیؓ فرماتے ہیں، کہ ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے، سخت اندھیری رات تھی، اس میں ہم لوگ اِدھر اُدھر بکھر گئے، تو ہماری انگلیوں سے روشنی نکلنے لگی، میری انگلیوں کی اس روشنی سے لوگوں نے اپنی اپنی سواری اور گرے ہوئے سامان کو جمع کیا، تب کہیں جا کر میری انگلیوں سے روشنی ختم ہوئی۔

(بدایہ: ۸۔ ۲۱۳۔ ہیثمی: ۹۔ ۴۱۳)

حضرت ابوحفص فرماتے ہیں، ہم تمام نمازیں رسول اللہ کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پھر اپنے محلّے بنوحارث واپس ہوجاتے تھے، ایک رات سخت اندھیرا تھا اور بارش بھی ہوچکی تھی، ہم لوگ مسجد سے نکلے، تو میری لاٹھی سے روشنی نکلنے لگی، اس روشنی میں چل کر ہم اپنے محلّے میں پہنچے۔

(حاکم:۳۔۳۵۰)

حضرت عمرو بن عبسہؓ ایک سفر میں گئے، وہاں جب یہ اپنے اونٹ چرانے جاتے، تو دوپہر کے وقت، بادل آکران پر سایہ کرلیتا۔ یہ جدھر جاتے، بادل بھی ادھر ہی چل دیتا۔

(اصابہ:۔۳۔۶)

حضرت عباس بن سہل فرماتے ہیں، ایک صبح لوگوں کے پاس پانی، بالکل نہیں تھا، لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بات بتلائی۔ آپ ﷺ نے دعا کی، تو اللہ تعالیٰ نے ایک بادل اسی وقت بھیجا، جو خوب زور سے برسا، لوگ سیراب ہوگئے، پھر سب نے اپنی ضرورتیں پوری کیں اور برتنوں میں بھی بھرلیا۔

(دلائل:ص۱۹۰)

ایک قبیلہ کو حضور ﷺ نے یہ دعا دی تھی، کہ جب بھی اس قبیلہ کا کوئی آدمی انتقال کرے گا، تو اس کی قبر پر ایک بادل آکر ضرور برسے گا۔

ایک بار اس قبیلہ کے آزاد کردہ ایک غلام کا انتقال ہوا، تو مسلمانوں نے کہا، آج ہم حضور ﷺ کے اس فرمان کو بھی دیکھ لیں گے، کہ قوم کا آزاد کردہ غلام، قوم والوں میں سے ہی گنا جاتا ہے۔ چنانچہ جب اس غلام کو دفن کیا گیا، تو ایک بادل آکر اس کی قبر پر برسا۔

(کنز:۷۔۱۳۶)

حضرت مالک اشجعیؓ نے حضور ﷺ سے اپنے بیٹے عوف کے قید ہوجانے کے بارے میں بتلایا، تو حضور ﷺ نے فرمایا: اس کے پاس یہ خبر بھیج دو، کہ "لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّابِاللّٰهِ" کو کثرت سے پڑھیں۔ چنانچہ قاصد نے جاکر حضرت عوفؓ کو حضور ﷺ کا یہ پیغام پہنچادیا۔ حضرت عوفؓ نے خوب کثرت سے اسے پڑھنا شروع کردیا، تو کافروں نے انکے ہاتھ کو جس چمڑے کی ڈوری سے

باندھا ہوا تھا، وہ ڈوری ٹوٹ کر، گر گئی، حضرت عوفؓ قید سے باہر نکل آئے۔ باہر آ کر انھوں نے دیکھا، کہ ان لوگوں کی ایک اونٹنی وہاں پر موجود ہے حضرت عوفؓ اس پر سوار ہو کر چل دیئے۔ آگے جا کر دیکھا، کہ ان کافروں کے سارے جانور ایک جگہ پر جمع ہیں۔ انھوں نے جانوروں کو آواز لگائی، تو سارے جانور ان کے پیچھے چل پڑے۔

جب یہ مدینہ پہنچے اور اپنے گھر کے سامنے جا کر اونٹنی سے اترے، تو سارا کا سارا میدان انکے ساتھ آئے ہوئے اونٹوں سے بھر گیا۔ ان کے والد ان کو لے کر حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور سارا واقعہ بتایا، جس پر حضور ﷺ نے ان سے فرمایا: تمہارے ساتھ آئے ہوئے سارے اونٹ تمہارے ہیں، ان کو جو چاہے کرو۔ پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا﴾ ''جو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، اللہ اسکے لئے نقصانوں سے نجات کی شکل نکال دیتے ہیں۔ اور اس کو ایسی جگہ سے روزی پہنچاتے ہیں، جہاں سے اسکو گمان بھی نہیں ہوتا اور جو آدمی اللہ پر توکل کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہیں۔''

(سورہ طلاق:۳)(کنز:۷۔۵۹)

حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ''روحا'' نام کی جگہ کے گرجا گھر میں سو رہا تھا، وہ گرجا گھر اب مسجد بن چکی ہے اور اس میں نماز بھی پڑھی جاتی ہے۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک شیر میری طرف آ رہا تھا۔ میں گھبرا کر اپنے ہتھیاروں کی طرف لپکا، تو شیر نے مجھ سے انسان کی آواز میں کہا، کہ ٹھہر جاؤ! مجھے تمہارے پاس ایک پیغام دیکر بھیجا گیا ہے۔ تاکہ تم اسے آگے پہنچا دو۔ میں نے کہا، تمہیں کس نے بھیجا ہے؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس اس لئے بھیجا ہے، تاکہ آپ معاویہؓ کو بتا دیں، وہ جنت والوں میں سے ہیں، میں نے کہا، یہ معاویہؓ کون ہیں؟ اس نے کہا حضرت ابوسفیانؓ کے بیٹے۔

(ہیثمی:۹۔۳۵۷)

حضرت سفینہؓ فرماتے ہیں، کہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا ہماری ناؤ ٹوٹ گئی اور ہم بہتے ہوئے جنگل میں پہنچ گئے ہمیں آگے راستہ نہیں مل رہا تھا، ایکدم سے میرے سامنے ایک شیر آیا، میں نے شیر سے کہا، کہ میں حضور ﷺ کا صحابی سفینہ ہوں، میں راستہ بھٹک گیا ہوں، مجھے راستہ بتاؤ۔

یہ سنکر وہ میرے آگے آگے چل پڑا اور چلتے چلتے ہمیں راستے پر پہنچا دیا، پھر اسنے مجھے ذرا دھکا دیا گویا کہ وہ مجھے راستہ دکھلا رہا ہو۔

(بدایہ: ۶۷-۱۴۹)

جماعت کے لیے جنگل، درندوں سے خالی ہو گیا

حضرت عقبہ بن عامرؓ اپنی جماعت کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہے تھے، کہ شام ہو گئی، تو اپنے ساتھیوں سے کہا، یہاں خیمہ لگالو! ساتھیوں نے جنگل کے جانوروں کا عذر بتایا، یہ سنکر وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑے ہوئے اور جنگل کے جانوروں اور کیڑوں مکڑوں کو مخاطب کر کے اعلان کیا، کہ ہم لوگ حضور ﷺ کے صحابی ہیں۔ تم لوگوں کو یہ حکم دیتے ہیں، کہ اس جنگل کو تین دن کے اندر خالی کر دو، ورنہ تم لوگوں کا شکار کر لیا جائے گا۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ کی یہ آواز سن کر، جنگل کے جانورں نے قطار سے جنگل سے باہر جانا شروع کر دیا۔ اور تین دن سے پہلے ہی سارا جنگل جانوروں اور کیڑوں مکڑوں سے خالی ہو گیا۔

(طبقات ابن سعد۔۷۔۳۲۵)

عمرؓ کا خط دریا کے نام

حضرت عمرو بن عاصؓ نے جب مصر فتح کر لیا تو عجمی مہینوں میں سے ''بونہ'' مہینے کے شروع ہونے پر مصر والے ان کے پاس آئے اور کہا، امیر صاحب! ہمارے اس دریائے نیل کی ایک عادت ہے، جس کے بغیر یہ چلتا نہیں، حضرت عمروؓ نے ان سے پوچھا، وہ عادت کیا ہے؟ انھوں نے کہا، جب اس مہینے کی بارہ راتیں گزر جاتی ہیں، تو ہم ایسی کنواری لڑکی تلاش کرتے ہیں، جو اپنے والدین کی اکلوتی لڑکی ہوتی ہے۔ اس کے والدین کو راضی کرتے ہیں اور اسے

سب سے اچھے کپڑے اور زیور پہنا کر اس میں ڈال دیتے ہیں، حضرت عمرو بن عاصؓ نے کہا، یہ کام اسلام میں تو ہو نہیں سکتا، کیونکہ اسلام اپنے سے پہلے کے تمام (غلط) طریقے ختم کر دیتا ہے۔ چنانچہ مصر والے بونہ، ابیب، اور مسری تین مہینہ ٹھہرے رہے اور آہستہ آہستہ دریائے نیل کا پانی بالکل ختم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر مصر والوں نے مصر چھوڑ کر کہیں اور چلے جانے کا ارادہ کر لیا۔

حضرت عمرو بن عاصؓ نے یہ دیکھا، تو انھوں نے اس بارے میں حضرت عمرؓ کو خط لکھا، حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا، آپ نے بالکل ٹھیک کیا، بیشک اسلام اپنے پہلے کے تمام غلط طریقے ختم کر دیتا ہے۔ میں آپکو ایک پرچہ بھیج رہا ہوں، جب آپ کو میرا خط ملے تو آپ میرا وہ پرچہ دریائے نیل میں ڈال دیں۔ جب خط حضرت عمروؓ کے پاس پہنچا تو انھوں نے وہ پرچہ کھولا اس میں یہ لکھا ہوا تھا: ''اللہ کے بندے امیر المؤمنین عمر کی طرف سے مصر کے دریائے نیل کے نام۔ امّا بعد! اگر تم اپنے پاس سے چلتے ہو تو مت چلو اور اگر تمہیں اللہ واحد قہار چلاتے ہیں، تو ہم اللہ واحد قہار سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے چلا دے'' چنانچہ صلیب کے دن سے ایک دن پہلے یہ پرچہ دریائے نیل میں ڈالا، ادھر مصر والے مصر جانے کی تیاری کر چکے تھے، کیونکہ ان کی ساری معیشت اور زراعت کا انحصار دریائے نیل کے پانی پر تھا۔ صلیب کے دن صبح لوگوں نے دیکھا، کہ دریائے نیل میں سولہ (۱۶) ہاتھ پانی چل رہا ہے، اس طرح اللہ تعالیٰ نے مصر والوں کی اس بری رسم کو ختم کر دیا۔

(کنز: ۴- ۳۸۰)

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں، کہ جب حضور ﷺ نے حضرت علاء بن حضرمیؓ کو بحرین کی طرف بھیجا، تو میں بھی ان کے پیچھے ہو لیا۔ جب ہم لوگ سمندر کے کنارے پر پہنچے، تو حضرت علاء بن حضرمیؓ نے ہم لوگوں سے کہا کہ ''بسم اللہ کہہ کر سمندر میں گھس جاؤ'' چنانچہ ہم لوگ بسم اللہ کہہ کر سمندر میں گھس گئے اور ہم نے سمندر پار کر لیا اور ہمارے اونٹوں کے پاؤں بھی گیلے نہیں ہوئے۔

(دلائل۔ ص ۲۰۹۔ حلیہ ۸۔ ۱)

ایمان کی علامت

﴿اِنَّمَا الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتۡ قُلُوۡبُهُمۡ وَاِذَا تُلِیَتۡ عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتُهٗ زَادَتۡهُمۡ اِیۡمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمۡ یَتَوَكَّلُوۡنَ﴾

"کہ ایمان والے تو وہی ہیں، کہ جب ان کے سامنے اللہ کا نام لیا جاتا ہے، تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ تعالیٰ کی خبریں انھیں سنائی جاتی ہیں، تو ان خبروں کو سن کر ان کے یقین بڑھ جاتے ہیں اور وہ لوگ صرف اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں۔ (انفال:۲)

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے، کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا، کہ ایمان کیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم کو اللہ کا حکم پورا کر کے خوشی ہو اور اللہ کے کسی ایک بھی حکم کو چھوٹ جانے پر غم ہو، تو سمجھو، تم مؤمن ہو۔

حضرت عباس بن عبد المطلبؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ ارشاد فرتے ہوئے سنا ہے، کہ ایمان کا مزہ اس نے چکھا، جو

اللہ تعالیٰ کو رب،

اسلام کو ضرورتوں کے پورا کرنے کا طریقہ (دین) اور

محمد ﷺ کو رسول ماننے پر راضی ہو جائے۔

(مسلم)

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا، کہ کون سا ایمان افضل ہے؟

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا: وہ ایمان جس کے ساتھ ہجرت ہو۔

میں نے پوچھا، کہ ہجرت کیا ہے؟

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہجرت یہ ہے، کہ تم برائی کو چھوڑ دو۔

(مسند احمد)

حضرت عمرو بن شعیبؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا

ہے، کہ کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ ہر اچھی بری تقدیر پر ایمان نہ لائے۔

(مسند احمد)

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں، کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ نے ایک دن رسول اللہ ﷺ کے سامنے دنیا کا ذکر کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: غور سے سنو! دھیان دو، یقیناً سادگی، ایمان کا حصّہ ہے، یقیناً سادگی، ایمان کا حصہ ہے۔

(ابوداؤد)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اس کی تمام خواہشات اس طریقہ (دین) کے تابع نہ ہو جائیں، جس کو میں لیکر آیا ہوں۔

(ابن ماجہ)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں، میں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ اس طرح سے گزارا ہے، کہ ہم میں سے ہر ایک قرآن سے پہلے ایمان سیکھتا تھا اور جو بھی سورت حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوتی تھی، ہر ایک اس کے حلال وحرام کو ایسے سیکھتا تھا، جیسے تم لوگ قرآن سیکھتے ہو، اور جہاں وقف کرنا مناسب ہوتا تھا، اس کو بھی سیکھتا تھا، پھر اب میں ایسے لوگوں کو دیکھ رہا ہوں جو ایمان سے پہلے قرآن حاصل کر لیتے ہیں اور سورہ فاتحہ شروع سے آخر تک ساری پڑھ لیتے ہیں، اور انھیں پتہ نہیں چلتا کہ ''سورہ فاتحہ'' کن کاموں کا حکم دے رہی ہے اور کن کاموں سے روک رہی ہے اور اس سورت میں کون سی آیت ایسی ہے، جہاں جاکر رک جانا چاہیے اور سورہ فاتحہ کو ردّی کھجور کی طرح بکھیر دیتا ہے، یعنی جلدی جلدی پڑھتا ہے۔

(ہیثمی: ۱-۱۶۵)

جندب بن عبد اللہؓ فرماتے تھے، ہم نوعمر لڑکے حضور ﷺ ہوا کرتے تھے، پہلے ہم ایمان سیکھا، جس سے ہمارا ایمان اور زیادہ ہوگیا۔

(ابن ماجہ: ص ۱۱)

انمول موتی

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خود یہ دعوت دی ہے، کہ وہ اللہ پر ایمان لائیں، تا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اپنی حمایت اور حفاظت میں لے لیں۔

(ہیثمی: ۵۔۲۳۲)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا: کوئی بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک کہ وہ ایمان کی چوٹی تک نہ پہونچ جائے۔ اور ایمان کی چوٹی پر اس وقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک اس کے نزدیک فقیری، مالداری سے اور چھوٹا بننا، بڑے بننے سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے اور اس کی تعریف کرنے والا اور اس کی برائی کرنے والا برابر نہ ہو جائے۔

(حلیہ: ۱۔۱۳۲)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، کہ بندہ اس وقت تک ایمان کی حقیقت تک نہیں پہونچ سکتا، جب تک کہ آخرت پر دنیا کو ترجیح دینے والے لوگوں کو کم عقل نہ سمجھے

(حلیہ: ۱۔۳۰۶)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو علم اور ایمان چاہے گا اللہ تعالیٰ اسے ضرور دیں گے، جیسے ابراہیمؑ کو دیا، کہ اس وقت علم اور ایمان نہ تھا۔

(حلیہ: ۱۔۳۲۵)

حضرت ابو درداءؓ سے روایت ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ بندے کا اللہ سے اور اللہ کا بندے سے اس وقت تک تعلق رہتا ہے، جب تک وہ اپنی خدمت دوسروں سے نہ کرائے۔ بلکہ اپنے کام وہ خود کرے، اور جب وہ اپنی خدمت دوسروں سے کراتا ہے، تو اس پر حساب واجب ہو جاتا ہے۔

(حلیہ: ۱۔۲۱۴)

حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ بندہ کے اوراس کی روزی کے درمیان ایک پردہ پڑا ہوا ہے، اگر بندہ صبر سے کام لیتا ہے تو اس کی روزی خود اس کے پاس آجاتی ہے۔ اور اگر وہ بے سوچے سمجھے روزی کمانے میں گھس جاتا ہے، تو وہ اس پردے کے پھاڑ لیتا ہے۔ لیکن اپنے مقدر سے زیادہ نہیں پاتا ہے۔

(کنز العمال: ۸۔۲۱۰)

حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ ایمان صرف ایمانی صورت بنالینے سے نہیں ملتا۔

(کنز العمال: ۸۔۲۱۰)

حضرت عمرؓ نے فرمایا، اے لوگوں اپنے باطن کی اصلاح کرلو، تمہارا ظاہر خود ٹھیک ہوجائے گا۔ تم اپنی آخرت کے لیے عمل کرو، تمہارے دنیا کے کام اللہ تعالیٰ کی طرف سے خود بخود ہوجائیں گے۔

(بدایہ والنہایہ: ۷۔۵۶)

حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا، کہ کوئی بندہ اللہ کے یہاں چاہے جتنی عزت وشرف والا ہو، لیکن جب دنیا کی کوئی چیز یا سامان اسے ملتا ہے، تو اس چیز کے لینے کی وجہ سے اللہ کے یہاں اس کا درجہ کم ہوجاتا ہے۔

(حلیہ: ۱۔۳۰۶)

حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ کچھ لوگوں کے جسم تو دنیا میں رہتے ہیں، لیکن ان کی روحوں کا تعلق اللہ تعالیٰ سے جڑا ہوتا ہے، ایسے ہی لوگ، اس زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہیں اور یہی لوگ اس کے دین کی دعوت دینے والے ہیں۔ ہائے!! مجھے ان لوگوں کے دیکھنے کا کتنا شوق ہے۔

(کنز العمال: ۵۔۲۳۱)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابن آدم پر وہی چیز مسلط ہوتی ہے، ابن آدم جس چیز سے ڈرتا ہے۔ اگر ابن آدم، اللہ کے سوا کسی چیز سے نہ ڈرے، تو اس پر اللہ کے سوا کوئی چیز مسلط نہ ہو۔

ابن آدم کو اس چیز کے حوالے کردیا جاتا ہے، جس چیز سے اسے نفع یا نقصان ملنے کا یقین ہوتا ہے، اگر ابن آدم اللہ کے سوا کسی چیز سے نفع یا نقصان کا یقین نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ بھی اسے کسی

چیز کے حوالے نہ کریں۔

(کنز العمال:۷۔۶۵)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا، جس کے دونوں کناروں کے پٹھے لال یاقوت کے ہیں۔

(تفسیر ابن کثیر:۴۔۲۶۷)

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کی طرف وحی بھیجی کہ اے موسیٰ! فقیر وہ ہے، جو مجھے اپنا کفیل اور کارساز نہ سمجھے اور مریض وہ ہے جو مجھے طبیب نہ سمجھے اور غریب وہ ہے، جو مجھے دینے والا اور ہمدرد نہ سمجھے۔

(جواہر السنہ:۶۱)

حدیث قدسی: اے میرے بندے! ایک ارادہ تو کرتا ہے، اور ایک ارادہ میں کرتا ہوں، لیکن ہوتا وہی ہے، جو میں چاہتا ہوں۔ اگر تو اپنی چاہتوں کو میرے تابع نہیں کرے گا، تو میں تیری ہی چاہتوں میں تجھے تھکا دونگا اور دونگا وہی جو میں چاہتا ہوں۔

(کنز العمال:۵۴)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، کہ جو بندہ اسلام کی حالت پر صبح وشام کرتا ہے، تو دنیا کی کوئی چیز اس کا نقصان نہیں کرسکتی ہے۔

(حلیہ:۱۔۱۳۲)

حضرت عبیدہؒ نے فرمایا: مؤمن کے دل کی مثال چڑیا جیسی ہے۔ جو ہر دن نہ جانے کتنی بار اِدھر اُدھر پلٹتا رہتا ہے۔

(حلیہ:۱۔۱۰۲)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، کہ سست آدمی کے مقدر میں جو لکھا ہے، وہ اسے مل کر رہے گا، کوئی تیز آدمی اس سے آگے بڑھ کر اس کے مقدر کا نہیں لے سکتا۔ اسی طرح خوب زیادہ کوشش کرنے والا انسان وہ چیز حاصل نہیں کرسکتا، جو اس کے مقدر میں نہ لکھی ہو۔

(حلیہ:۱۔۱۳۴)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، گناہ کرنے کے بعد کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جو گناہ سے بھی بڑی ہوتی ہیں، کہ اگر گناہ کرتے ہوئے تمہیں اپنے دائیں بائیں کے فرشتوں سے شرم نہیں آئی، تو یہ اس کئے ہوئے گناہ سے بھی بڑا گناہ ہے۔

(کنز العمال:۸۔۲۲۴)

حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ اپنے لیے آسانی اور رخصت والا راستہ اختیار نہ کرو، ورنہ تم غفلت میں پڑ جاؤ گے اور اگر تم غفلت میں پڑ جاؤ گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔

(بدایہ والنہایہ:۷۔۳۰۷)

حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ تم اللہ سے یقین مانگو اور اس کے سامنے عافیت کا شوق ظاہر کرو اور دل کی سب سے بہتر کیفیت دائمی یقین ہے۔

(بدایہ والنہایہ:۷۔۳۰۷)

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب انسان گہری نیند میں سو جاتا ہے، تو اس کی روح کو عرش پر چڑھایا جاتا ہے۔ جو روح عرش پر پہونچ کر جاگتی ہے، اس کا خواب سچا ہوتا ہے اور جو اس سے پہلے ہی جاگ جاتی ہے اس کا خواب جھوٹا ہوتا ہے۔

(ہیثمی:۱۔۱۶۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا فرماتے، کہ اے اللہ! میں پناہ چاہتا ہوں اس نماز سے جو نفع نہ پہونچاتی ہو۔

(ابوداؤد شریف:۱۵۴۹)

حضرت معاویہؓ نے فرمایا، جب نماز کی صفیں کھڑی ہوتی ہیں، تو
آسمانوں کے دروازے،
جنت کے دروازے اور
جہنم کے دروازے،
کھول دئے جاتے ہیں اور سجی ہوئی حوریں زمین کی طرف جھانکتی ہیں۔

(حاکم:۳۔۲۹۴)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، مقدر کے جھٹلانے والے کی عیادت نہ کیا کرو، اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھا کرو۔

(تفسیر ابن کثیر:۴۔۲۶۷))

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، کہ امت کا پہلا شرک مقدر کا جھٹلانا ہے۔

(احمد)

حضرت علیؓ نے فرمایا، جن کے عمل علم کے خلاف ہونگے، وہ عمل اللہ کی اُور اوپر نہیں جائیں گے۔

(کنز العمال:۵۔۲۳۳)

حضرت ابودرداءؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: تم جتنا چاہے علم حاصل کرلو، علم حاصل کرنے کا ثواب تب ملے گا، جب تم اس علم پر عمل کروگے۔

(ابن عدی۔ خطیب)

حضرت علیؓ نے فرمایا، اس عبادت میں خیر نہیں، جس کا دینی علم نہ ہو اور اس دینی علم میں خیر نہیں، جسے آدمی سمجھا نہ ہو اور قرآن کی اس تلاوت میں کوئی خیر نہیں، جس میں انسان قرآن کے معنی اور مطلب میں غور وفکر نہ کرے۔

(حلیہ:۱۔۱۷۷)

حضرت معاویہؓ فرماتے ہیں، کہ سب سے زیادہ گناہ کرنے والا انسان وہ ہے، جو قرآن پڑھے، لیکن اس کے معنی اور مطلب کو نہ سمجھے، پھر وہ بچے، غلام، عورت اور باندی کو قرآن سکھائے، پھر یہ سارے لوگ مل کر قرآن کے ذریعہ علم والوں سے جھگڑا کریں۔

(جامع بیان العلم:۲۔۱۹۴)

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا، کہ جس کا علم، یقین تک، یقین، ڈر تک، ڈر، عمل تک، عمل، تقویٰ تک، تقویٰ، اخلاص تک، اور اخلاص، مشاہدے تک نہیں پہونچاتا، تو وہ شخص ہلاک ہوجاتا ہے۔

(پانچ منٹ کا مدرسہ)

حضور ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ سے وہی لوگ ڈرتے ہیں، جو اس کی قدرت کا علم رکھتے ہیں۔

(سورہ فاطر:۲۸)

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، امت وہ انسان ہے، جو لوگوں کو بھلائی اور خیر سکھلائے۔

(ابن سعد:۴۔۱۶۵)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، کہ ایوبؑ کے سامنے ایک مسکین پر ظلم ہو رہا تھا تو اس مسکین نے حضرت ایوبؑ سے مدد مانگی کہ ظلم کو روک دے، لیکن انھوں نے اس کی مدد نہ کی اتنی سی بات پر اللہ تعالیٰ نے ان کو بیماری میں مبتلا کر کے ان کا سارا مال ختم کرا کر آزمائش میں ڈال دیا۔

(کنز العمال:۲۔۲۴۸)

حضور ﷺ حضرت علیؓ کو کسی تقاضے پر بھیجتے تھے، تو حضرت جبرئیلؑ ان کو داہنی طرف سے اور حضرت میکائیلؑ بائیں طرف سے ان کو اپنے گھیرے میں لیتے تھے، جب تک وہ واپس نہ آئیں، تب تک یہ دونوں ان کے ساتھ رہتے تھے۔

(احمد:۱۔۱۹۹۔ابن سعد:۳۔۳۸)

ستائیس (۲۷) رمضان کو حضرت علیؓ شہید کئے گئے اور ۲۷ رمضان ہی کو حضرت عیسیٰؑ کو آسمانوں پر اٹھایا گیا۔

(حلیہ:۱۔۶۳)

حضرت عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو وصیت کی کہ اے سعد! تم نے حضور ﷺ کو نبی بنائے جانے سے لے کر ہم سے جدا ہونے تک جس کام کو کرتے ہوئے دیکھا ہے وہ کام تمہارے سامنے ہے۔ لہٰذا اس کام کی پابندی کرتے رہنا کیوں کہ یہی اصل کام ہے۔ یہ میری تم کو خاص نصیحت ہے۔ اگر تم نے اس کام کو چھوڑ دیا یا اس کام کی طرف توجہ نہ دی تو تمہارے سارے عمل برباد ہو جائیں گے اور تم گھاٹا اٹھانے والے بن جاؤ گے۔

گناہِ کبیرہ

حضور ﷺ کی ارشاد ہے: کہ جب کسی مومن سے گناہِ کبیرہ سرزد ہو جاتا ہے، تو ایمان کا نور اس کے قلب سے نکل کر اس کے سر پر سایہ کر لیتا ہے۔

(مسلم شریف)

گناہِ کبیرہ جن پر وعیدیں آئی ہیں، جن کی تعداد، اکہتر (۷۱) ہیں۔ جو بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔ ایک گناہ بھی جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔

(۱) امر بالمعروف نہی عن المنکر کو نہ کرنا	(۲) سود دینا	(۳) سود لینا
(۴) سود لکھنا	(۵) سود پر گواہ بننا	(۶) ظلم کرنا
(۷) جوا کھیلنا	(۸) جھوٹ بولنا	(۹) چوری کرنا
(۱۰) رشوت دینا	(۱۱) رشوت لینا	(۱۲) رشوت کے معاملے میں پڑنا
(۱۳) چغلی کرنا	(۱۴) ڈکیتی ڈالنا	(۱۵) تکبر کرنا
(۱۶) بدکاری کرنا	(۱۷) ریاکاری کرنا	(۱۸) خودکشی کرنا
(۱۹) تہمت لگانا	(۲۰) بدگمانی کرنا	(۲۱) جھوٹی گواہی دینا
(۲۲) قطع رحمی کرنا	(۲۳) جھوٹی قسم کھانا	(۲۴) دھوکہ دینا
(۲۵) نسب میں طعن کرنا	(۲۶) وعدہ خلافی کرنا	(۲۷) یتیم کا مال کھانا
(۲۸) فخر کرنا	(۲۹) برے لقب سے پکارنا	(۳۰) شرعی پردہ نہ کرنا

(۳۱) کسی کی غیبت کرنا	(۳۲) امانت میں خیانت کرنا
(۳۳) کسی کی زمین پر ملکیت کا دعویٰ کرنا	(۳۴) شراب پینا
(۳۵) فرض احکامات کو چھوڑنا	(۳۶) بے خطا جان کو قتل کرنا
(۳۷) پڑوسی کو تکلیف پہونچانا	(۳۸) ہٹے کٹے ہو کر بھیک مانگنا
(۳۹) کسی کا عیب تلاش کرنا	(۴۰) حقارت سے کسی پر ہنسنا

(۴۱) چھوٹوں پر رحم نہ کرنا	(۴۲) بڑوں کی عزت نہ کرنا
(۴۳) جادوٹونا کرنا یا کرانا	(۴۴) مال کو گناہ میں خرچ کرنا
(۴۵) کسی جاندار کی تصویر بنانا	(۴۶) کسی کے نقصان پر خوش ہونا
(۴۷) کسی کے مال کا نقصان کرنا	(۴۸) کسی جاندار کو آگ میں جلانا
(۴۹) مردوں کو عورتوں کا لباس پہننا	(۵۰) عورتوں کو مردوں کا لباس پہننا
(۵۱) کسی کی آبرو کا صدمہ پہونچانا	(۵۲) پچھلے گناہ پر عار (شرم) دلانا
(۵۳) اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا	(۵۴) بلاوجہ کسی کو برا بھلا کہنا
(۵۵) عُجب یعنی اپنے آپ کو اچھا سمجھنا	(۵۶) کسی کی کوئی چیز بلا اجازت لینا
(۵۷) کافروں اور فاسقوں کا لباس پہننا	(۵۸) بغیر شرعی عذر کے جماعت کی نماز چھوڑنا
(۵۹) دنیا کمانے کے لیے علم دین حاصل کرنا	(۶۰) ضرورت مند کی باوجود وسعت کے مدد نہ کرنا

(۶۱) اوپر سے پہنے ہوئے کپڑوں سے ٹخنوں کو ڈھانکنا۔

(۶۲) داڑھی منڈانا، یا ایک مشت سے کم پر کترنا۔

(۶۳) شرعی طریقے پر ترکہ کو تقسیم نہ کرنا، بالخصوص بہنوں کو میراث سے ان کا حصہ نہ دینا۔

(۶۴) بخل یعنی شریعت میں جہاں جہاں خرچ کرنے کا حکم دیا ہے وہاں نہ کرنا۔

(۶۵) مزدور سے کام لے کر اس کی مزدوری نہ دینا، یا کم دینا، یا دیر کرنا۔

(۶۶) حرص یعنی مال جمع کرنے میں حرام اور ناجائز طریقوں سے نہ بچنا۔

(۶۷) کسی سے کینہ رکھنا، یعنی بدلہ لینے کا جذبہ دل میں رکھنا۔

(۶۸) کسی دنیاوی رنج سے تین دن سے زیادہ بولنا چھوڑ دینا۔

(۶۹) پیشاب کی چھینٹوں سے بدن اور کپڑوں کی حفاظت نہ کرنا۔

(۷۰) ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور ان کو تکلیف دینا۔

(۷۱) بھوکوں اور ننگوں کی حیثیت کے موافق مدد نہ کرنا۔

توبہ کرنے میں چار (۴) شرطیں ہیں۔ جنہیں علماء کرام سے معلوم کر کے عمل میں لایا جائے۔

بحمد اللہ

اس کتاب میں حضرت مولانا محمد سعد صاحب دامت برکاتہم کے دو (۲) مکمل بیانات، جو دسمبر ۲۰۰۹ء میں ایٹ کھیڑا بھوپال میں ہوئے تھے، سی ڈی (CD) کی مدد سے لکھے گئے ہیں۔

حضرت والا نے اپنے بیان میں مسجد کی آبادی کی محنت پر زور دیتے ہوئے، مسجد کی آبادی کے طریقۂ کار کے اصول بیان کیے، اسی طرح تعلیم کرانے کا طریقہ بھی بیان فرمایا۔ نیز اللہ کی ذات سے براہِ راست لینے کے طریقہ سے بھی آگاہ کیا۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ کے آخری خطابات کے اقتباسات بھی افادۂ عام کی غرض سے شامل کیے گئے ہیں۔

اسی طرح ایمان کی تقویت کے چار اسباب، انبیاء علیہم السلام اور صحابہ کرام رضي الله عنهم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے غیبی مددوں کے حیرت انگیز محیرُ العقول واقعات بھی شامل ہیں۔ نیز آخر میں گناہِ کبیرہ کی فہرست درج ہے، تاکہ مطالعہ کرنے والے حضرات کو کبائر کا استحضار رہے۔

ISBN 81-7101-583-2 www.idara.co
9 788171 015832 ₹ 60000